تاریخ المشاہیر

"رحمۃ للعالمین" کے مصنف کے قلم سے ائمہ، علما، صوفیا،
مشائخ، قضاۃ، سلاطین، ادبا، اور شعرا، کی تاریخ اور
اِن کے فکر انگیز حالات و واقعات کا نایاب مجموعہ

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

تاریخ المشاہیر

تاریخ المشاہیر

"رحمۃ للعالمین" کے مصنف کے قلم سے ائمہ، علماء، صوفیاء
مشائخ، قضاۃ، سلاطین، ادباء اور شعراء کی تاریخ اور
ان کے فکر انگیز حالات و واقعات کا نایاب مجموعہ

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ

تہذیب جدید
جناب پروفیسر ذوالفقار کاظم صاحب

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

کتاب	=	تاریخ المشاہیر
مصنف	=	قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ
تہذیب جدید	=	جناب پروفیسر ذوالفقار کاظم صاحب
باہتمام	=	محمد ناظم اشرف
ناشر	=	بیت العلوم ۲۰ نابھہ روڈ پرانی انار کلی لاہور
		فون ۷۳۵۲۴۸۳

ملنے کے پتے

بیت العلوم	=	۲۰ نابھہ روڈ' پرانی انار کلی لاہور
ادارہ اسلامیات	=	۱۹۰ انار کلی' لاہور
ادارہ اسلامیات	=	ارجن بلڈنگ' موہن روڈ' چوک اُردو بازار کراچی
دار الاشاعت	=	اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت القرآن	=	اردو بازار کراچی نمبر ۱
ادارۃ القرآن	=	چوک لسبیلہ گارڈن ایسٹ کراچی
ادارۃ المعارف	=	ڈاک خانہ دار العلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دار العلوم	=	جامعہ دار العلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ سید احمد شہید	=	الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ تقریظ ﴾

مفتی اعظم پاکستان

حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ زیر نظر کتاب "تاریخ المشاہیر" تاریخ اسلام کی ان مشہور شخصیات کے سبق آموز حالات پر مشتمل ہے جنھوں نے دینی علوم، فقہ و تصوّف اور سیاست و شعر و ادب میں سے کسی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ چنانچہ اس میں مشہور ائمہ' مجتہدین اور محدثین و مفسرین' صوفیائے کرام، مسلم حکمرانوں، مشہور قاضیوں ادیبوں اور شعراء کے دلچسپ اور سبق آموز حالات مصنف نے بڑی خوبی سے بیان کیئے ہیں اس کتاب کے مصنف جناب قاضی محمدؐ سلیمان سلمان منصورپوریؒ کی ایک اور عظیم الشان کتاب "رحمۃ اللعالمین" کو جو مقبولیت اور اعتماد حاصل ہوا اس پر قیاس کرتے ہوئے قوی امید ہے کہ زیر نظر کتاب "تاریخ المشاہیر" بھی مقبولیت حاصل کرے گی اور مسلمانوں کیلئے مشعل راہ ثابت ہوگی۔

میرے خواہر زادے عزیزم مولوی محمد ناظم سلّمہٗ فاضل دارالعلوم کراچی جو جامعہ اشرفیہ لاہور میں پچھلے کئی برسوں سے درس نظامی کی تدریس کی خدمت خالص لوجہ اللہ انجام دے رہے ہیں، انہوں نے اپنے ادارے بیت العلوم سے اس مبارک کتاب کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نیک کام میں رہنمائی اور دستگیری فرمائے اور ان کے ادارے کو مزید مفید کتابیں امت مسلمہ کے سامنے لانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

﴿واللہ المستعان﴾

عرض ناشر

باقی رہنے والی ذات صرف اللہ کی ہے لیکن اللہ ہی کے پیدا کردہ کچھ انسان جسمانی طور پر تو ختم ہو جاتے ہیں لیکن اپنے کارناموں کیوجہ سے ہمیشہ کیلئے باقی رہ کر تاریخ کا حصہ بنکر بعد میں آنیوالوں کے لیے نشان منزل ثابت ہوتے ہیں۔

"نوشیرواں نمرد کہ نام نکو گزاشت"

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ اس میں ان تاریخی شخصیات کا تذکرہ اور حالاتِ زندگی بیان کیے گئے جنہوں نے علم و فضل، شعر و ادب، فقہ و قضا، تزکیہ و تصوف، غرض کسی بھی شعبہ زندگی میں کوئی کمال کر کے خود کو باقی رکھا اور اسکا مصداق بنے۔

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی

"تاریخ المشاہیر" کے مولف علام جناب قاضی سلیمان منصور پوری صاحبؒ کا نام محتاجِ تعارف نہیں، سیرت النبی ﷺ پر اپنی گرانقدر کتاب "رحمتہ للعالمین" کیوجہ سے چار دانگ عالم میں شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ فاضل مولف کی کتاب "تاریخ المشاہیر" جو آج سے کافی عرصے پہلے چھپی تھی پھر منظر عام سے غائب ہو گئی، الحمد اللہ اب دوبارہ "بیت العلوم" کے زیر انتظام پوری آب و تاب کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے جو کہ باذوق قارئین کے لیے انشاء اللہ ایک قیمتی علمی سرمایہ ثابت ہو گی۔ اس سلسلے میں ہم مولانا خالد محمود صاحب کے ممنون ہیں کہ جنہوں نے اس

کتاب کا نسخہ فراہم کیا اور اس کو چھاپنے کی خواہش ظاہر کی۔

تاریخ المشاہیر کے قدیم نسخے میں تہذیبِ جدید اور ترتیبِ نو کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ جناب پروفیسر ذوالفقار کاظم صاحب نے اس کی تہذیبِ جدید اور ترتیبِ نو کی خدمت انجام دی۔ جناب پروفیسر ذوالفقار کاظم صاحب جو ریڈیو پاکستان کے سینئیر آفیسر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کہنہ مشق ادیب' شاعر' مترجم اور کئی کتب کے مصنف بھی ہیں۔ اور تاریخ المشاہیر سے پہلے شہرہ آفاق کتاب ''الرحیق المختوم'' کی تہذیبِ جدید کی خدمت بھی سرانجام دے چکے ہیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ ان کی اس خدمت کو بھی قبول فرمائے اور ہم سب کو اس کتاب سے فیض یاب ہونے کے توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد ناظم اشرف

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الحمدللہ الحی القیوم الذی تفرد بالبقاء والدوام وکتب الموت والفناء علی جمیع الانام والصلوۃ والسلام عل حبیبہ ورسولہ محمد افضل الانبیاء و امام الاصفیا الی یوم القیام فصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ محمدوالہ و ازواجہ و ذریاتہ واہل بیتہ و خلفاء ہ و اصحابہ وبارک و سلمہ۔

مخدومی قاضی محمد سلیمان صاحب منصورپوری پنشنر سیشن جج ریاست پٹیالہ و مصنف رحمتہ اللعالمین کے نام نامی واسم گرامی سے غالباً ملک کا بچہ بچہ واقف ہے کیونکہ آپ مشرقی ہند کے وہ مایہ ناز فرزند ہیں جنکی تاریخی خدمات پر ہم مدتوں نازاں رہیں گے اور دوسرے کاموں پر بجا فخر کر سکیں گے۔ صاحب ممدوح نے رحمتہ اللعالمین لکھ کر تاریخی دنیا پر جو احسان عظیم کیا اور جس محنت شاقہ سے یہ مواد مہیا کر کے سیرت نبویہ میں ایک نئی طرح ڈالی اور نئی نئی معلومات بہم پہنچائیں اگر ہم سب مل کر بھی اس کا شکریہ ادا کریں تو رحمتہ للعالمین کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ رحمتہ للعالمین ہی وہ ایک مقبول کتاب ہے جسے تاریخی حیثیت میں نہ صرف مستند مانا گیا بلکہ اطراف عالم میں اسے قبولیت کا جامہ پہنایا گیا اور منجانب اللہ اسے وہ شرف حاصل ہوا جو آج تک کسی اردو کتاب کو نصیب نہیں ہوا۔

رحمتہ اللعالمین ہی وہ کتاب ہے جسے جامعہ عثمانیہ دکن ،جامعہ عباسیہ بھاولپور' دارالعلوم دیوبند ، دارالعلوم ندوہ العلماء اور جامعہ ملیہ دہلی وغیرہ نے نصاب میں داخل کیا ہے اور تقریباً تمام اسلامیہ ہائی سکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔

رحمتہ للعالمین ہی وہ کتاب ہے جس کی صحت و برتری کے بڑے بڑے عالم، محدث، مورخ اور فلاسفر بھی قائل ہیں اور سب اہل علم اپنی اپنی لائبریریوں میں اس کا رکھنا ضروری سمجھتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کے مطالعہ کی ترغیب دلاتے ہیں۔ اسی رحمتہ للعالمین کے مصنف کی یہ ایک اور تاریخی کتاب ہے جو آپ کے لئے پیش کیجارہی ہے۔ اسی سے آپ اس کی خوبیوں کا اندازہ بھی لگا سکتے ہیں۔

بزرگان دین کے یہ تاریخی حالات اگرچہ آج سے بہت عرصہ پہلے یعنی ۱۸۹۹ء میں اخبار وکیل کیلئے لکھے گئے جو وقتاً فوقتاً اس میں چھپتے رہے مگر کتابی صورت میں مدون ہو کر آج ہی شائع ہو رہے ہیں اور اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک نئی تاریخی چیز ہے جو صاحب ممدوح کے نام سے شائع ہو رہی ہے۔ ۱۸۹۹ء میں جب منشی غلام محمد صاحب مرحوم مالک اخبار وکیل نے اپنے اخبار میں تصاویر کا سلسلہ شروع کیا تو قاضی صاحب نے انہیں لکھا کہ آپ تصاویر شائع نہ کریں اگر مضامین کی قلت ہو تو میں ہر ہفتہ مشاہیر اسلام کی سوانح عمریاں لکھ کر بھیجدیا کرونگا چھاپ لیجئے تاکہ قوم ان سے مستفیض ہو۔ منشی صاحب مرحوم نے قاضی صاحب کے مشورہ کو پسند فرمایا اور یہ سلسلہ اخبار میں شروع ہو گیا جو ملک میں نہائت پسندیدگی و قبولیت کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔

اب جبکہ وکیل کا کوئی پرچہ بھی کسی کے پاس نہیں تو ضروری تھا کہ جہاں تک جلد ممکن ہو سکے اس گوہر بے بہا کو دستبرد زمانہ سے بچا کر کتابی صورت میں لانا چاہئیے تاکہ یہ ہمیشہ کیلئے محفوظ رہے۔ چنانچہ وہ سب حالات جو اخبار کے لئے نہائت اختصار سے لکھے گئے تھے جمع کر لئے گئے اور چند مشاہیر کے مزید حالات لکھنے کیلئے قاضی صاحب موصوف سے درخواست کی گئی جو قبول ہوئی اور چند ہی دنوں میں یہ اچھی خاصی کتاب تیار ہو گئی۔

اس کتاب سے ملک و قوم کو جس قدر منفعت حاصل ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے کیونکہ ہمیشہ قوموں کو بیدار و ہشیار کرنے کیلئے بزرگان قوم ہی کا تذکرہ کام آتا ہے اور یہ چیز انسانی فطرت میں کچھ اس طرح داخل ہو گئی ہے کہ اسے فطرت ثانیہ کہا جائے تو بجا ہے۔ قرآن کریم نے بھی اسی اصول کے ماتحت سابقہ اقوام اور انبیائے کرام کے حالات بیان کئے ہیں تاکہ مسلمان ان سے سبق و موعظت حاصل کریں اور اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ اس کتاب میں بھی اسی لئے بزرگان دین، پیشوایان ملت اور شاہان اسلام کے حالات جمع کئے گئے ہیں کہ قارئین کرام ان سے متمتع ہو سکیں۔ انکی سوانح حیات سے سبق حاصل کریں اور ان کے کارناموں پر بنظر امعان غور کریں۔

چونکہ انسان کی تعلیم و تربیت کیلئے بہترین ذریعہ خود اسی کے افراد جنس کے حالات ہو سکتے ہیں اور انسان کے سامنے زندگی ہی بہترین نمونہ انسانیت کا بن سکتی ہے اس لئے اسلاف کے حالات اور تاریخ کا مطالعہ اور بھی ہمارے لئے زیادہ ضروری ہے کہ ہم ان سے سبق لے کر اپنی زندگی سنوار سکیں۔ مشاہیر کے حالات جہاں پچھلی نسلوں کیلئے تذکرہ ہیں وہاں سبق حاصل کرنے والوں کیلئے تبصرہ بھی ہیں کہ وہ ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر غور کریں اور ان کے نشیب و فراز کو اچھی طرح دیکھیں پھر خذ ما صفا ودع ما کدر کے اصول پر اچھی اچھی باتیں اخذ کر لیں اور ان پر عمل کی کوشش کریں کیونکہ قرآن حکیم نے بھی آیت کریمہ ذکر لک و لقومک میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

پس آپ جب اس کتاب کا مطالعہ کریں تو کسی کے حالات پڑھنے کے بعد کتاب بند کر کے چند منٹ تک غور فرمائیں کہ اس شخص کے حالات میں کونسی نئی بات معلوم ہوئی۔ اگر یہ شخص صفات حمیدہ اور اوصاف جمیلہ کا مالک تھا تو کیا ان اوصاف کا کوئی حصہ مجھ میں ہے؟ اور اگر اس میں کوئی ایسی عادت تھی جو قابل نفرت ہو اور جسے و

وقایع نگار نے نمایاں طور پر آشکار کر دیا ہو تو کیا وہی عادت خود مجھ پر بھی تو حکمران نہیں؟ امید ہے کہ اس تدبیر سے مکارم اخلاق کے حصول کا ایک جذبہ پیدا ہو جائے گا جو صحیح معنوں میں اخلاقی و روحانی ارتقا کا خضر راہ بن سکے یا آپ کی قوت ارادی میں اتنی قوت و طاقت پیدا کر دے کہ وہ عادت بد کا مقابلہ کر سکے اور یہی امر بالآخر تزکیہ نفس کا سبب اور تصفیہ قلب کا موجب ہو جائے۔

آجکل ناول نویسی اور ناول خوانی کا بڑا زور ہے۔ بعض پڑھنے والے کسی ناول کو اخلاقی یا تاریخی سمجھ کر نیک نیتی سے اس کا مطالعہ مفید خیال کرتے ہیں مگر وہ نہیں جانتے کہ صاف دلوں کیلئے یہ کسقدر ضرر رساں ہیں! ناول کی داستان کو سحر نگار مصنف حد درجہ موثر بنانے کی سعی کرتا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ناول خواں کو واقعات صحیحہ اور تواریخ اصلیہ کے مطالعہ سے کچھ دلچسپی نہیں رہتی، مذاق بگڑ جاتا ہے، اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے اور جذبات و احساسات انسانی پژمردہ ہو جاتے ہیں اور یہ ایک ضرر عظیم ہے۔ ناول میں نیک و بد صفات کو ایسے مبالغہ سے بیان کیا جاتا ہے کہ اصلی نیکی یا بدی کی کوئی قدر و قیمت یا اہمیت دل و دماغ پر اثر انداز نہیں ہو سکتی اور پڑھنے والا محض خوش وقتی کے طور پر دل لگی سمجھ کر زبان کے چٹخاروں ہی میں رہ جاتا ہے۔

مگر بخلاف اس کے تاریخ کا مطالعہ ہر حیثیت سے مفید ہے کیونکہ وہ قومی روایات کا مجموعہ ہوتا ہے پس ناول چھوڑ کر ہمیشہ تاریخ پڑھو جو واقعات ہیں۔ حقائق ہیں اور ہمارے ہی جیسے انسانوں کی زندگی کا آئینہ ہیں۔ یہی حالات ہمارے لئے ایک بہترین واعظ ہیں، اعلیٰ تریں مشیر ہیں اور کامل تریں استاد ہیں۔ ہر انسان اپنے آپ کو اس نمونہ کے مطابق ترقی دے سکتا ہے اور اس کے مطالعہ ہی سے ہر برے نمونہ سے بچ سکتا ہے۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے اور اسلاف کے حالات کو بغور پڑھنے سے ایک فائدہ یہ بھی ہے

کہ اپنے اسلاف کی ترقیات کا دور ہمارے سامنے آجاتا ہے اور ہمیں صحیح طور پر یہ اندازہ لگانے کا موقعہ مل جاتا ہے کہ ہم پہلے کیا تھے اور اب کیا ہو گئے؟ وہ کونسے عیوب و نقائص ہیں جن کی بدولت ہمیں یہ روزبد دیکھنے پڑے؟ اور وہ کونسے اسباب و علل ہیں جو ہمارے اس نکبت وافلاس کا موجب ہوئے۔

الغرض جب اس نقطہ نگاہ سے تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پھر خود بخود انسان ترقی کی طرف قدم اٹھانے لگتا ہے، اس کے مردہ جذبات زندہ ہو جاتے ہیں، اس میں اسلامی روح کار فرما ہو جاتی ہے اور اس کے سینہ میں قومی جوش موجزن ہو جاتا ہے۔ خصوصاً جب اسے یہ معلوم ہو جائے کہ میرے اسلاف کی ترقی کا انحصار محض میثاق ربانی کے مطابق ایمان اور عمل کی پابندی پر موقوف تھا اور اسی کی بدولت وہ دینی عروج اور دنیوی رفعت پر فائز المرام تھے اور آج ہماری ذلت کا سب سے بڑا باعث انہیں شروط کا فقدان ہے تو وہ اٹھتا ہے اس نقص اور کمی کو محسوس کرتا ہے، خود اپنی اصلاح کرتا ہے اور دوسروں کی اصلاح کے درپے ہو جاتا ہے۔ پس یہ فوائد محض تاریخ کے مطالعہ اور اسلاف کے حالات پڑھنے ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں اور اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے ''تاریخ المشاھیر'' شائع کی جارہی ہے۔ امید ہے کہ آپ خود اس سے متمتع ہونگے اور دوسروں کو بھی ترغیب دلا کر اس کی اشاعت بڑھائینگے۔



☆ ☆ ☆ ☆ ☆

آئمہ وعلماء

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ

نسب :۔ نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ سن۔

بیان کیا گیا ہے کہ زوطی بنو تیم اللعابن ثعلبہ کے مملوک تھے' پھر آزاد ہوئے۔ لہذا بنو تیم اللعابن ثعلبہ کے ساتھ ان کو حق ولا حاصل ہے۔ خطیب بغدادی نے اسی لئے حضرت امام کو ابو حنیفہؒ التیمی کے پتہ سے معین کیا ہے۔ ثابت اسلام سے مشرف گھرانے میں پیدا ہوئے مگر ان کا سنہ ولادت تاریخ میں نہیں ملتا۔ بعض نے اس خاندان کا نکاس کابل' بعض نے بابل' بعض نے ترمذ اور بعض نے انبار سے بتایا ہے۔

ولادت ووفات :۔ امام صاحب کی ولادت ۸۰ھ میں بمقام کوفہ ہوئی۔ اسی شہر میں رہ کر آپ نے تکمیل علوم فرمائی۔ منصور عباسی نے ان کو حکماً کوفہ چھوڑنے اور بغداد ٹھہرنے پر مجبور کیا۔ ۱۵۰ھ کو بماہ رجب (بقول بعض بماہ شعبان) انتقال فرمایا۔

استفادہ وافادہ :۔ حماد بن سلیمان سے فقہ حاصل کی۔ عطاء بن ابی رباح اور ابو اسحٰق سبیعی' محارب بن وثار' ہیثم بن حبیب الصراف، محمد بن المنکدر، نافع مولی عبد اللہ ابن عمرؓ اور ہشام بن عروہ اور سماک بن حرب سے سماع حاصل کیا۔ ان سے روائت عبد اللہ ابن مبارک اور وکیع بن الجراح اور قاضی ابو یوسف اور محمد بن حسن شیبانی وغیرہ کرتے ہیں۔

اوصاف جمیلہ :۔ امام صاحب علم، صاحب عمل، زاہد، عابد اور صاحب ورع و تقویٰ تھے۔ خضوع خشوع الی اللہ کی حالت اکثر طاری رہتی تھی۔

انکار از حکومت قضا اور ابتلاء :۔ امام صاحبؒ ابھی کوفہ ہی میں تھے کہ مروان بن محمد اموی کے گورنر عراقین یزید بن عمرو بن ھبیرۃ الفزاری نے ان کو قاضی بننے پر مجبور

کیا۔ امام صاحب نے انکار کر دیا۔ اس نے حکم دیا کہ سو تازیانے دس کے حساب سے لگائے جائیں۔ یہ سزا انہوں نے صبر کے ساتھ برداشت کر لی مگر قضاء کو منظور نہ فرمایا۔

پھر جب حکومت عباسیہ قائم ہو گئی تو منصور عباسی نے ان کو قاضی بنانا چاہا اور آپ نے انکار کر دیا۔ منصور نے حلفیہ کہا کہ تم کو قاضی بننا پڑیگا۔ امام ابو حنیفہؒ نے بھی حلفیہ انکار کر دیا۔ منصور کا مصاحب ربیع بن یونس تھا اور اس کی کچھ لاگ ڈانٹ امام صاحب سے رہتی تھی۔ وہ بولا، ابو حنیفہؒ ہوش کرو۔ امیر المومنین بحلف فرما رہے ہیں اور تم پھر بھی انکار کئے جاتے ہو، امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا' ہاں امیر المومنین اپنے حلف کا کفارہ باسانی ادا فرما سکتے ہیں۔ مجھ غریب کو تو کفارہ دینا بھی مشکل ہے۔

ربیع کا بیان ہے کہ دوران گفتگو منصور نے کہا تھا کہ تم اس منصب کیلئے شایاں ہو۔ امام صاحب نے کہا' ہرگز نہیں۔ منصور بولا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا۔ 'لو اب تو آپ ہی نے فیصلہ کر دیا۔ جو شخص جھوٹا ہے وہ قاضی کیونکر بنایا جا سکتا ہے' امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ ربیع نے منصور سے کہا کہ ابو حنیفہؒ تو آپ کے جد بزرگوار عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مخالف ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حلف علی الیمین کا استثناء ایک دو روز کے بعد بھی جائز ہے اور ابو حنیفہؒ کہتا ہے کہ نہیں استثنا ہو تو یمین کیساتھ ساتھ ہو۔ تاخیر کے بعد استثناء نہیں ہو سکتا۔ منصور نے ان کی طرف دیکھا۔ امام ابو حنیفہؒ نے کہا' ربیع کہتا ہے کہ اہل عساکر جو اقرار بیعت خلیفہ کے سامنے کرتے ہیں اس کی پابندی ان پر واجب نہیں'۔ منصور نے پوچھا، یہ کیونکر۔ کہا، اس لئے کہ حضور کے سامنے حلف کر لیا اور گھر پہنچ کر انشاء اللہ کہہ لیا۔ منصور ہنس پڑا۔ کہا، ربیع ابو حنیفہؒ سے چھیڑ چھاڑ نہ کیا کرو۔ ربیع نے دربار سے باہر نکل کر کہا' ابو حنیفہؒ آج تو تم نے مجھے قتل ہی کرا دیا تھا امام صاحبؒ نے کہا، نہیں یہ ارادہ تو تمہارا تھا۔ میں نے اپنی

جان بچائی اور تم کو بھی بچایا۔

ایسا ہی واقعہ ابو العباس طوسی کیساتھ ہوا۔ وہ امام صاحبؒ کا مخالف تھا۔ اس نے منصور کے سامنے پوچھا کہ اے ابو حنیفہؒ! امیر المومنین ایک شخص کے قتل کا حکم دیتے ہیں جس کا بظاہر کوئی قصور نہیں۔ تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ امامؒ نے کہا کہ امیر المومنین کا حکم مبنی بر حق ہوتا ہے یا مبنی بر باطل۔ طوسی کو کہنا پڑا کہ مبنی بر حق۔ امامؒ نے کہا، پھر نفاذ حق کے متعلق تم کو سوال کی کیا ضرورت پڑی۔

عبداللہ بن رجا کہتے ہیں، کوفہ میں ایک شخص امام ابو حنیفہؒ کا ہمسایہ تھا۔ دن کو دکان پر کام کرتا رات کو شراب کباب اور راگ و سرود میں پورا کرتا۔ امام صاحبؒ تہجد میں ہوتے اور وہ برابر چلایا کرتا اور یہ شعر پڑھا کرتا۔[1]

اضاعونی وای فتی اضاعوا لیوم کریهة و سداد ثغر

ایک رات امام صاحب کو اس کی آواز نہ سنائی دی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ پولیس میں گرفتار ہے۔ امام صاحبؒ فوراً حاکم شہر کے پاس پہنچے۔ امیر نے امام کو دیکھا تو خیر مقدم کیلئے چند افسر بھیجے اور کہا کہ ان کو تا لب فرش سوار لاؤ میں چاہتا ہوں کہ ان کا خچر میرے فرش پر گامزن ہو۔ الغرض امام صاحب کے اس ادب واحترام کے بعد امیر نے تشریف آوری کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے اپنے ہمسایہ کی گرفتاری کا حال سنایا اور رہائی کی سفارش کی۔ امیر نے حکم دیا کہ اس رات جتنے ملزم گرفتار کیے گئے ہیں، سب کو چھوڑ دیا جائے۔ امام صاحبؒ اس ہمسایہ کو رہائی دلا کر گھر کو چلے۔ راہ میں پوچھا، کیوں بھائی ہم نے تجھے ضائع تو نہیں ہونے دیا۔ وہ بولا' جزاک اللہ آپ نے مجھ جیسے گنہگار کو بچالیا۔ بعد ازاں وہ اپنے افعال سے تائب ہو گیا اور اس کی حالت درست ہو گئی۔

---

[1] لوگوں نے مجھ کو ہاتھ سے کھو دیا اور کیسے شخص کو کھویا جو لڑائی اور رخنہ بندی کے دن کام آیا۔

جعفر بن ربیع کا قول ہے، میں چند سال تک امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ٹھہرا۔ وہ بہت کم گو اور سکوت پسند تھے۔ ابراہیم بن عکرمہ کہتے ہیں۔ میں نے ابو حنیفہؒ جیسا اور فقیہہ کوئی نہیں دیکھا۔ امام سفیان بن عیینہ کہتے ہیں، میں نے مکہ میں ابو حنیفہؒ سے زیادہ نفل پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ امام وکیع کہتے ہیں۔ ابو حنیفہؒ عظیم الامانتہ تھے اور راہ خدا میں ہر چیز کے ایثار پر تیار ہو جاتے تھے۔ سچ کے مقابلہ میں تلواروں کا نشانہ بن جانا ان کو آسان تھا۔

عبداللہ مبارک نے ایک روز فرمایا کہ ابو حنیفہؒ تو آئت (نشان) تھے۔ ایک شخص بولا، نیکی یا بدی میں؟ ابن المبارک نے فرمایا، چپ رہو۔ لفظ آئت کا استعمال خیر میں کیا جاتا ہے اور لفظ غائت کا استعمال شر میں ہوتا ہے۔ تجھے یہ آئت قرآنی بھی یاد نہیں۔ و جعلنا ابن مریم وامه اية۔ مسعر بن کدام کہتے ہیں۔ مجھے کوفہ کے صرف دو شخصوں پر حسد آتا ہے۔ فقہ میں ابو حنیفہؒ پر اور زہد میں حسن بن صالح پر۔

ابو نعیم کہتے ہیں: ابو حنیفہؒ خوب رو، خوش لباس، پاکیزہ نکہت، کثیر الکرام اور ہمدرد انسان تھے۔ قاضی ابو یوسفؒ فرماتے ہیں۔ ابو حنیفہؒ نہ بہت لانبے تھے، نہ ناٹے تھے۔ ان کا قد درمیانہ تھا۔ وہ خوش گو اور شیریں سخن تھے۔

روح بن عبادہ کہتے ہیں میں ابن جریج کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ جب امام ابو حنیفہؒ کے انتقال کی خبر ان کو ملی، سنتے ہی اِنا لله پڑھا اور غمناک ہو گئے۔ اور پھر فرمایا آہ کیا علم اٹھ گیا؟ ابو بکر عیاضؒ کہتے ہیں کہ سفیانؒ ثوری کا بھائی مر گیا۔ ابو حنیفہؒ تعزیت کے لئے آئے۔ سفیان نے آگے بڑھ کر ان کا اکرام کیا اور خود ان کے سامنے ہو کر بیٹھے۔ جب ابو حنیفہؒ چلے گئے تو لوگوں نے کہا آج تو آپ نے عجیب حرکت کی۔ انہوں نے کہا کہ یہ شخص علم کے اونچے درجے پر ہے۔ اچھا اگر میں ان کا اکرام بوجہ علم نہ کرتا تو بوجہ سن تو ضرور کرتا۔ اور اگر سن وسال کا لحاظ بھی نہ کرتا تو فقہ کا پاس تو ضرور کرتا۔ اور اگر فقہ کا

پاس نہ کرتا تو ان کی ورع کا اکرام تو ضرور کرتا۔

عبد اللہ مبارک کہتے ہیں، میں نے سفیانؒ ثوری سے ذکر کیا کہ ابو حنیفہؒ غیبت سے کتنی دور ہیں۔ میں نے نہیں سنا کہ انہوں نے کبھی کسی دشمن کی غیبت بھی کی ہو۔ وہ بولے ایسا دانشمند انسان اپنی نیکیوں کو کیونکر برباد کر سکتا ہے۔

وکیع فرماتے ہیں: میں ایک روز ابو حنیفہؒ سے ملنے گیا۔ دیکھا سر بجیب و متفکر بیٹھے ہیں۔ پھر سر اٹھایا تو یہ شعر پڑھے۔[1]

ان يحسدونی فانی غير لائمهم قبلی من الناس اهل الفضل قد حسدوا

فدام لی ولهم مابی و ما بهم ومات اكثر ناغيظا بما يجدوا

ایک روز ابن عائشہ کے سامنے امام ابو حنیفہؒ کا ذکر ہوا۔ غالباً انداز بیان کچھ شایان شان نہ تھا تو انہوں نے یہ شعر پڑھ کر سنایا[1]

اقلوا عليكم و يحكم لا ابا لكم من اللوم اوسدوا الكان الذی سدوا

امام صاحب کی قبر پر قبہ الپ ارسلاں کے عہد میں ابو سعد خوارزمی وزیر سلطنت نے ۴۵۹ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ قبل ازیں قبر مبارک بالکل خام تھی۔

رحمته الله تعالیٰ عليه رحمةً واسعة

واضح ہو کہ الفاظ ذیل کو جملہ محدثین نے وضعی بیان کیا ہے۔ جو بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کئے جاتے ہیں ان فی امتی رجلا يقال له ابو

---

[1] میں اپنے حاسدوں کو ملامت نہیں کرتا اس لئے کہ مجھ سے پہلے بہت سے اہل فضل حسد کئے جا چکے ہیں۔

[1] میرے اور ان کے درمیان ہمیشہ کینہ کی آگ شعلہ زن رہی تاآنکہ اکثر اسی سبب سے مر گئے۔

[1] تف ہو تمپر تم ایک دوسرے کو ملامت نہ کیا کرو وہ کام کرو جو تم سے پہلے لوگوں نے کئے۔

[1] میری امت میں ایک شخص ہوگا ابو حنیفہ کہیں گے وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔

حنیفه هو سراج الامة خطیب بغدادی نے اس کے موضوع ہونے کو مشرحاً بیان کیاہے۔ فقط

تاریخ ولادت ووفات امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

ابو حنیفہ زاد اندر سال نیک   سال رحلت ہست لعل بے بہا

۸۰ھ   ۱۵۰ھ



امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ امام دار الہجرۃ

مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عامر بن عمرو بن الحارث بن غیمان بن خثیل بن عمرو بن الحارث بن حرث ذی اصبح۔ اصبحی المدنی۔ ابو عبداللہ کنیت۔ آپ کا سلسلہ نسب یعرب بن قحطان سے جاملتا ہے اور اس قبیلہ کے بزرگ زیادہ تر یمن پر متسلط و قابض ہیں۔

حلیہ :۔ لانبا قد، سفید و سرخ، بزرگ سر اور مقدم سر کے بال ندارد۔ نہائت قیمتی اور صاف لباس زیب تن فرمایا کرتے۔ حلق شارب (مونچھوں کے منڈانے) کو ناپسند کرتے۔ سفید ریش کبھی رنگ نہیں لگایا۔

ولادت و وفات :۔ ۹۵ھ میں ولادت ہوئی اور ۱۰ ربیع الاول ۱۷۹ھ میں وفات اسی سال کی عمر میں پائی۔

اساتذہ :۔ نافع مولی ابن عمر، محمد بن المنکدر، ابو الزبیر، زہری، عبداللہ بن دینار، ابو حازم اور ربیعۃ الرای وغیرہم۔

تلامذہ :۔ (۱) امام شافعیؒ (۲) امام ابن عیینہؒ (۳) امام عبدالرحمٰن مہدیؒ (۴) امام سفیان ثوریؒ (۵) اوزاعیؒ (۶) امام عبداللہ بن مبارکؒ (۷) امام لیث بن سعد امام مصر (۸) ابن علیہ (۹) ابن وہب (۱۰) ابراہیم بن ھیمان (۱۱) قعنبی (۱۲) عبداللہ بن یوسف (۱۳) عبداللہ بن نافع (۱۴) امام یحییٰ القطان (۱۵) معن بن عیسےٰ (۱۶) عبدالرحمٰن بن القاسم (۱۷) ابو عاصم نبیل (۱۸) روح بن عبادہ (۱۹) ولید بن مسلم (۲۰) ابو عامر عقدی (۲۱) یحییٰ بن یحییٰ (۲۲) یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر (۲۳) امام عبدالرحمٰن العاقل امام

اندلس اور خلاق کثیر۔ کہ ہر ایک شاگرد بجائے خود اپنی اپنی جگہ امام شمار ہوتا تھا۔ (۲۴) امام زہری جو ان کے فخر الاساتذہ میں سے ہیں اور (۲۵) یحیٰی انصاری جو امام مالک کے مشہور استاد ہیں' ان دونوں نے بھی امام مالکؒ سے روائت حدیث کی ہے۔

الغرض جملہ آئمہ دین اور علمائے حدیث کا امام مالکؒ کی امانت و جلالت اور سیادت و تجیل و توقر پر اجماع ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ اور ابن المدینی اور ابن معین کا متفقہ قول ہے کہ اصحاب زہریؒ میں سب سے زیادہ معتمد امام مالکؒ ہیں۔ وہب بن خالد کہتے ہیں کہ مشرق و مغرب کے درمیان کوئی شخص امام مالکؒ سے بڑھ کر حدیث نبوی ﷺ میں مامون نہیں۔ صحیح ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے یوشک ان تضرب الناس رباط المطی فے طلب العلم فلا یجدون عالما اعلم من عالم المدینة (قال الترمذی حدیث حسن) امام سفیان بن عینیہ کا قول ہے کہ اس حدیث کا مصداق امام مالکؒ بن انس ہے۔

تعظیم حدیث :۔ امام معن بن عیسیٰ کہتے ہیں کہ جب امام مالکؒ روائت حدیث کے لئے نشست فرمانے کا ارادہ کرتے تو غسل کرتے اور جسم و لباس کو عطر لگاتے اور اگر ان کی مجلس میں کوئی شخص بول اٹھتا تو یہ آئت تلاوت فرمایا کرتے۔

یایہا الذین امنوالاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (اے ایمان والو اپنی آواز کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو)۔

امام مالکؒ فرمایا کرتے کہ حدیث نبویؐ کے وقت بولنا گویا خود نبی ﷺ کے سامنے چلانا ہے۔

---

[1] ایک زمانہ ایسا آنیوالا ہے کہ لوگ دور دراز سے سفر کر کے مدینہ طیبہ میں آئینگے اور یہیں سے دین سیکھیں گے کیونکہ مدینہ سے بڑھ کر زیادہ عالم اور کہیں نہ ہوگا۔

روائت حدیث کے متعلق احتیاط :۔ حبیب وراق کہتے ہیں، میں نے امام مالکؒ سے تین اشخاص کے متعلق سوال کیا کہ آپ نے ان سے کوئی روائت کیوں نہیں لی۔ امام صاحبؒ گردان جھکا کر بیٹھ گئے پھر سر اٹھایا تو فرمایا۔ ماشاء الله لا قوة الابالله۔ حبیب! میں نے اس مسجد نبوی میں ستر شیوخ ایسے دیکھے ہیں جو اصحاب رسول ﷺ سے ملنے والے تھے۔ تابعین سے بھی روائت کرتے تھے۔ لیکن ہم حدیث کو اہلحدیث ہی سے لیا کرتے ہیں۔

عبداللہ بن یوسف نے خلف بن عمرو سے روائت کی ہے کہ میں امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اتنے میں ابن کثیر قاری المدینہ آگئے اور انہوں نے امام کی خدمت میں ایک رقعہ پیش کیا۔ امام مالکؒ نے رقعہ پڑھا اور جانماز کے نیچے رکھ دیا۔ لوگ روانہ ہو گئے تو میں نے بھی چلنے کا ارادہ کیا۔ فرمایا، خلف تم ذرا ٹھہرو۔ پھر وہ رقعہ مجھے نکال کر دیا۔ اس میں لکھا ہوا تھا:

''میں نے خواب میں نبی ﷺ کو دیکھا۔ گویا مجھے بتایا گیا کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ حضور بیٹھے ہوئے ہیں اور حضور کے سامنے بہت ہجوم ہے۔ کوئی عرض کر رہا ہے یارسول اللہ ﷺ مجھے کچھ عنائت ہو جائے۔ کوئی کہہ رہا ہے، حضور میرے لئے بھی کچھ حکم ہو جائے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا، میں نے اپنے منبر کے تلے بہت بڑا خزانہ جمع کر دیا ہے اور میں نے مالکؒ کو حکم دیدیا ہے کہ وہ تم کو تقسیم کر دے۔ اب تم مالکؒ کے پاس جاؤ، لوگ حضورؐ کے سامنے سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی کہہ رہا ہے۔ مالکؒ دیکھیں کیا کرے گا۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ جو حکم نبویؐ ہے اسی کی تعمیل کرے گا۔''

امام مالکؒ رقعہ پڑھے جانے کے بعد رونے لگے۔ روتے ہی رہے اور میں وہاں سے چلا آیا۔ قعنبی کہتے ہیں کہ میں حماد بن زید امام بصرہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ جب ان کو امام مالکؒ کی خبر وفات ملی۔ وہ بولے، اللہ تعالیٰ مالکؒ پر رحم فرمائے وہ اپنی نظیر نہیں

چھوڑ گئے۔ ابن وہب کہتے ہیں، امام مالکؒ کی ہمشیرہ سے دریافت کیا گیا کہ مالکؒ کا شغل گھر میں کیا ہوتا ہے، کہا "، تلاوت قرآن"۔ محمد بن رمح کہتے ہیں میں نے نبیؐ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ بعض مسئلہ میں مالکؒ اور لیث کا اختلاف ہوتا ہے۔ وہاں کیا کیا جائے۔ فرمایا۔ مالک۔ مالک۔ مالک وارث جد یعنی ابراھیم علیه السلام۔ یعنی میرے دادا ابراہیم علیہ السلام کا ورثہ مالکؒ کو مالکؒ کو ملا ہے۔

بکر کہتے ہیں میں نے خواب دیکھا کہ میں بہشت میں داخل ہو گیا ہوں۔ مجھے وہاں اوزاعی اور سفیان ثوری ملے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ مالکؒ کہاں ہیں۔ دونوں بولے مالکؒ کہاں۔ مالکؒ تو بہت بلندی پر ہیں۔ مالکؒ کہاں۔ وہ تو بہت اونچے ہیں۔ مالکؒ کہاں ہیں۔ وہ تو اٹھائے گئے ہیں۔ اوپر کو اشارہ کرتے کرتے ان کی ٹوپیاں بھی گر گئیں۔

رونقی نے اپنی کتاب سبل السنة المشرقة میں لکھا ہے کہ مالکؒ کے اساتذہ میں تین سو تابعی اور چھ سو تبع تابعین ہیں۔ پھر انہوں نے روائت انہی لوگوں سے کی ہے جو دینداری میں زیادہ برگزیدہ اور شروط روائت کے زیادہ پابند اور فقہ والے تھے۔

ابتلاء ومحن :۔ طلاق مکرہ کے بارے میں امام مالکؒ کا فتویٰ حاکم مدینہ کی مرضی کے خلاف تھا۔ حاکم نے ان کو گرفتار کیا اور ستر کوڑے لگوائے اور اونٹ پر بٹھلا کر ان کی تشہیر کرائی۔ اور ان کے دونوں بازوؤں کو اتنا کھچوایا کہ دونوں مونڈھے اتر گئے۔ اس کے بعد نماز میں ہاتھ نہ باندھ سکتے تھے۔ ابن جوزی نے اس واقعہ کو ۱۴۷ھ کا بتایا ہے اس وقت امام کی عمر ۵۷ سال کی تھی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

ابو محمد جعفر بن احمد بن حسین سراج نے ان کی وفات پر اشعار ذیل میں درد دل کا اظہار کیا ہے۔

سقی جد ثاضم البقیع لمالک — من المزن مرعا والسحائب مبراق

امام موطاه الذی طبقت به — اقالیم فی الدنیا فساح وافاق

اقام بد شرع النبی محمد — له حذرمن ان یضام و اشفاق

له مسند عال صحيح و هيبته — فلكل منه حين يرويه اطراق
واصحاب صدق كلهم علم فسل — بهم انهم ان انت ساء لت خزاق
ولولم يكن الا ابن ادريس وحده — كفاه الا ان السعادة ارزاق

تاریخ ولادت ووفات امام مالک رحمہ اللہ

مالک زبدہ عباد امام — از جہاں رفت و یافت مطلق نام
۹۵ھ — ۱۷۹ھ

دیگر

آنکہ الدین ہست میلادش — مالک ست آن امام حق آئیں
۹۵ھ — ۱۷۹ھ



امام محمد بن ادریس الشافعی مطلبیؒ

سلسلہ نسب :۔ محمد بن ادریس نام اور ابو عبداللہ کنیت ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے :
محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد بن یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف القرشی مطلبی الشافعی الحجازی المکی۔ ان کا نسب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عبد مناف میں شامل ہو جاتا ہے اور صحیح بخاری میں جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روائت سے یہ ارشاد نبوی موجود ہے : انما بنو المطلب و بنو ھاشم شئی واحد مطلبی اور ہاشمی دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ آپ کی والدہ مکرمہ قبیلہ ازد سے ہیں۔ ترمذی میں بروائت انس بن مالک رضی اللہ عنہ یہ ارشاد نبوی موجود ہے : الازد اسداللہ فی الارض۔ نیز ترمذی میں بروائت ابی ہریرہؓ یہ الفاظ بھی ارشاد نبوی سے ہیں : والا مانۃ فی الازدان روایات سے ثابت ہے کہ امام شافعیؒ شرافت اور حسب ونسب میں درجہ اول پر ہیں۔

ولادت و وفات :۔ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اسی سال امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تھا۔ لوگوں نے مبالغہ سے کہا ہے کہ ہر دو آئمہ کا یوم ولادت و یوم وفات ایک ہی تھا۔ امام بیہقیؒ نے اسے باطل بتلایا ہے۔ ایام حمل میں ان کی والدہ نے خواب دیکھا تھا کہ ان کے شکم سے مشتری پیدا ہوا ہے۔ ارض مقدسہ کے شہر غزہ (یا عسقلان) میں پیدا ہوئے اور دو سال کے تھے جب مکہ مکرمہ میں لائے گئے۔ ۵۴ سال کی عمر تھی جب مصر میں ۳۰ رجب ۲۰۴ھ کو بعد نماز مغرب شب جمعہ کو وفات پائی اور بروز جمعہ بعد عصر مدفون ہوئے۔ اللھم ارفع درجتہ و اد خلہ فی عبادك

الصالحین۔امام ربیع کا قول ہے کہ میں نے اسی شب خواب میں دیکھا کہ آدم علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔ مجھے تعبیر بتلائی گئی کہ دنیا کے بڑے عالم کا انتقال ہو گا۔ کچھ مدت کے بعد ہم کو خبر مل گئی کہ امام شافعیؒ فوت ہو گئے۔ معبر نے وجہ تعبیر اس آیت کریمہ کو بتلایا تھا: علم آدم الاسماء کلھا۔

تعلیم ادب وایام العرب و شعر:۔ بچپن سے نکلتے ہی امام شافعیؒ نے علم ادب اور ایام العرب اور شعر کی طرف میلان خاطر کا اظہار کیا۔ بعد ازاں مسلم بن خالد زنجیؒ امام مکہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تحصیل فقہ میں مصروف ہو گئے۔ بعد ازاں امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں مدینہ منورہ پہنچے اس وقت ان کی عمر ۱۳ سال کی تھی اور کتاب موطا کو انہوں نے مکہ ہی میں حفظ کر لیا تھا۔ امام مالکؒ ان کے علم، فہم و علو نسب کی وجہ سے ان کی خاص عزت فرمایا کرتے تھے۔ امام مالکؒ سے تکمیل علم کے بعد وہ یمن تشریف لے گئے اور وہاں لوگ ان کے علوم سے بہت مستفیض ہوئے۔ یمن سے وہ عراق میں پہنچے اور وہاں امام محمد بن حسن سے وہ مشہور مناظرات کئے جو کتب شافعیہ میں تفصیلاً موجود ہیں۔

عراق میں عبدالرحمٰن بن مہدیؒ امام اہلحدیث کی درخواست پر انہوں نے علم اصول پر ایک کتاب لکھی جس کا نام الرسالۃ ہے۔ ائمہ اہل عصر اس کتاب کو پڑھا کرتے اور حیرت و مسرت سے معمور ہو جاتے۔ مزنیؒ کہتے ہیں: میں نے اس کو پانچ سو بار پڑھا ہے اور ہر دفعہ فائدہ جدیدہ حاصل کیا ہے۔ جن دنوں امام شافعیؒ عراق ٹھہرے ہوئے تھے انہی ایام میں ان کی جلالت شان اور امامت فی العلم مسلمہ ہو گئی۔ لوگ اپنے اپنے مذاہب کو چھوڑ چھوڑ کر اتباع شافعی کرنے لگے اور جملہ اساتذہ کو چھوڑ کر انہی کے حلقہ درس میں حاضر ہونے لگے۔

انہوں نے اپنی مشہور کتاب الحجۃ بھی عراق ہی میں تصنیف کی جسے احمد بن

حنبلؒ اور ابو ثورؒ اور زعفرانیؒ اور کرابیسیؒ روائت کرتے ہیں۔ ۱۹۹ھ میں امام شافعیؒ مصر جا پہنچے اور وہیں انہوں نے مذہب پر تحقیق جدید کی کتب کو قلم بند کیا۔ اصول الفقہ، کتاب القسامہ، کتاب الجزیہ، کتاب قتال اھل البغی بھی مصر ہی میں تصنیف فرمائیں۔ ان دنوں امام شافعیؒ کی شہرت بدر تاباں کی طرح عالم اسلام پر نور افگن تھی۔ شام و یمن اور عراق اور جملہ نواحی و امصار کے علماء ان کی خدمت میں مصر پہنچ رہے تھے۔ سلیمان بن ربیع کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے شمار کیا کہ امام شافعیؒ کے دروازے پر ۹۰۰ سواریاں اہل علم کی موجود تھیں۔

مختصر احوال شافعیؒ :۔ یہ آغوش مادر ہی میں تھے کہ یتیم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ابحار العلوم کا در یتیم بنایا۔ یہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اصول میں سب سے پیشتر کتاب لکھی اور یہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے حذاق متقنین سے مناظرے کئے اور ائمہ مبرزین کی تصانیف کو بغور دیکھا۔ مذاہب متقدمین پر تنقید کی اور پھر ایک ایسا طریقہ جامعہ کتاب و سنت اور اجماع و قیاس کے متعلق ملخص کیا جو ان سے پیشتر نا معلوم تھا۔ استنباط کتاب و سنت میں ان کا درجہ بہت بلند ہے اور ناسخ و منسوخ حدیث میں ان کا علم کامل ہے۔ مجمل و مبین اور خاص و عام وغیرہ تقاسیم خطاب میں انہوں نے ایسے ایسے عوارف کئے جسے پہلے بیان نہ کیا گیا تھا۔

لغت نحو وادب کی امامت :۔ عبد الملک بن ہشام کا جو لغت و نحو میں امام عصر تسلیم کئے گئے ہیں، قول ہے کہ الشافعی حجته فی اللغة۔ ابن ہشام مشکلات لغت کا حل امام شافعیؒ ہی سے کیا کرتے تھے۔

ابو عبید امام لغت کہتے ہیں : ”شافعیؒ ان بزرگوں میں سے ہیں جن سے لغت سیکھنا چاہئیے“ ایوب بن سوید امام لغت کہا کرتے کہ لغت شافعیؒ سے سیکھو۔ ابو عثمان مازنی کہتے ہیں کہ شافعیؒ نحو حجت ہیں۔

اصمعی کہتے ہیں کہ شعرائے ہذلئین کے اشعار کی صحت میں نے محمد بن ادریسؒ (الشافعی) سے کی تھی جب وہ مکہ میں بچہ ہی تھے۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم کہتے ہیں، میں نے شافعیؒ سے سنا کہ ان کو ۳۰۰ شعرائے قدیم کے اشعار یاد ہیں۔

زبیر بن بکار کہتے ہیں: "اشعار ہذیل اور ان کے ایام وو قایع کا علم میں نے اپنے چچا مصعب سے سیکھا تھا اور وہ کہتے تھے کہ میں نے یہ شافعیؒ سے سیکھے تھے اور یہ سب ان کو زبانی یاد تھے"

فقہ و حدیث میں امامت:۔ محمد بن حسنؒ (تلمیذ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ) کہتے ہیں، اہلحدیث اب شافعی کی زبان سے بولنے لگے ہیں۔

حسن بن محمد زعفرانی کہتے ہیں اصحاب حدیث خواب میں تھے شافعیؒ نے ان کو بیدار کیا۔

امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ جو کوئی شخص قلم و دوات ہاتھ میں لیتا ہے اس کی گردن پر شافعیؒ کا بار منت ہے۔

امام شافعیؒ ۱۵ سال کے تھے جب ان کے استاد مفتی اہل مکہ امام مسلم بن خالدؒ نے کہہ دیا تھا کہ ابو عبداللہ اب تم فتویٰ دیا کرو۔ بخدا کہ تم فتویٰ دینے کے قابل ہو گئے ہو اصحاب الحدیث (اہل الحدیث) کا لقب متبعین پر امام شافعیؒ ہی کے عہد میں اشاعت پذیر ہوا۔ عراق میں امام شافعیؒ کا لقب "ناصر الحدیث" مسلم تھا۔ امام نوویؒ کہتے ہیں کہ حدیث شریف ان عالم قریش یملا طباق الارض علماء کا مصداق متقدمین و متاخرین نے امام شافعیؒ ہی کو بتایا ہے۔

ابو نعیمؒ نے تفصیل کیساتھ حدیث بالا کو امام شافعیؒ پر منطبق کیا ہے اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب بھی اس حدیث کے متعلق یہی تھا۔ امام الائمہ ابن خزیمہؒ سے سوال کیا گیا کہ کوئی ایسی بھی سنت صحیحہ ہے جس کا ذکر شافعیؒ نے اپنی تصنیفات میں نہ کیا ہو انہوں نے جواب دیا نہیں۔

سخاوت شافعیؒ:۔ حمیدیؒ کہتے ہیں، شافعی صنعا سے مکہ میں آئے تو ان کے پاس دس

ہزار دینار تھے۔ انہوں نے مکہ سے باہر اپنا خیمہ لگا لیا۔ ارباب حاجات جاتے تھے، اور حسب مراد لیکر آتے تھے۔ شہر میں اس وقت داخل ہوئے جب کل رقم صرف ہو گئی الغرض بویطی کہتے ہیں، زبیدہ خاتون امام شافعیؒ کیلئے بڑی بڑی قیمت کے خلعت مصر میں بھیجا کرتی اور شافعیؒ ان کو تقسیم فرمادیا کرتے تھے۔

ربیع کہتے ہیں، امام شافعی بازار میں سوار چلے جارہے تھے کہ ہاتھ سے چابک گر گیا۔ ایک شخص نے اٹھایا۔ گرد سے صاف کیا اور امام کو دیدیا۔ شافعیؒ نے نوکر سے فرمایا، جتنے روپے تیرے ساتھ ہیں وہ اسے دیدے۔

ابو سعد کہتے ہیں، امام شافعیؒ نے فرمایا، میں نے ایک لونڈی خرید لی ہے جو کھانا عمدہ تیار کرتی ہے اور شیرینی بناتی ہے۔ تمہارا جی جس چیز کے کھانے کو چاہے، فرمائش کردیا کرو۔

مناقب شافعیؒ :۔ امام ابو ثورؒ کہتے ہیں: اگر کسی کا دعویٰ ہو کہ اس نے محمد بن ادریسؒ جیسا علم و فصاحت اور معرفت و ثبات و تمکن میں کوئی دوسرا شخص بھی دیکھا ہے تو وہ جھوٹا ہے''۔

ابو عبیدہ قاسم بن سلام کہتے ہیں کہ شافعی سے بڑھ کر میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا۔ امام احمد بن حنبلؒ کے فرزند عبد اللہ کہتے ہیں، والد بزرگوار سے پوچھا تھا کہ شافعیؒ کیسا شخص تھا جس کے لئے آپ ہر نماز میں دعا کرتے ہیں۔ فرمایا، امام شافعیؒ کی مثال خورشید اور صحت جیسی ہے۔ کیا کوئی ان دونوں سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔ یا ان دونوں کا کچھ بدل بھی ہے۔

تصانیف :۔ (۱) کتاب الام۔ پندرہ جلدوں میں ہے۔ (۲) جامع کبیر مزنی (۳) جامع صغیر مزنی (۴) مختصر ربیع (۵) مختصر بویطی (۶) کتاب الحرملہ (۷) کتاب الحجۃ (۸) الرسالۃ (۹) الامالی (۱۰) الاملاء (۱۱) مسند شافعی وغیر اور بہت سی کتابیں ہیں۔ قاضی الامام ابو محمد

حسن بن محمد مروزی نے ان کی تعداد ۱۱۳ بتلائی ہے۔ یہ کتابیں تفسیر، حدیث۔ فقہ وادب اور تاریخ پر مشتمل ہیں۔

اقوال واشارات :۔

۱ :۔ نماز نافلہ سے طلب علم بہتر ہے۔

۲ :۔ جو شخص طالب دنیا ہے اسے بھی علم سیکھنا چاہئیے اور جو شخص خواہاں آخرت ہے اسے بھی علم سیکھنا چاہئیے۔

۳ :۔ ادائے فرائض کے بعد قرب الٰہی کے حصول کا سب سے افضل طریقہ تحصیل علم ہے۔

۴ :۔ علم کا مزہ اس کو آتا ہے جس نے تنگدستی میں علم سیکھا ہو۔ فرمایا۔ طالب علمی میں میری یہ حالت تھی کہ مجھے کاغذ بہ مشکل دستیاب ہوا کرتا۔

۵ :۔ طالب علم کو گہرے فکر ودقت فہم سے علم سیکھنا چاہئیے تاکہ علم کی باریک باریک رموز سے محروم نہ رہے۔

۶ :۔ جو شخص محبّ علم نہیں اسے دوست مت بناؤ۔

۷ :۔ علم کی زینت ورع اور حلم ہیں۔

۸ :۔ عالم کیلئے سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جس شے سے زہد کا حکم دیا وہ اسی کا راغب ہو اور جس شے سے رغبت کا حکم دیا وہ اسی میں زہد کرے۔

۹ :۔ علماء کا فقر اختیاری ہوتا ہے اور جہال کی تنگدستی اضطراری ہوتی ہے۔

۱۰ :۔ علم میں نمود وریاء کا نتیجہ سنگدلی اور کینہ توزی ہے۔

۱۱ :۔ افسوس! لوگ اس سورہ قرآنیہ سے کس قدر بے خبر ہیں۔

والعصر ان الانسان لفی خسر۔

۱۲ :۔ کہا کرتے تھے، میں نے غسل جمعہ کبھی ترک نہیں کیا سفر ہو یا حضر۔

۱۳:۔ کہا کرتے، میں نے اللہ کی قسم کبھی نہیں کھائی نہ سچی نہ جھوٹی۔

۱۴:۔ کہا کرتے کہ ۱۶ سال سے میں نے کبھی شکم سیر ہو کر نہیں کھایا۔ ایک روائت میں ۲۰ سال کا لفظ ہے۔

۱۵:۔ فرمایا کرتے، زائد از ضرورت دنیا کی تلاش ایک عذاب ہے جو اہل توحید پر دنیا میں مسلط کیا جاتا ہے۔

۱۶:۔ جس پر محبت دنیا غالب ہے وہ اہل دنیا کا غلام ہے۔

۱۷:۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ ابھی مضبوط ہیں۔ پھر ہر وقت عصا لیکر کیوں چلتے ہیں۔ فرمایا اس لئے کہ یاد رہے کہ میں مسافر ہوں۔

۱۸:۔ فرمایا، دنیا و آخرت کی بہبودی ان پنجگانہ خصال میں ہے (۱) استغناء نفس (۲) ایذا رسانی سے نفرت (۳) کسب حلال (۴) لزوم تقویٰ (۵) جملہ حالات میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد۔

۱۹:۔ فرمایا، ناداری و تنگدستی سے میں کبھی پریشان نہیں ہوا۔

۲۰:۔ ربیع کو بطور نصیحت فرمایا، اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو روشن فرمادے تو اسے لازم ہے کہ (الف) غیر ضروری گفتگو سے بچا کرے (ب) معاصی سے دور رہے (ج) کوئی ایسا عمل کیا کرے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کو نہ ہو۔

۲۱:۔ غیر ضروری کلام سے بچو۔ تکلم کے بعد تمہاری گفتگو تمہاری مالک بنجاتی ہے پہلے تو تمہاری مملوکہ تھی۔

۲۲:۔ تم اپنی مساعی سے سب کو خوش نہیں کر سکتے لہذا عمل میں صرف اخلاص کے خواہاں رہو۔

۲۳:۔ انسان کی تادیب و تربیت وحوش کی تادیب و تربیت سے زیادہ کٹھن ہے۔

۲۴:۔ عاقل وہ ہے جس کی عقل اسے فعل مذموم سے روک لے۔

۲۵:۔ اگر میں آجکل بھی شعر کہا کرتا تو مروت کا مرثیہ لکھتا۔

۲۶:۔ مروت کے اربعہ عناصر یہ ہیں(۱) حسن الخلق (۲) سخا (۳) تواضع (۴) ایثار۔

۲۷:۔ دنیا میں انسان صرف چار خصائل سے مکمل ہو سکتا ہے۔ دیانت، امانت، صیانت اور رزانت۔

۲۸:۔ چالیس سال سے میں شادی شدہ لوگوں سے تزویج پر ان کی رائے دریافت کرتا رہا سب کو شاکی ہی پایا۔

۲۹:۔ صداقت محبت یہ ہے کہ عذر قبول کیا کرو۔ بوقت حاجت اس کی مدد کیا کرو اور اس کی لغزشوں پر خاک ڈال دو۔

۳۰:۔ محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ پیارے کا پیارا بھی تم کو پیارا ہو۔

۳۱:۔ احباب دلی کی مصاحبت کے برابر کوئی خوشی نہیں اور انکے فراق کے برابر کوئی الم نہیں۔

۳۲:۔ وثوق محبت کی بنیاد پر کسی دوست کا حق ادا کرنے میں تقصیر نہ کیا کرو۔

۳۳:۔ احسان کرنیوالا تجھے قیدی بناتا ہے اور جفا کرنے والا تجھے آزاد چھوڑتا ہے۔

۳۴:۔ جو کوئی تیرے پاس دوسرے کی غیبت کرتا ہے تیری غیبت دوسرے کے پاس کریگا۔ امامؒ کے اصل لفظ کتنے مختصر اور فصیح ہیں۔ من نم لک نم بک۔

۳۵:۔ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے اسی کا ترجمہ کیا ہے۔ ؎ ہر کہ عیب دگراں پیش تو آورد شمرد بیگماں عیب تو پیش دگراں خواہد برد۔

۳۶:۔ تواضع سے محبت پیدا ہوتی ہے اور قناعت سے راحت ملتی ہے۔

۳۷:۔ زاہد دنیا اور راغب آخرت بن کر رہو تم بھی نجات یافتہ لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے۔

۳۸:۔ خندہ روئی سے برے لوگ بھی مصاحب بن جاتے ہیں اور ترش روئی سے عداوت پیدا ہوتی ہے۔ للہذا درمیانی حالت بہتر ہے۔

۳۹:۔ بے حیا کی صحبت قیامت کے دن باعث ننگ و عار ہو گی۔

۴۰:۔ تکمیل ایمان کا حصہ تین امور پر ہے

(۱) امر بالمعروف اور خود بھی اس پر عمل کرنا

(۲) نہی عن المنکر اور خود بھی بچے رہنا

(۳) حدود الہی کی نگہداشت۔

۴۱:۔ استحقاق سے بڑھ کر کسی کی عزت کرنا خود اپنے آپ کو اتنا ہی گرالینا ہے۔

۴۲:۔ شرفاء سے میل جول رکھو، شریف سمجھے جاؤ گے۔ کمینہ لوگوں سے مت ملو، کمینہ سمجھے جاؤ گے۔

۴۳:۔ کان لگا کر اچھی بات سننے والا حاکی بن جاتا ہے (یعنی دُھرا سکنے کا اہل ہو جاتا ہے) اور دل لگا کر بات سننے والا داعی بن جاتا ہے (بات کو دل نشین کر لیتا ہے) سنی بات پر عمل کرنیوالا ہاوی بن جاتا ہے۔

۴۴:۔ بلند قدر وہ ہے جو آپ اپنے کو اونچا نہ کھینچے اور اہل فضل وہ ہے جو اپنی فضیلت پر نہ اترائے۔

۴۵:۔ اخلاق جمیلہ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دوسرے کے پاس کسی درماندہ کی سفارش کر دیا کرو۔

۴۶:۔ کسی کی خطا پر مت ہنسو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کو خطا سے بچائیگا۔

۴۷:۔ بڑی ذلت کسی شریف کا کمینہ کے سامنے ذلیل بننا ہے یا مرد کا عورت کے

سامنے اس کا مال اڑانے کیلئے گڑگڑانا ہے۔

۴۸ :۔ اگر قاضی فقیہہ نہیں تو وہ چور ہے۔

۴۹ :۔ مردانگی احرار کا زیور ہے۔

۵۰ :۔ بطلان کو اپنی زینت بنانیوالا جلد رسوا وخوار ہو جاتا ہے۔

۵۱ :۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو سچ سمجھنے والا ہی نجات پاتا ہے اور دین کی حفاظت کرنیوالا ہی بے دینی سے بچ سکتا ہے۔

۵۲ :۔ عمل کثیر چاہئیے اور امل قصیر۔

۵۳ :۔ رزق الٰہی پر راضی رہو۔

۵۴ :۔ اپنے دل کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی جانب لگائے رکھو۔

امام ہمام کے سنین عمر کے برابر ۵۴ اقوال لکھ کر اقتصاد کرتا ہوں۔

نمونہ کلام شافعیؒ

ان الذی رزق الیسارولم یصبب	حمدا ولا اجرا لغیر موفق
الجدید فی کل امر شاسع	والجد یفتح کل باب مغلق
واذا سمعت بان مجدود احوی	عودانا ثمر فی یدیه فصدق
واذا سمعت بان محروماأتی	ماء یشربه فضاض فحقق
لوکان بالحیل الغنی لوجدتنی	بنجوم اقطارا السماء تعلقی
لکن من رزق الحجا حرم الغنی	ضدان مفترقان ای تفرق
و من الدلیل علی القضاء وکونه	بوس اللبیب و طیب عیش الاحمق

خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ ابو بکر محمد بن درید صاحب المقصور نے ان کی وفات پر قصیدہ لکھا تھا۔ چند اشعار یہ ہیں :

الم تراثار ابن ادریس بعده دلا ئلھافی المشکلات نوامع

معالم یفنی الدھروھی خوالد و تنخفض الاعلام وھی نوارع

مناھج فیھا للھدی متصرف موارد فیھا للر شاد شرائع

وعول فی احکامه و قضائه علی ماقضٰی فی الوحی والحق مامع

فمن یک علم الشافعی امام فمر تعه فی ساحته العلم واسع

سلام علی قبر تضمن جسمه و جادت علیه المدجنات الھوامع

لئن فجعتنا الحادثات بشخصه بھن لما جکمن فیه نواجع

فاحکامه فینا بدور زاھر واثاره فینا نجوم طوالع

امام شافعیؒ شہسواری، نیزہ بازی قادر اندازی نشانہ بازی، تیر افگنی اور تیغ رانی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ حدیث صحیح کے اتنے شیدا کہ احمد بن حنبلؒ وغیرہ تلامذہ سے فرمایا کرتے کہ جب تم کو کوئی حدیث صحیح مل جایا کرے تو مجھے مطلع کر دیا کرو۔

امام شافعیؒ کی یہ دعا حلقہ ارباب دل میں بہت معتبر و مجرب ہے۔

اللھم یالطیف اسئلک اللطف فی ماجرت به المقادیر

تاریخ ولادت ووفات

کوکب ایمان محمد شافعی از جہاں رفت و مقام پاک یافت

۱۵۰ھ ۲۰۴ھ

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

امام احمد بن حنبل الشیبانی المروزیؒ

سلسلہ نسب :۔احمد بن محمد بن حنبل نام۔ ابو عبداللہ کنیت۔ سلسلہ نسب اس طرح پر ہے۔ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن ادریس بن عبداللہ بن حیان بن عبداللہ بن انس بن عوف بن قاسط بن مازن بن شیبان بن زہل بن ثعلبہ بن عطایہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل بن قاسط بن ھنسب بن اقصی بن دعمیٰ بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان الشیبانی المروزی رحمتہ اللہ علیہ۔

یہ شکم مادر میں تھے جب ان کی والدہ مرو سے بغداد پہنچیں۔بغداد ہی میں ماہ ربیع الاول ۱۶۴ھ کو پیدا ہوئے اور ربیع الاول ۲۴۱ھ کو جمعہ کے دن دوپہر کیوقت بغداد میں ہی انتقال فرمایا۔ ان کا شمار اصحاب اور خواص شافعیؒ میں ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ جب بغداد سے مصر کو روانہ ہونے لگے تو فرمایا کہ بغداد میں احمد بن حنبلؒ سے بڑھ کر تقویٰ اور فقہ میں کوئی نہیں۔ علم دین کیلئے مکہ ومدینہ ، شام ویمن ، کوفہ وبصرہ اور جزیرہ کا سفر کیا اور علم کا ذخیرہ کامل جمع فرمایا۔ حتیٰ کہ ایک لاکھ حدیث نوکِ زبان تھی۔

مشہور اساتذہ :۔(۱) امام سفیان بن عینیہ (۲) ابراھیم بن سعد (۳) یحییٰ القطان (۴) ھشیم (۵) وکیع (۶) ابن مہدی (۷) ابن علیہ (۸) عبدالرزاق بن ہمام۔

مشہور تلامذہ :۔(۱) عبدالرزاق بن ہمام جو استاد بھی ہیں (۲) ابن مہدی یہ بھی استاد ہیں (۳) یحییٰ بن آدم (۴) ابو الولید (۵) یزید بن ہارون (۶) علی بن المدینی (۷) امام بخاری (۸) امام مسلم (۹) ابو داؤد (۱۰) امام ذہلی (۱۱) ابو زرعہ رازی (۱۲) ابو

زرعہ دمشقی (۱۳) ابراہیم الحربی (۱۴) ابوبکر احمد بن معد بن ھانی الطائی (۱۵) امام بغوی (۱۶) ابن ابی الدنیا (۱۷) محمد بن اسحٰق الصاغانی (۱۸) ابوحاتم الرازی (۱۹) احمد بن ابی الحواری (۲۰) موسیٰ بن ہارون (۲۱) حنبل بن اسحاق (۲۲) عثمان بن سعید الدارمی وغیرہ کہ ہر ایک ان میں امام اور اہل علم ہے۔

فضائل ومناقب:۔ ابراھیم الحربی کا قول ہے کہ میں نے تین بزرگ ایسے دیکھے ہیں کہ ان کی مثل کا دیکھنا دشوار ہے۔ (۱) ابوعبید القاسم: میں سمجھتا تھا کہ وہ ذی روح پہاڑ ہیں (۲) بشر بن الحارث: میں سمجھتا تھا کہ سر سے لیکر پاؤں تک وہ عقل ہی عقل ہیں (۳) امام احمد بن حنبلؒ: گویا اللہ تعالےٰ نے علم الاولین کو جملہ انواع کے اعتبار سے ان کے اندر جمع فرمایا ہے۔

ابومسہر کا قول ہے مجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دین الٰہی کو اس نوجوان مشرقی احمد بن حنبلؒ کے سوا اور کسی شخص کی ذات میں آج جمع کر دیا ہو۔

علی بن المدینیؒ امام احمدؒ کا نام لیتے تو سیدی کہہ کر یاد کیا کرتے تھے۔

ھشیم بن جمیل کہتے ہیں، مجھے منظور ہے کہ میری عمر گھٹا دیجائے اور اتنی ہی احمد بن حنبلؒ کی عمر بڑھا دی جائے۔

ابوزرعہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ کے پاس حدیث کا تحریری ذخیرہ اتنا تھا کہ بارہ شخص ان کتابوں کو اٹھا سکتے تھے اور امام صاحب کو یہ سب حفظ تھیں۔

ابوحاتم سے امام احمد بن حنبلؒ اور علی بن المدینیؒ کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے کہا کہ حفظ میں تو دونوں برابر برابر تھے۔ مگر احمدؒ تفقہ میں بڑھے ہوئے تھے۔

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ احمد بن حنبلؒ اور سلیمان بن داؤد ہاشمیؒ سے بڑھ کر ہم نے کوئی صاحب عقل ودانش نہیں دیکھا۔

صالح بن احمد بن حنبلؒ کا بیان ہے کہ میرے والد فرماتے تھے کہ میں نے پانچ

حج کئے۔ان میں سے تین پاپیادہ کئے تھے۔

میمونی کہتے ہیں کہ احمد بن حنبلؒ جیسی اچھی نماز پڑھنے والا میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ابو حاتم کہتے ہیں کہ جسے امام سے محبت ہے وہ ضرور اہل السنّت والجماعت ہے۔

ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ زہد و تقویٰ اور علم و عمل میں امام احمد بن حنبلؒ کا کوئی مقابل نہ تھا۔ابو داؤد سجستانی کا قول ہے کہ میں نے دوسو مشائخ حدیث کو دیکھا اور ان سے ملا مگر امام احمد بن حنبلؒ کے مانند کسی کو نہ پایا۔

ابتلاو ثبات:۔ خلق قرآن کا مسئلہ انہی کے عہد میں نکلا۔ سلطنت بغداد اس مسئلہ کی ترویج واشاعت کی حامی تھی۔امام احمد بن حنبلؒ نے اس کا سخت انکار کیا اور اس انکار کی وجہ سے ان کو سخت ترین مصائب برداشت کرنے پڑے۔ان کے ہاتھوں میں ہتھ کڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالی گئیں اور اسی حالت میں دوسو میل سے زیادہ پیادہ پا سفر کرایا گیا۔ تازیانے لگائے گئے۔ذلت ورسوائی کے سب طریقے ختم کئے گئے لیکن امام ہمام نے ایسے صبر واستقامت کے نمونے دکھلائے کہ ظالم ظلم کرتے کرتے تھک گئے۔واقعہ رمضان ۲۲۰ھ کا ہے۔اس زمانہ میں بشر حافیؒ بڑے زاہد و عابد تھے۔ان سے کہا گیا کہ آپ امام احمدؒ کی سفارش میں لب کشائی کیوں نہیں کرتے۔انہوں نے کہا کہ میں خود کو ان مصائب کا متحمل نہیں پاسکتا،احمدؒ کا صبر تو انبیاء کا سا ہے۔

زہد وورع:۔آپ جہاں علوم فقہ و حدیث میں مقتدا و پیشوا تھے،وہاں زہد و عبادت اور اتقا کے طریقہ اور اس کے طرز روش میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔آپ نے استغنا اور توکل میں ایسی ایسی ثابت قدمی دکھائی ہے کہ اس کی مثال بہت ہی کم ملے گی۔محمد بن موسیٰ کہتے ہیں کہ حسن بن عبدالعزیز کو ترکہ میں ایک لاکھ دینار ملے جو مصر سے بغداد لائے گئے اور ان میں سے وہ ہزار ہزار کی تین تھیلیاں امام احمد بن حنبلؒ کے لئے لائے اور عرض کیا کہ حضرت یہ مجھ کو وجہ حلال سے ترکہ میں ملی ہیں آپ اپنے اہل وعیال

کے نان و نفقہ کیلئے قبول فرمائیے۔آپ نے فرمایا کہ مجھ کو ان کی ضرورت نہیں ، میرا مالک مجھے رزق دے رہا ہے۔ جاؤ تم انہیں اپنے کام میں لاؤ۔ یہ زہد و تقویٰ کی وہ مثال ہے جو شائد ہی اور کہیں مل سکے۔آپ نے ستر برس کی عمر میں کبھی کسی سے سوال نہ کیا۔بلکہ اگر کسی نے آپ کی حالت کو دیکھ کر خود بخود کچھ پیش کیا تو اسے بھی قبول نہ فرمایا اور صبر و توکل ہی میں اپنا سارا وقت بسر کر دیا۔

تصنیفات :۔ سب سے زیادہ مشہور تصنیف مسند احمدؒ ہے جو معرفت احادیث میں معیار تسلیم کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں کتاب الزہد، کتاب ناسخ منسوخ، منسک کبیر اور منسک صغیر، کتاب الاشربہ اور تاریخ فضائل صحابہ وغیرہ کئی کتابیں ہیں جو آپ نے قلمبند فرمائیں۔ایک ایک کتاب کئی کئی جلدوں میں ہوتی۔ چنانچہ جامع کبیر اکیلی ہی تیس بتیس جلدوں میں تھی۔

انتقال :۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کو بھی کرامت عظمیٰ بنایا۔ان کے جنازہ پر جو انوار و برکات دیکھی گئیں اسے دیکھ دیکھ کر بیس ہزار عیسائی ، یہودی اور مجوسی داخل اسلام ہوئے تھے۔

ابو زرعہ سے روائت ہے کہ خلیفہ متوکل کے حکم سے اس رقبہ اراضی کی پیمائش کی گئی جس پر مجتمع ہو کر امامؒ کی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی اور پھر اس رقبہ سے تعداد نفوس کا اندازہ کیا گیا تو ۸ لاکھ ۶۰ ہزار کی تعداد نکلی۔ان میں ۴۰ ہزار عورتیں تھیں۔

ابراھیم حربی کہتے ہیں، میں نے امام احمدؒ کی شب انتقال کو بشر حافیؒ خواب میں دیکھے ان کی آستینوں میں کچھ بھرا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے۔ فرمایا کہ امام احمدؒ کی روح پر اللہ تعالےٰ نے جواہرات نچھاور کئے تھے ، یہ ان سے لوٹ کر لایا ہوں۔ ان کے فضائل کا ذکر دشوار ہے اور خواہ کتنی ہی تفصیل سے کام لیا جائے حقیقتہً وہ بھی مختصر ہی رہیگا۔

صاحبزادے :۔آپ کے دو صاحبزادے تھے جو بڑے عالم اور کامل تھے۔ ایک کا نام

عبداللہ جن کی کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی۔ دوسرے کا نام صالح تھا جن کی ولادت ۲۰۳ھ میں ہوئی۔ یہ اصفہان کے قاضی تھے اور وہیں ۲۶۶ھ میں انتقال فرمایا۔ عبداللہ جنہوں نے اپنے باپ کی کتاب مسند کو مرتب کیا اور کچھ اپنی طرف سے اضافہ بھی کیا ۷۷ برس کی عمر پاکر ۸ جمادی الاول ۲۹۰ھ میں انتقال فرما گئے۔

فانا للہ و انا الیہ راجعون۔

تاریخ ولادت ووفات احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ

امام عہد احمد بن حنبلؒ ۱۶۴ھ بسال فوت گفتم قلزم دیں ۲۴۱ھ

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

تبصرہ بر حالات آئمہ اربعہ رحمہم اللہ

آئمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے احوال مبارکہ جس قدر اب تک تحریر کیے جا چکے ہیں وہ امام نووی کی کتاب الاسماء اور تاریخ ابن خلکان سے ماخوذ ہیں اور انتخاب کے وقت میں نے اور بھی احتیاط سے کام لیا ہے۔ اب میں یہ چاہتا ہوں کہ حکیم الامہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی کتاب حجتہ اللہ البالغہ سے ان آئمۃ العظام کے علوم و فقہ کے متعلق بھی کچھ ایزاد کر دوں۔ حکیم الامہ کی تحقیقات عالی انشاء اللہ طالبان حقیقت کیلئے بصر افروز و بصیرت افزا ہونگی۔ شاہ صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ فوائد کلیہ اور اصول محکمہ کے تبیین اور علل الاحکام اور اسرار شرائع کے اظہار میں وہ امام عالی مقام ہیں کہ اگر ان کا ظہور عہد سابقین میں ہوتا تو یقیناً ان کا منصب ایک طرف غزالیؒ و رازیؒ سے برتر اور دوسری طرف طحادیؒ و بیہقیؒ کے برابر برابر سمجھا جاتا۔

شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام مالکؒ اہل مدینہ کی مرویات عن رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیاد معتمد اور سند کے اعتبار سے نہائت اوثق اور فتاویٰ فاروقؓ اور اقوال عبداللہ بن عمرؓ وام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ اور فقہاء سبعہؒ کے علوم کے سب سے بڑھ کر عالم تھے۔ علم روائت و فتویٰ انہی کی امثال سے قائم ہوا اور حکومت شرعیہ مالکؒ کو حاصل ہو گئی۔ انہوں نے حدیث بیان کی، فتوے دیئے، فائدہ پہنچایا اور تمام تر مساعی کو دین الٰہی میں صرف کر دیا اور انہی پر نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد منطبق ہوا۔ "یوشک اَنْ یضرب الناس اکباد الا بل یطلبون

العلم فلا یجدون احد اعلم من عالم المدینة" امام ابن عیینہؒ اور امام عبدالرزاق بن ہمام کا مختار اس حدیث کی تفسیر میں یہی ہے۔

اصحاب مالکؒ نے ان کی روایت ومختارات کو جمع کیا، خلاصے تیار کیے اور ان کی شروح لکھیں اور اصول ودلائل پر بحثیں کیں۔ بعد ازاں یہ لوگ غربی ممالک اور نواحی الارض میں پھیل گئے اور اللہ نے ان کے ذریعہ خلق کثیر کو نفع عظیم پہنچایا اس قول کی اگر حقیقت معلوم کرنا چاہو تو کتاب موطا کو غور سے دیکھو تاکہ اصلیت واضح ہو جائے۔

امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ ان سب میں ابراہیم نخعی اور ان کے اقران کے مذہب پر لزوم کرنے والے تھے۔ اس مذہب سے (الا ماشاء اللہ) وہ کبھی تجاوز نہیں کرتے اور اسی مذہب پر تخریج مسائل میں عظیم الشان تھے۔ اور وجوہ تخریجات میں دقیق النظر۔ نیز فروعات پر کامل توجہ رکھنے والے تھے۔ اگر تم اس قول کی حقیقت معلوم کرنا چاہو تو امام محمدؒ کی کتاب الآثار نیز جامع عبدالرزاق نیز تصنیف ابی ابکر بن ابی شیبہ سے ابراہیمؒ اور ان کے اقران کے اقوال کو چھانٹ لو اور مذہب ابو حنیفہؒ کے ساتھ ملا کر دیکھو۔ تم پر قول بالا کی اصلیت واضح ہو جائیگی۔ تم کو معلوم ہو جائے گا کہ چند مقامات کے سوا انہوں نے کبھی بھی اس طریق سے علیحدگی نہیں کی پھر ان چند مقامات میں بھی یہ التزام موجود ہے کہ فقہائے کوفہ کے مذہب سے باہر نہیں جاتے۔ امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب میں مشہور ترین قاضی ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ یہ ہارون الرشید کے عہد میں قاضی بن گئے تھے اور ان کا اس عہدہ پر مامور ہو جانا ہی اس مذہب کے ظہور نیز عراق وخراسان وماوراء النہر میں اسی کے مطابق فیصلہ جات صادر ہونیکا سبب بن گیا۔

بلحاظ تصنیف شاگردان امام میں محمد بن حسنؒ کا درجہ خاص ہے۔ انہوں نے

اچھی اچھی کتابیں لکھیں اور ہمیشہ درس بھی دیا۔ انہوں نے فقہ امام ابو حنیفہؒ سے اور بعد ازاں ابو یوسفؒ سے حاصل کی تھی۔ بعد ازاں مدینہ منورہ پہنچے اور امام مالکؒ سے موطا پڑھا اور بعد ازاں خود بھی غور و فکر کیا اور اپنے مذہب کے ایک ایک مسئلہ کو مقابلہ میں جمع کیا۔ گر دونوں میں مطابقت ہو گئی تب تو خیر، ورنہ یہ تلاش کرتے کہ کیا صحابہؓ و تابعینؒ میں سے کوئی بھی ان کے مذہب کے موافق ہے تو اسے لے لیتے تھے۔ لیکن اگر وہ دیکھتے تھے کہ ایک طرف تو حدیث صحیح ہے اور دوسری طرف وہ قیاس ضعیف اور تخریج لیتی ہے جس پر فقہاء کوفہ کا تو عمل ہے مگر اکثر علماء کا عمل ان کے خلاف ہے، تب وہ اپنے مذہب کو چھوڑ کر مذہب سلف کو لے لیتے تھے۔ صاحبین کا رویہ عموماً یہ رہا ہے کہ وہ بھی ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی طرح ابراہیمؒ اور ان کے اقران کے مذہب پر رہا کرتے ہیں اور اپنے استاد کے خلاف یا تو اس جگہ کرتے ہیں جہاں استاد نے مذہب ابراہیمؒ سے کوئی مسئلہ تخریجاً نکالا ہو اور ان کو اس تخریج سے اتفاق نہ ہو۔ یا اس جگہ خلاف کرتے ہیں جہاں مسئلہ میں ابراہیمؒ اور ان کے اقران کے اقوال متعدد ہوں اور صاحبین ایک قول کو دوسرے قول سے زیادہ ترجیح دیتے ہوں۔

امام محمد رحمتہ اللہ نے اپنی تصنیفات میں اقوال ابراہیمؒ و ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کو جمع کر دیا اور اس سے لوگوں کو بہت نفع پہنچا۔ ان کی تصانیف پر اصحاب ابو حنیفہؒ نے توجہ کی اور تخلیص و تقریب اور شرح و تخریج اور تاسیس و استدلال سے کام لیا۔ پھر خراسان اور ماوراء النہر کی طرف پھیل گئے اور اس کا نام مذہب ابو حنیفہؒ رکھا گیا۔

امام شافعیؒ اس وقت اٹھے جب مالکیہ و حنفیہ کا ظہور اور اصول و فروع کی ترتیب ہو رہی تھی۔ انہوں نے ان لوگوں کے کام میں نظر ڈالی اور پھر ان کی راہ پر چلنے سے اپنی باگ روک لی۔ اس کا ذکر انہوں نے کتاب الام کے آغاز میں کیا ہے۔

ازاں جملہ انہوں نے دیکھا کہ ہر مذہب والے مرسل و منقطع پر بھی عمل

کرتے ہیں اور ایسا کرنے سے بہت سے نقائص پائے جاتے ہیں۔ مثلاً جب کسی حدیث کے جملہ طرق کو جمع کر لیا جائے تو پتہ لگ جاتا ہے کہ بعض مرسل روایات وہ ہیں جو بالکل بے اصل ہیں اور بعض مرسل ایسی ہیں جو مسند کے خلاف ہیں۔ لہذا امام شافعیؒ نے تجویز کیا کہ مرسل پر عمل اس وقت کیا جائیگا جب اس میں چند شروط پائے جاتے ہوں۔ ان شروط کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب میں کر دیا ہے۔

ازاں جملہ کہ مختلفات کو جمع کرنے کے قواعد بھی دو مذاہب والوں کے پاس موجود نہیں۔ لہذا مجتہدات میں خلل کثیر واقع ہوتا ہے۔ اس کے اصول بھی امام شافعیؒ نے بنائے۔ اصول فقہ کے متعلق یہ اولین تدوین تھی اس کی مثال مندرجہ ذیل حکائت سے واضح ہو گی کہ امام شافعیؒ امام محمد بن حسنؒ کی ملاقات کو گئے۔ وہ اس وقت کہہ رہے تھے کہ اہل مدینہ ایک گواہ اور مدعی کے حلف پر فیصلہ کر دیتے ہیں اور ایسا کرنا قرآن سے آگے بڑھ جانا ہے؟ امام شافعیؒ نے پوچھا، تو یہ آپ کو ثابت ہو چکا ہے کہ خبر واحد کے ساتھ زیادۃ علیٰ قرآن جائز نہیں۔

امام محمدؒ: ہاں یہی بات ہے۔

امام شافعیؒ:۔ تب آپ نے لا وصیة لوارث[1] والی حدیث پر کیوں عمل کیا۔ قرآن میں تو ہے کتب علیکم اذا حضر احد کم الموت ان ترك خیرا ο الوصیة للوالدین و الاقربین[2] آیا ہے۔ اس کے بعد امام شافعیؒ نے اور بھی چند مسائل کا ذکر کیا حتیٰ کہ امام محمد کو چپ کرنا پڑا۔

ازاں جملہ بعض صحیح حدیثیں فتویٰ دینے والے تابعین تک نہ پہنچیں۔ تب انہوں نے اپنی اپنی رائے کے موافق اجتہاد کیا یا عمومات کا اتباع کیا۔ یا کسی صحابیؓ کا اقتدا

---

[1] وارث کیلئے وصیت جائز نہیں

[2] ہر مرنے والے پر لازم ہے کہ وہ اپنے والدین واقربین کیلئے وصیت کر دے جبکہ وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو۔

کیااور فتویٰ دیدیا مگر بعد ازاں طبقہ ثالثہ (تبع تابعین) کووہ روائت تو ملی مگر انہوں نے اس لئے اس پر عمل نہ کیا کہ ان کے شہر کا عمل اور طریق اس سے مخالف تھا۔ انہوں نے اسی امر کو حدیث بالا کیلئے علت قادحہ سمجھا۔

یا کوئی ایسی حدیث بھی ہوئی جو تبع تابعین کو تو نہیں ملی تھی مگر اس وقت ملی جب کہ اہلحدیث نے حدیث کے جملہ طرق پر گہری نگاہ ڈالی اور تلاش حدیث کیلئے زمین کے گوشہ گوشہ میں پہنچے اور ہر ایک عالم سے استفاضہ کیا۔ تب صحابی کی بیان کردہ ایسی حدیث مل گئی جسے صحابی سے ایک یا دو اشخاص ہی نے روائت کیا ہے اور علیٰ ہذا ان سے بھی ایک یا دو ہی نے روائت کیا ہے لہذا اہل فقہ سے وہ حدیث مخفی رہی اور ان حفاظ حدیث کو مل گئی جو جملہ طرق حدیث کے جامع تھے۔ غور کرنے سے ایسی حدیثیں مل جاتی ہیں جن کے راوی سب اہل بصرہ ہیں۔ دیگر مقامات کے لوگوں کو ان کا علم نہیں۔

ان جملہ حالات پر غور کرتے ہوئے امام شافعیؒ نے اول تو یہ بات بتلائی کہ علماء صحابہؓ و تابعینؒ کی روش ہمیشہ یہ رہی ہے کہ وہ مسئلہ کے متعلق حدیث کی تلاش کرتے تھے اور جب حدیث نہ ملتی تب استدلال وغیرہ سے کام لیا کرتے تھے اور بعد ازاں جب کبھی حدیث مل جاتی تب اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر حدیث کی جانب رجوع کر لیتے تھے اور جب ان بزرگوں کی یہ روش اور طریقہ ثابت شدہ ہے تب ان کا کسی حدیث سے تمسک نہ کرنا خود اس حدیث کیلئے علت قادحہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر حدیث قلتین پر نگاہ کرو کہ یہ حدیث صحیح ہے اور طرق کثیرہ کے ساتھ مروی ہے۔ اس کا ایک سلسلہ تو ابو الولید بن کثیر عن محمد بن جعفر بن الزبیر عن عبد اللہ والا ہے۔ دوسرا محمد بن عباد بن جعفر عن عبید اللہ بن عبد اللہ والا۔ اور پھر یہ دونوں ابن عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ ہر دو بزرگوار ہر چند کہ ثقہ ہیں لیکن صاحبان فتویٰ میں سے نہیں جن کے پاس لوگوں کی آمد و رفت بکثرت ہو۔ لہذا یہ حدیث سعید بن مسیب کے عہد میں اور

زہری کے زمانہ میں ظاہر نہ ہوئی اور مالکیہ و حنفیہ نے اس پر عمل نہ کیا مگر امام شافعیؒ نے اس پر عمل کیا۔

حدیث خیار مجلس کی حالت بھی یہی ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے اور بطریق کثیرہ مروی ہوئی ہے اور صحابی میں سے ابن عمرؓ وابی ہریرۃؓ نے اس پر عمل بھی کیا ہے۔ مگر فقہائے سبعہ اور ان کے معاصرین کو یہ حدیث نہ ملی اور مالکؒ وابو حنیفہؒ نے اسی امر کو حدیث کے لئے علت قادحہ سمجھا مگر امام شافعیؒ نے اس پر عمل فرمایا۔ دوم امام شافعیؒ کے عہد میں اقوال صحابہ کو جمع کیا گیا تو وہ بہت مل گئے۔ ان میں باہمی اختلاف بھی تھا اور ان میں سے کچھ اقوال ایسے بھی تھے جو حدیث صحیح کے مخالف تھے اس لئے کہ ان کو حدیث صحیح نہیں ملی تھی تب امام شافعیؒ نے اس بنیاد پر کہ ان بزرگوں کا اصول بھی رجوع الی الحدیث رہا ہے۔ حدیث پر عمل شروع کر دیا اور ان قوال کو چھوڑ دیا اور صاف طور پر کہہ دیا کہ وہ بھی انسان تھے اور ہم بھی انسان ہیں۔

ازاں جملہ امام شافعیؒ نے بعض فقہاء کو دیکھا کہ وہ رائے اور قیاس کے درمیان کچھ تفاوت نہیں کرتے۔ ہاں رائے تو وہ ہے جسے شرع میں کوئی دخل نہیں اور قیاس وہ ہے جسے ثابت رکھا گیا ہے۔ رائے سے میری مراد یہ ہے کہ کسی حکم شرعی کی علت کسی خیالی حرج یا مصلحت کو قرار دیا جائے اور قیاس وہ ہے کہ کسی حکم سے علت کی تخریج کیجائے اور حکم کا مدار علیہ اسی کو ٹھہرا لیا جائے۔ امام شافعیؒ نے ایسی ہی باتوں کا پورا پورا ابطال کیا۔ ابن الحاجب نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو شخص اپنی پسندیدگی کو شامل کرتا ہے وہ شارع بننا چاہتا ہے۔ مثلاً یتیم کا رشد کو پہنچ جانا ایک امر مخفی ہے اور فقہاء نے مظنہ رشد ۲۵ سال کی عمر کو قرار دیا ہے اور اس عمر کے بعد اس کے مال کو اسے سپرد کر دینا بہتر سمجھا ہے۔ یہی پسندیدگی ہے مگر قیاس یہ ہے کہ مال کی سپردگی اس مظنہ پر نہ کیجائے۔

الغرض امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے جب متقدمین کی ایسی ایسی باتوں کو دیکھا تب انہوں نے فقہ کی بنیاد از سر نو رکھی۔ اصول کی بنیادیں مضبوط کین اور فروع کی شاخیں نکالیں۔ کتابیں تصنیف کیں اور اپنی مسائی کا فائدہ پہنچایا۔ فقہاء نے اس پر اجتماع کر لیا اور اختصار و شرح یا استدلال و تخریج کی شکلوں میں اس کا پورا اہتمام کیا۔ پھر مختلف شہروں میں لیکر پھیل گئے اور اسی کا نام مذہب شافعیؒ ہوا۔



حضرت سعید بن جبیرؒ

اعلام تابعین میں سے تھے۔ رنگ کے سانولے تھے۔ علم عبداللہ بن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے پڑھا تھا۔ ایک دفعہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حدیث بیان کرو۔ عرض کی آپ کی موجودگی میں؟ فرمایا، کیاڈر ہے۔ میری موجودگی میں اگر ٹھیک بیان کر یگا تو بہتر، ورنہ میں غلطی کو درست کردونگا۔ انہوں نے قراءت بھی حضرت ابن عباسؓ ہی سے سیکھی تھی اور تفسیر بھی ان سے ہی سنی تھی روائت بھی زیادہ تر انہیں سے کرتے ہیں۔ قراۃ کی روائت ان سے منہال بن عمر اور ابو عمر بن علاء کرتے ہیں۔

وفار بن رباس کہتے ہیں، سعید نے رمضان میں مجھ سے کہا کہ تو میرا قرآن سن۔ پھر وہاں سے قرآن مجید ختم کر کے ہی اٹھے۔ سعید کا قول ہے کہ میں نے حرم کے اندر ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھا ہے اسمعیل بن عبدالملک کہتے ہیں کہ سعید بن جبیرؒ ہمارے امام تھے۔ ایک رات تو قراءۃ ابن مسعودؓ پڑھتے اور ایک رات قراءۃ زیدؓ بن ثابت۔ ایک رات کسی صحابی کی قراءۃ پر اور ایک رات کسی صحابی کی قراءۃ پر۔ ہمیشہ ایسا ہی کرتے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ میرے لئے قرآن مجید کی تفسیر لکھ دیجئے۔ کہا کہ اگر میرے بدن کی ایک شق ماری جائے تو وہ مجھے گوارا ہے بجائے اس کے کہ تفسیر لکھوں۔

حصیف کا قول ہے کہ تابعین میں سے مسائل طلاق تو سعید بن مسیبؒ خوب جانتے تھے اور حج کو عطاءؒ اور حرام کو طاوسؒ اور تفسیر کو مجاہدؒ اور ان سب میں سے جامع

تر ابن جبیرؒ تھے۔ محمد بن حبیب کہتے ہیں کہ ابن جبیر اصبہان میں آئے۔ لوگ حدیث پوچھتے تھے مگر یہ کچھ نہ سناتے تھے۔ پھر کوفہ میں آئے اور یہاں کوفہ میں حدیث بیان کی۔ لوگوں نے پوچھا کہ اصبہان میں حدیث نہ سنانے کی کیا وجہ تھی۔ فرمایا، جوہر شناس کے سامنے ہی جوہر دکھلانا چاہئے۔

کہتے ہیں کہ جب عبدالرحمٰن بن محمد نے عبدالملک بن مروان پر خروج کیا تو ابن جبیرؒ اسکے ساتھیوں میں تھے۔ جب عبدالرحمٰن قتل ہو گیا تو یہ بھاگ کر مکہ میں آ گئے۔ یہاں خالد بن عبداللہ القسری والی مکہ تھا۔ اس نے ان کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھجدیا۔ حجاج نے کہا، تیرا کیا نام ہے۔ کہا سعید بن جبیر۔ کہا، نہیں شقی بن کسیر۔ فرمایا، میری ماں میرے نام کو تیری نسبت بہتر جانتی تھی (مطلب یہ کہ ماں نے سعید ہی نام رکھا ہے) حجاج بولا۔ تیری ماں اور تو دونوں شقی ہو۔ فرمایا، غیب کی عالم اور ہی ذات ہے۔ تو نہیں۔

حجاج :۔ دیکھ دنیا سے نکال کر میں تجھے اب بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالتا ہوں۔

سعید :۔ اگر میں یقیناً سمجھ لوں کہ تجھے اتنی قدرت ہے تو میں تجھے اپنا معبود ہی بنالوں۔

حجاج :۔ تو محمد (ﷺ) کے بارے میں کیا کہتا ہے۔

سعید :۔ آپ نبیؐ الرحمتہ اور امام الہدیٰ ہیں۔

حجاج :۔ تو علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ وہ بہشت میں ہے یا دوزخ میں۔

سعید :۔ مجھے بہشت یا دوزخ میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا کہ وہاں والوں کو پہچان لیتا۔

حجاج :۔ تو خلفاء کے بارے میں کیا کہتا ہے۔

ابن جبیر :۔ میں ان کا وکیل نہیں ہوں۔

حجاج :۔ تجھے خلفاء میں سے کون زیادہ پسند ہے۔

ابن جبیر :۔ جو مالک کی رضا کا زیادہ خواستگار تھا۔

حجاج :۔ ایسا کون تھا؟

سعید :۔ یہ تو وہ بتا سکتا ہے جس کو ان کے باطن و ظاہر کا علم ہو۔

حجاج :۔ تو میری تصدیق کو پسند کرتا ہے۔

سعید :۔ اگر میں پسند کرتا تو تجھے نہ جھٹلاتا۔

حجاج :۔ کمبخت! تو ہنستا کیوں نہیں؟

سعید :۔ جو مٹی سے بنا ہے وہ کیونکر ہنس سکتا ہے کیونکہ مٹی کو آگ نے کھالینا ہے۔

پھر حجاج نے حکم دیا کہ یاقوت و زبرجد اور موتی اس کے سامنے لاکر رکھیں۔ فرمایا اگر ان کو اس لئے جمع کیا ہے کہ عذاب قیامت سے نجات دلائیں تب تو خوب ہے ورنہ یاد رکھ کہ قیامت کے دن ایک ہی چیخ ہوگی کہ دودھ پلانے والیاں اپنے شیر دادہ بچوں کو بھول جائیں گی اور دنیا میں کسی چیز کے جمع کرنے میں بھی خیر نہیں بجز اس کے جو طیب و پاکیزہ ہو (یعنی عمل)۔ پھر حجاج نے بنسری اور ستار بجانے کا حکم دیا۔ ابن جبیرؒ ان کی آواز سن کر رونے لگے۔

حجاج :۔ روتا کیوں ہے یہ تو فرحت کا سامان ہے۔

سعید :۔ نہیں اندوہ کا ذریعہ ہے۔ بنسری کی آواز سن کر مجھے نفخ صور یاد آگیا اور ستار وہ ہے جس کی لکڑی غیر حق میں صرف ہوئی ہے۔ رہی اس کی تاریں وہ قیامت کو تیرے ساتھ ہوں گی۔

حجاج :۔ سعید! تجھے ہلاکت نصیب ہو۔

سعید :۔ جو دوزخ سے بچ گیا اس کو ہلاکت نہ آئیگی۔

حجاج :۔ اچھا تو پسند کرلے کہ تجھے کس طریق سے قتل کروں۔

سعید :۔ بخدا! جس طریق سے تو مجھے قتل کریگا اس طرح پر آخرت میں خدا تجھ کو قتل کریگا۔

حجاج :۔ کیا تو چاہتا ہے کہ تجھے معاف کر دیا جائے۔

سعید :۔ اگر عفو ہے تو اللہ کی طرف سے ہے مگر تیرے لئے برات وعذر کچھ باقی نہیں۔

حجاج بولا :۔ لیجاؤ! قتل کرڈالو۔ جب یہ سامنے سے باہر نکلے تو ہنس پڑے۔ لوگوں نے حجاج کو اطلاع دی۔ کہا، پھر لوٹا کر لاؤ۔ پوچھا ہنسا کیوں ؟

سعید :۔ میں نے تعجب کیا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کیسا دلیر ہے اور تعجب کیا کہ اللہ تعالیٰ تیرے حق میں کیسا حلیم ہے۔ کہا، اچھا چمڑے پر ڈالکر قتل کردو۔
سعید نے قبلہ رخ ہو کر کہا، انی وجهت وجهی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا و ما انا من المشرکین۔

حجاج :۔ اس کا رخ قبلہ کی طرف سے پھرا دو۔

سعید :۔ فاینما تولو فثم وجه الله۔

حجاج :۔ اچھا اس کی پیشانی زمین پر رکھ دو۔

سعید :۔ منها خلقنا کم و فیها نعید کم و منها نخرجکم (الی الآیۃ)

حجاج نے کہا اچھا اسے ذبح کردو۔ یعنی حلق کی طرف سے چھری پھیر دو۔

فرمایا میں تجھے اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له و اشهد ان محمدا عبده و رسوله کا گواہ بناتا ہوں۔ اس شہادت کو اپنے پاس رکھنا۔ قیامت کو ادا کرنی ہوگی۔ اس کے بعد انہوں نے دعا کی کہ خداوندا میرے بعد تو حجاج کو یہ تسلط نہ دیجئو کہ کسی کو قتل کر سکے۔

یہ ماہ شعبان ۹۵ھ کو ۹۴ برس کی عمر میں شہید کئے گئے اور حجاج ماہ رمضان اسی سال مر گیا اور ان کے بعد کسی کو قتل نہ کر سکا۔ امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ جب حجاج نے ابن جبیرؒ کو قتل کیا ہے اس وقت روئے زمین پر کوئی ایسا نہ تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ تھا۔ جب حسن بصریؒ نے سنا کہ حجاج نے سعید بن جبیرؒ کو قتل کر دیا ہے تو دعا کی کہ بار الٰہا اس فاسق ثقیف کو سنبھال۔ پھر کہا بخدا! اگر مشرق و مغرب کے کل باشندے بھی ابن جبیرؒ کے قتل میں شریک ہوتے تو اللہ تعالیٰ سب کو ہی دوزخ میں گراتا۔

کہتے ہیں کہ ابن جبیرؒ کے جسم سے مرنے کے بعد خون بہت نکلا۔ حجاج نے اطباء کو بلا کر اس کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کہا کہ اوروں کی روح تو قتل کا نام سن کر ہی خشک ہو جاتی تھی لیکن ابن جبیرؒ پر اس کا کچھ اثر نہ تھا۔ اس لئے خون پورا نکلا جتنا نکلنا چاہیئے۔ کہتے ہیں کہ ان کے قتل کے بعد ہی حجاج بیمار ہو گیا۔ بیماری میں غش آتا جب افاقہ ہوتا تو پکارتا کہ ابن جبیر میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ جب آنکھ لگتی ہے تب ہی آموجود ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اے دشمن خدا تو نے کس جرم میں مجھے قتل کیا؟ یہ دیکھتے ہی حجاج ڈر کر چیخ اٹھتا۔

کہتے ہیں کہ حجاج کو اس کی وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا کیا حال ہوا۔ کہا جتنے لوگ میں نے قتل کئے تھے سب کے عوض میں ایک ایک دفعہ مجھے قتل کیا گیا۔ مگر ابن جبیرؒ کے عوض میں میں ستر دفعہ قتل کیا گیا ہوں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت امام موسیٰ کاظمؒ

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ امام موسیٰ عبد صالح کہہ کر پکارے جاتے تھے۔ ایک دفعہ وہ مسجد میں داخل ہوئے اور اول سجدہ میں جا کر عظم الذنب عندی فلیحسن العفو من عندك یا اهل التقوی و یا اهل المغفرة بار بار اسی کو کہتے تھے حتیٰ کہ صبح ہوگئی۔ سخی وجواد بہت ہی تھے۔ جب سن لیتے کہ فلاں شخص تنگدست ہے تو ایک تھیلی اس کے پاس بھجدیتے۔ عموماً یہ عادت تھی کہ دو سو، تین سو، چار سو اشرفیوں کی تھیلیاں بنا لیتے اور مدینہ منورہ کے غرباء کو تھیلیاں ہی تقسیم فرمایا کرتے۔ مدینہ منورہ میں قیام تھا، مہدی خلیفہ بغداد نے بلا کر حبس میں بھجدیا۔ ایک رات کو امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا۔ مہدی کو فرمارہے ہیں فهل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحا مکم (ترجمہ) کیا تم اگر والی بن جاؤ تو قریب ہو اس امر کے کہ زمین میں فساد کرنے لگو اور رشتوں کو قطع کردو۔

ربیع (وزیر مہدی) کہتا ہے کہ رات کو ہی میرے پاس آدمی پہنچا کہ خلیفہ بلاتے ہیں۔ میں ڈر گیا۔ وہاں پہنچا تو دیکھا مہدی یہی آئت پڑھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر کہا کہ موسیٰ بن جعفرؓ (رضی اللہ عنہ) کو بلاؤ۔ میں ان کو مجلس میں لے آیا۔ مہدی نے معانقہ کیا اور ان کو اپنے برابر بٹھلایا اور بیان کیا کہ میں نے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا ہے۔ کیا آپ مجھ کو اطمینان دلا سکتے ہیں کہ آپ یا آپ کی کوئی اولاد مجھ پر

خروج نہ کرے گی۔ فرمایا، بخدا میں نے پہلے کبھی اس کا ارادہ نہیں کیا اور نہ میری یہ شان کہ میں خروج کروں۔ کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔ پھر وزیر سے کہا کہ ۳ ہزار اشرفی آپ کو دو اور مدینہ میں جہاں آپ کے اہل وعیال ہیں بھیجدو۔

ربیع کہتا ہے کہ میں نے صبح کو ان کے سفر کی تیاری کرنی چاہی معلوم ہوا وہ روانہ ہو چکے تھے۔ مدینہ منورہ میں ہارون رشید کے زمانہ تک بامن وامان رہے۔ جب ہارون رشید ۱۷۹ھ میں عمرہ رمضان کر کے واپس بغداد کو آنے لگا تو آپ کو ساتھ لے آیا۔ یہاں آکر حبس میں بھیجدیا اور وہیں آپ نے انتقال فرمایا۔ خطیب کا بیان ہے کہ ہارون رشید حج کے بعد روضۂ نبویؐ کی زیارت کو گیا۔ روضۂ مبارک پر اعیان قریش وسرداران قبیلہ اور حضرت موسیٰ کاظمؒ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہارون رشید نے حاضرین پر اپنا فخر جتلانے کے لئے کہا، السلام علیک یا رسول اللہ یا ابن عم اے رسول خدا! اے چچا کے بیٹے! آپ پر سلام ہو۔ حضرت موسیٰ کاظمؒ بولے السلام علیک! یا ابت۔ باوا جان! آپ پر سلام ہو۔ ہارون رشید کے چہرہ کا رنگ اڑ گیا اور کہا بیشک! یہ فخر پورا پورا ہے۔

مسعودی مروج الذہب میں لکھتا ہے کہ عبداللہ خزاعی ہارون رشید کا کوتوال تھا۔ اس کا بیان ہے کہ ہارون رشید کا آدمی رات کو ایسے وقت میرے پاس آیا کہ کبھی نہ آیا تھا۔ مجھے کپڑے پہننے تک کی مہلت نہ دی اور ساتھ ہی لے لیا۔ مجھے نہائت خوف پیدا ہوا۔ جب محل کے قریب پہنچا تو ایک خادم نے دوڑ کر میرے آنے کی اطلاع کی۔ جب اجازت ہو گئی تو میں اندر گیا۔ میں نے دیکھا کہ ہارون بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے سلام کیا۔ ایک گھڑی تک کچھ جواب نہ دیا۔ تب تو میرے ہوش جاتے رہے اور بہت گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد خلیفہ بولا، عبداللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے تجھے کیوں طلب کیا ہے۔ میں نے عرض کی، نہیں یا امیر المومنین۔ کہا میں نے ایک حبشی کو خواب میں

دیکھا جس کے ہاتھ میں برہنہ تلوار ہے وہ کہہ رہا ہے یا تو اسی وقت موسیٰ کاظمؒ کو چھوڑ دے ورنہ تجھے ابھی اس تلوار کے ساتھ قتل کرتا ہوں۔ بس تو جا اور موسیٰ کو چھوڑ دے۔ میں نے کہا، کیا آپ یہ حکم دیتے ہیں کہ موسیٰ کو چھوڑ دوں۔ کہا ہاں۔ میں نے تین دفعہ اس طرح کہلا لیا۔ تیسری دفعہ ہارون رشید نے کہا۔ ہاں! اس وقت جا کر چھوڑ دے اور ۳۰ ہزار درہم بھی ان کو دیدے اور میری طرف سے یہ بھی کہدے کہ اگر آپ یہاں ٹھہرنا پسند کریں تو یہاں ٹھہریں آپ کے جملہ مصارف اور ضروریات کا میں ذمہ دار ہونگا۔ اور اگر آپ مدینہ جانا چاہیں تو وہاں تشریف لے جاویں۔

عبداللہ کو توال کہتا ہے کہ جب میں محبس میں پہنچا تو امام موسیٰؒ مجھے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ شائد انہوں نے سمجھا کہ میں ان کی نسبت کوئی مکروہ حکم لے کر گیا ہوں۔ میں نے عرض کی کہ آپ خوف نہ کریں، میں آپ کو چھوڑنے کیلئے آیا ہوں۔ پھر میں نے عرض کی کہ آپ کے معاملہ میں میں نہائت حیران ہوں۔ فرمایا میں یہاں سویا پڑا تھا کہ رسول خدا ﷺ تشریف لائے۔ فرمایا موسیٰ تو مظلوم ہو کر زنداں میں پڑا ہے تو یہ کلمات پڑھ! پھر اسی رات یہاں سے رہائی پائے گا۔ کوتوال نے عرض کی میرے پدر و مادر آپ پر قربان ہوں، وہ کلمات تو بتلاء دیجئے۔

فرمایا:۔ یاسامع کل صوت و یاسایق الفوت و یا کاسی العظام لحمًا و منشزها بعد الموت اسئالک باسمائک الحسنی و باسمک الاعظم الاکبر المخزون المکنون الذی لم یطلع علیه احد من المخلوقین یا حلیماً ذا اناه لایقوی علی ایاته یا ذالمعروف الذی لاینقطع ابدا و لا یحصٰی عددا فرج عنی۔ میں نے یہی پڑھا اور اس کا نتیجہ یہ ہے جو تو نے دیکھا۔

آپ کی ولادت مدینہ میں یوم سہ شنبہ قبل طلوع ۱۲۹ھ (یابقول خطیب

۱۲۸ھ) کو ہوئی اور انتقال بغداد میں ۲۵ رجب ۱۸۳ھ کو ہوا۔ بعض کا بیان ہے کہ آنجناب کو زہر دیا گیا۔ آپ کی کنیت ابوالحسن اور لقب کاظم ہے اور ائمہ اثنائے عشرہ میں آپ ساتویں امام ہیں۔

تاریخ ولادت ووفات امام موسیٰ کاظمؒ

جلال دیں بود موسیٰ کاظم نسیم پاک باشد سال رحلت

۱۲۸ھ ۱۸۳ھ

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

یعقوب ابن داؤد سلمی

یعقوب کا باپ نصر بن سیار کا (جو بنی امیہ کی طرف سے عامل خراسان تھا) دبیر تھا اور خود یعقوب امام حسن مجتبیٰ کے پڑپوتے ابراہیم بن عبداللہ کا کاتب تھا۔ اہل ادب و فضل میں ممتاز اور صنف علم کی مہارت سے بہرہ ور تھا۔ گداگروں میں اس کی سخاوت اور ہم نشینوں میں اس کی فضیلت مسلمہ تھی۔

جب سید ابراہیم بن عبداللہ کو خلیفہ منصور کیساتھ نبرد آزمائی میں شکست ملی اور وہ ۱۴۳ھ میں گرفتار ہو گئے تو یعقوب بھی پکڑا گیا۔ جب تک منصور بند حیات سے آزاد نہ ہوا، یہ بندہ زندان میں رہا ہے۔ منصور کے بعد مہدی خلیفہ ہوا۔ اس نے یعقوب کو نہ صرف قید سے ہی رہائی دی بلکہ مصاحبین میں شامل کر لیا۔ روز بروز تقرب بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ معتمد علیہ بن گیا۔ ستارہ اقبال اوج پر تھا خلیفہ نے ایک فرمان جاری کیا کہ یعقوب بن داؤد ہمارا دینی بھائی ہے۔ مسلم بن عمر المعروف خاسر نے اسی مضمون کا قطعہ لکھا۔ ؎

قل للامام الذی جاءرت خلافته تهدی الیه بحق غیر مردود
نعم القرین علی التقوی اعنت به اخوك فی لله یعقوب ابن داؤد

ترجمہ: اس امام کی خدمت میں جسے خلافت بوجہ اس کے نہ زائل ہونیوالے استحقاق کے حاصل ہوئی ہے یہ عرض کرو کہ آپ کا دینی بھائی یعقوب بن داؤد جسے معاون بنایا گیا ہے۔ وہ عمدہ جلیس و متقی ہمنشین ہے۔

اس فرمان کے بعد ۱۶۱ھ میں ایک اور فرمان جاری ہوا کہ اضلاع میں جہاں خلیفہ کے عامل ہیں وہاں یعقوب کی طرف سے بھی ایک ایک امین مقرر کیا جائے۔ اس وقت یہ حال تھا کہ کوئی سرکاری یا غیر سرکاری کاغذ ایسا نہ ہوتا تھا کہ خلیفہ کے حضور میں پیش ہوتا ہو اور اس کی نقل اس دن کی ڈاک میں یعقوب کے پاس نہ آجاتی ہو۔

ابھی تک خلیفہ کا وزیر ابو عبداللہ معاویہؒ تھا۔ ربیع بن یونس مصاحب خاص کی اس سے چلی ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ وزیر کی برائیاں کرتا اور خلیفہ سے عرض کیا کرتا تھا کہ جب یعقوب جیسا معتمد فاضل دربار میں موجود ہے تو ابو عبداللہ کو وزیر اعظم بنائے رکھنے سے کیا مقصود ہے۔ روز روز کا کہنا سننا اثر کر گیا اور خلیفہ نے ابو عبداللہ کو دارالانشاء سے بدل کر یعقوب کو خلعت وزارت پہنا دیا۔ خلیفہ منصور نے اپنی وفات کے بعد خزانہ میں ۹ کروڑ ساٹھ لاکھ درم چھوڑے تھے۔ جب تک ابو عبداللہ وزیر رہا نوجوان مہدی کو فضول خرچیوں سے روکتا رہا لیکن یعقوب نے وزیر ہوتے ہی خلیفہ کو رنگ افیون میں ڈال دیا اور بھرپور خزانہ ناعاقبت اندیشوں کے ہاتھ سپرد کر دیا۔ مہدی رات دن لذات شرب و سماع میں مستغرق رہتا تھا اور سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک یعقوب ہی تھا۔

اس زمانہ کے شاعر محض بھانڈ نہ ہوتے تھے اور شعر کی بنیاد صرف پیچ در پیچ نازک خیالی پر ہی بلند نہ کی جاتی تھی۔ بلکہ شاعر ملک کی زبان سمجھا جاتا اور اس کا فرض ہوتا تھا کہ واقعات ملکی کو فصاحت و بلاغت کا لباس پہنا کر دربار میں سنائے۔ تاریخ گواہ ہے کہ بیسیوں شاعروں نے اپنی جان سے تو ہاتھ اٹھا لیا لیکن اس فرض کی ادائیگی سے ضرور سبکدوشی حاصل کی۔ چنانچہ بشار بن برد نے یہ قطعہ لکھا جو یعقوب کے بیحد اختیارات اور اس کے باپ کے وقت سے بنی امیہ کے ساتھ اس کے میل ملاپ اور خلیفہ کی سیہ مستی و بے حد غفلت کو بخوبی ظاہر کرتا ہے۔

ان الخلیفة یعقوب بن داؤد بنی امیة هبو المال نو مکموا
خلیفة الله بین الزق و العود ضاعت خلافتکم یا قوم فالتمسوا

خلیفہ کے بے حد اسراف سے خزانہ بھی خالی ہو گیا۔ ابو حارثہ ہندی خزانچی تھا۔ اس نے ایک روز آکر مہدی کے سامنے کنجیاں پھینک دیں۔ کہا حضور جب خزانہ ہی نہ رہا تو کیا ضرور ہے کہ کنجیوں کا بوجھ بھی اٹھائے پھروں۔ اب خلیفہ کی آنکھیں کھلیں اور نشہ غفلت سے بیدار ہوا۔ بولا ابو حارثہ! تم کنجیاں رہنے دو۔ خزانہ بہت آئیگا۔

اس واقعہ سے خلیفہ کے دل میں یعقوب کے حسن انتظام پر شک ہونے لگا۔ یعقوب کا نجم سعادت نصف دائرہ صعود کو طے کر چکا تھا۔ اب اس کی رفتار نصف دائرہ ہبوط کی جانب شروع ہوئی اور ایسے واقعات ظہور میں آنے لگے کہ خلیفہ کے دل میں یعقوب کی محبت واخوت جو کچھ تھی ان کی جگہ نفرت وعداوت جڑ پکڑنے لگی۔

ا۔ خلیفہ ایک سفر میں تھا میل کے ایک پتھر پر ایک شعر لکھا ہوا نظر پڑا۔ پڑھا گیا تو یہ تھا۔

لولا اتخاذك یعقوب بن داؤد لله درك یا مهدی من رجل

مطلب یہ کہ مہدی سب طرح سے تعریف کا مستحق ہے۔ نقص صرف اس قدر ہے کہ یعقوب کو اتنا بڑھا رکھا ہے۔ خلیفہ نے کہا، اس کے نیچے لکھ دو "تیری اور تیرے باپ کی ایسی کی تیسی"۔ جب اس سفر سے واپس ہوا تو پھر اسی پتھر کے پاس آکر مہدی ٹھہر گیا اور دیر تک کچھ غور کرتا رہا۔ رمز شناس تاڑ گئے کہ شعر کا زہر اثر کر گیا۔

۲۔ پرانے اہلکار جن کو یعقوب کا بے حد اقتدار خار گذرتا تھا۔ موقع پا کر کہنے سننے لگے کہ حضور یعقوب تو سید ابراھیم کا معتقد و معتمد خاص تھا جو ہمیشہ حضور کے والد کیساتھ لڑتا اور سلطنت کے خلاف جنگ کرتا رہا۔ پس اعتماد کلی اس پر بھی کیا ہو سکتا ہے۔

۳۔ ایک دفعہ یعقوب خلیفہ کی جانب اشارہ کر کے کہہ رہا تھا کہ اس شخص نے جو لاکھوں روپیہ عمارت پر لگا دیئے ہیں اس کا خزانہ پر جو تمام رعیت کے مشترکہ اغراض کیلئے ہے

اس قدر کیا حق تھا۔ مہدی نے اپنے کانوں سے یہ فقرہ سن لیا۔

ان سب باتوں سے مہدی کا دل سرد ہوتا گیا۔ اب اس نے ارادہ کیا کہ یعقوب کا امتحان اخلاص بھی لے اور دیکھے کہ علویہ کی محبت اس کے دل میں ہے یا نہیں۔ (اس زمانہ میں علویہ سے محبت رکھنا بغاوت سلطنت کی علامت سمجھا جایا کرتا تھا کیونکہ سلطنت بنی امیہ کی بیخ وبنیاد برکندہ کرنے میں عباسیہ اور علویہ دونوں متفق و مشترک تھے اور جب ان کو اکھاڑ چکے تو عباسیہ نے تخت کا مالک ہو کر علویہ کو پامال کرنا شروع کیا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ہماری حکومت کو انقلاب ہو سکتا ہے اور اگر ہمارے دعوئ قرابت رسول ﷺ کا کوئی شخص جواب دے سکتا ہے تو وہ علویہ ہی ہیں۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ جس وھمی خیال سے انہوں نے ہمیشہ اہل قرابت سے عداوت کی وہ سلطنت کا کچھ بگاڑ نہ سکے لیکن تاتاری ترکوں نے آکر اس بڑی سلطنت کا خاتمہ کر دیا)۔

۴۔ الغرض مہدی خلیفہ نے ایک روز یعقوب کو باغ میں طلب کیا۔ جس چمن میں خلیفہ بیٹھا ہوا تھا اس میں مختلف انواع واقسام کا گلاب کھلا ہوا تھا۔ مجلس کا فرش بھی گلابی تھا اور خلیفہ کا لباس بھی گلابی۔ پس پشت ایک لونڈی ایستادہ تھی۔ جس کے گلابی رخسار دیکھ کر پھولوں کو پسینہ آرہا تھا۔ وہ گلبدن بھی گلابی لباس پہنے ہوئے تھی۔

خلیفہ نے کہا۔ کہو یعقوب! ہماری مجلس کیسی معلوم ہوتی ہے۔ بولا، نہائت ہی بارونق۔ خداوند کریم حضور کو ایسی ہی عیش وراحت میں رکھے۔ کہا یہ سب سامان تجھ کو عطا کیا اور یہ کنیز بھی بلکہ اس کے ساتھ ایک لاکھ روپیہ بھی۔ پھر کہا، یعقوب! میرا تجھ سے ایک کام ہے۔ مزاج شناس یعقوب کا ماتھا ٹھنکا۔ دل دھڑکا۔ کہا حضور کیا فرماتے ہیں۔ اس ناچیز سے حضور کا کیا کام ہو سکتا ہے۔ خدائے پاک مجھے حضور کے غضب سے بچائے۔ خلیفہ نے کہا، کام تو ضروری ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تو اس کے پورا کرنیکا کامل اقرار کرے عرض کی، بسرو چشم۔ کہا، نہیں قسم کھاؤ۔ یعقوب نے تین

دفعہ قسم کھائی۔ خلیفہ نے کہا، میرے سر کو ہاتھ لگا کر قسم کھاؤ اور یعقوب نے ایسا ہی کیا (الغرض اس کی پختگی کے بعد) مہدی نے کہا فلاں شخص علوی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے اس کی طرف سے مطمئن کر دے۔

یعقوب انعام کا روپیہ، مجلس کا سارا سازو سامان اور گل رخسار کنیز کو لیکر واپس آیا۔ لونڈی کو نشست کے برابر والے کمرہ میں بٹھلا دیا اور علوی کو طلب کیا۔ دیکھا تو وہ نہائت دانا و فہیم تھا۔ اس نے کہا، یعقوب کیا تو پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے سامنے میرا قاتل ہو کر پیش ہو؟ حالانکہ میں فاطمہ بنت محمد ﷺ کی اولاد میں سے ہوں۔ یعقوب نے کہا، مجھے کیا بھلائی پہنچا سکتا ہے؟ بولا اگر جان بخشی کرو گے تو دعا دونگا۔ اور شکر گذار ہونگا یعقوب نے کہا، اچھا یہ مال بھی لے جاؤ اور جدھر چاہو، چلے جاؤ۔ وہ بولا، فلاں راستہ میرے لئے پر امن معلوم ہوتا ہے۔ ادھر ہی جاؤنگا۔ لونڈی یہ سب باتیں سن رہی تھی اس نے فوراً خفیہ بادشاہ کے پاس کہلا بھیجا کہ جس وزیر پر حضور اتنے مہربان ہیں کہ مجھے بھی اسی کو بخش دیا ہے اس کا چلن یہ ہے (کیا تعجب ہے کہ خلیفہ نے رازدان کنیز کو اسی غرض سے بھیجا ہو کہ اندرونی حالات کی اطلاع بھی ملتی رہے)

مہدی نے فوراً گرفتاری کا حکم دیا اور بیچارہ علوی گرفتار ہو کر آگیا۔ پھر یعقوب کو بلا کر پوچھا، علوی کا کیا حال ہے۔ کہا، حضور کو اس سے کچھ کھٹکا نہیں رہا۔ پوچھا، کیا مر گیا۔ بولا، ہاں۔ کہا، قسم کھاؤ۔ یعقوب نے تین دفعہ قسم کھائی۔ کہا، میرے سر کو ہاتھ لگا کر قسم کھاؤ۔ یعقوب نے ایسا ہی کیا۔ مہدی نے حکم دیا کہ اس کمرہ میں جو شخص ہے اسے پیش کرو۔ وہی علوی اور وہی مال پیش کئے گئے۔ یعقوب سپید ہو گیا۔ اسکی زبان بند تھی اور آنکھیں کھلی۔ بولنے کی گنجائش ہی نہ رہی تھی۔ مہدی نے کہا تیرے واجب القتل ہونے میں تو کچھ شک نہیں رہا لیکن میں قید ہی کروں گا۔ لے جاؤ اور چاہ تاریک میں قید کرو۔

چاہ تاریک قبر سے بدتر ہوتا تھا۔ قیدی کو اس میں اتار کر اوپر سے سرپوشی لگا

دیتے تھے کسی جاندار کی صورت کا نظر آنا تو کیسا کسی کی آواز بھی کانوں تک نہ جاسکتی تھی۔ بلکہ ہوااور روشنی کو بھی وہاں جانے کیلئے کوئی راہ نہ ہوتی تھی۔ پہرہ والے سپاہی قیدی کو اوقات نماز کی اطلاع دیدیا کرتے اور روٹی پانی ایک ڈول میں رکھ کر قیدی تک پہونچادیا کرتے۔ یہ اللہ کا بندہ پندرہ سال تک اس میں قید رہا۔ اور ہارون رشید کے حکم سے اور اپنی سخت جانی سے زندہ رہ کر رہائی پائی۔ یعقوب کا اپنا بیان ہے کہ بارہ سال کی قید کے بعد میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص یہ شعر پڑھ رہا ہے۔

حنا علی یوسف رب فاخرجه　　من قعر جب و بيت حوله انعهم

خدا یوسف پر مہربان ہوااور اسے مصیبت ناک جگہ اور کنوئیں کے قعر سے نکال لیا۔ میں نے صبح اٹھ کر شکر کیا کہ اب ایام رہائی قریب آئے۔ لیکن ایک سال گذر گیا اور رہائی کی صورت نظر نہ آئی۔ دوسرے سال پھر خواب دیکھا کہ کوئی شخص یہ شعر پڑھ رہا ہے۔

عسیٰ فرج یاتی به الله انه　　له كل يوم فی خليقة امر

قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کشائش دے۔ کیونکہ ہر روز اپنی مخلوق میں وہ ایک حکم جاری کرتا ہے۔ اس پر بھی ایک سال گذر گیا اور آزادی نہ ملی۔ اب پھر خواب دیکھا اور یہ اشعار سنے۔

عسیٰ كرب الذی امسيت فيه　　يكون ورائة فرج قريب

فيامن خائف و يفک عان　　وياتی اهله النائی الغريب

قریب ہے کہ جس مصیبت میں تو شام تک رہا ہے کشائش بھی اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے جس سے خائف کو امن اور قیدی کو رہائی مل جائے اور بچھڑا ہوا شخص کنبہ میں پہنچ جائے۔

صبح ہوتے ہی کسی نے مجھے پکارا۔ میں سمجھا کہ پہرہ والا نماز کی خبر کرتا ہے۔

پھر پکارا۔ چاہ میں ایک رسی بھی لٹکتی نظر آئی۔ کہا، رسی کو اپنی کمر سے خوب مضبوط باندھ لو۔ تمہارے لئے باہر نکالنے کا حکم ہو چکا ہے۔ میں نے ایسے ہی کیا۔ جب کنوئیں سے باہر نکلا تو پندرہ سال کے بعد نکلتے آفتاب کی شعاع آنکھوں پر پڑی۔ آنکھیں چکاچوند میں آ گئیں اور نور بصارت جاتا رہا۔ میرا ہاتھ پکڑ کر خلیفہ کے دربار میں لے گئے۔

میں نے کہا السلام علیک یا امیرالمومنین المهدی۔ تخت پر سے آواز آئی کہ میں مہدی نہیں۔

میں نے کہا السلام علیک یا امیرالمومنین الهادی۔ تخت پر سے آواز آئی کہ میں ہادی نہیں

میں نے کہا السلام علیک یا امیرالمومنین الرشید۔ تب رشید نے مجھ سے گفتگو شروع کی اور خارج از دنیا قیدی کو اس وقت معلوم ہوا کہ پندرہ سال کے اندر تخت کے تین مالک ہو چکے تھے۔

رشید نے کہا، اے یعقوب میرے پاس کسی شخص نے تیری شفاعت نہیں کی بلکہ رات میں نے ایک بچہ گود میں اٹھایا اور اسی وقت مجھے یاد آ گیا کہ کبھی تو بھی مجھے گود میں اٹھایا کرتا تھا۔ میں تجھے رہا کرتا ہوں اور اجازت دیتا ہوں کہ جہاں چاہے وہاں سکونت اختیار کر۔ یعقوب نے مکہ معظمہ کو اختیار کیا اور تاوفات وہاں ہی رہا۔ کہتے ہیں یعقوب نے کنوئیں سے نکل کر جب اپنے گھرے دوستوں کا حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اکثر مر چکے تھے۔ اس وقت یعقوب نے یہ قطعہ پڑھا۔

لكل اناس مقبر لفنا ئهم فهم ينقصون والقبورتزيد

هم جيرة الاحياء اما محلهم فدان و اما الملتقى فبعيد

سب لوگوں کیلئے قبر تیار ہے۔ قبریں بڑھتی جائیں گی اور آدمی گھٹتے جائینگے

مردے اگرچہ زندوں کے ہمسائے ہیں اور ان کی رہائش گاہ بھی ہم سب سے قریب ہے

لیکن ان سے ملاقات کر سکنا نہائت بعید۔

یعقوب کا ۱۸۳ھ ہجری میں انتقال ہوا۔ حفیر بن قیس بصری نے مرثیہ لکھا جو دیوان حماسہ میں موجود ہے۔

قارئین یعقوب کے حال سے عبرت پکڑیں اور زندگی کی کج و پر پیچ راہ پر ایک نظر ڈالیں۔ ثروت واقتدار کے شیدا، حکومت واختیار کے والہ کیا پسند کرینگے کہ یعقوب کا سا عبرتناک انجام ان کے لئے بھی ہو۔ خلافت عباسیہ کے اگرچہ علم وعلماء کے سر پر احسانات کثیر ہیں لیکن تاریخ پر ایک گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلطنت کی وزارت ہمیشہ خطرناک انجام کے ساتھ ختم ہوتی تھی۔

ابو مسلم خراسانی (جسے ماموں رشید سکندر رومی اور اردشیر بابکان کے بعد تیسرا شخص بتایا کرتا تھا جس نے عباسیہ سلطنت کی بنیاد ڈالی اور اس سلطنت کا پہلا وزیر ہوا) خاندان برامکہ، ابن الزیات، ابن مقلہ کاتب، ابن العمید وغیرہ کے حالات ایسے ہی دردناک واقعات سے بھرے ہوئے ہیں۔ "اللھم انی اعوذ بک من الحور بعد الکور" آسائش کے بعد مصیبت سے خدا کی پناہ۔ ترقی کے بعد تنزل خدا کی امان۔



حضرت ابو یعقوب یوسف بن یحییٰ

ابو یعقوب جو بویطی کے نام سے مشہور ہیں، مصاحب امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ اصحاب شافعیؒ میں ان کا وہی درجہ تھا جو دانہ ہائے تسبیح میں امام کا ہوتا ہے۔ استاد کی زندگی ہی میں ممتاز تھے۔ ان کی وفات کے بعد منبر درس و مسند فتویٰ انہیں سے مزین ہوئی۔ امام ترمذیؒ وابراہیم بن اسحٰق حرلی، قاسم بن مغیرہ جوہری اور احمد بن منصور مادی وغیرہ نے ان سے روائت کی ہے۔

واثق باللہ کے عہد میں مسئلہ خلق قرآن کیلئے ان کو کہا گیا۔ انہوں نے انکار کیا۔ قید کر کے بغداد میں لائے گئے اور قید ہی میں بند حیات سے آزاد ہوئے۔ نہائت عابد متنسک، صالح اور زاہد تھے۔ ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے بویطی کو دیکھا۔ گردن میں طوق تھا' پاؤں میں بیڑی۔ بیڑی اور طوق کے درمیان بیس سیر پختہ کی ایک زنجیر آھنی پڑی ہوئی تھی جو گردن کو جھکائے رکھتی۔ خچر پر لئے ہوئے سپاہی لے جارہے تھے اور وہ باواز بلند کہتے جاتے تھے کہ اللہ تعالےٰ نے مخلوق کو کُن کے ساتھ پیدا کیا۔ پس اگر کُن بھی جو کلام الٰہی ہے' مخلوق ہے تو گویا کل مخلوقات ایک مخلوق کی مخلوق ہے۔ بخدا میں طوق وزنجیری میں مرجاؤنگا تاکہ لوگوں کو خبر ہوجائے کہ ایسے مسئلہ کیلئے طوق وزنجیر میں مرنا پسند کیا گیا ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ اگر میں واثق باللہ کے سامنے پہنچا تو وہ میری بات کو ضرور مان لیگا۔

کہتے ہیں کہ اس ابتلاء و محنت میں اصحاب شافعیؒ میں سے صرف یہی گرفتار

ہوئے تھے اور امام شافعیؒ نے ان کو پہلے ہی خبر بھی دیدی تھی۔ ربیع کہتے ہیں کہ میں اور مزنی اور بویطی امام شافعیؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ ہماری طرف دیکھ کر فرمایا، ربیع تو طلب حدیث میں فوت ہوگا۔ بویطیؒ زنجیر و قید میں وفات پائیگا اور مزنی کے ساتھ اگر شیطان بھی مناظرہ کرنے آئے تو یہ اسے قطع کردے۔

ابو اسحٰق شرازی طبقات الفقہاء میں لکھتے ہیں کہ بویطیؒ جب بندیخانہ میں اذان جمعہ سنتے تو غسل کرتے۔ کپڑے بدلتے اور زنداں کے دروازہ تک جاتے۔ داروغہ پوچھتا کہاں؟ کہتے داعی ربانی پکار رہا ہے۔ میں ادھر حاضر ہوتا ہوں۔ وہ کہتا نہیں ہٹ کر بیٹھو۔ بویطیؒ یہ کہتے ہوئے لوٹ جاتے الٰہی تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے حکم کو مانا اور انہوں نے مجھے جانے سے روکا۔ ابو الولید کہتے ہیں۔ میں بویطیؒ کا پہلو نشین تھا۔ رات کو جب میری آنکھ کھلتی، ان کو نماز پڑھتے ہی دیکھا۔ یا تلاوت قرآن مجید میں مصروف پایا۔

ربیع کہتے ہیں کہ بویطیؒ کا امام شافعیؒ کی مجلس میں ایک خاص درجہ تھا۔ جب کوئی سائل آتا تو فرمادیتے کہ بویطیؒ سے سوال کرو۔ اگر وہ کہتا کہ انہوں نے یوں بتلایا ہے تو فرمادیتے کہ صحیح ہے۔ بسا اوقات حاکم شہر فتویٰ دریافت کرتا تو آپ بویطیؒ کی طرف اشارہ کرکے فرمادیتے کہ یہ میری زبان ہے۔ ربیع کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں سے دلائل پیش کرنے والا میں نے بویطیؒ کا سا کوئی نہیں دیکھا۔ ان کے ہونٹ ذکر الٰہی سے ہمیشہ جنباں تھے۔

ابو العباس محمد بن یعقوب الاصم کہتے ہیں۔ والد بزرگوار نے مجھے خواب میں فرمایا، بیٹا کتاب بویطیؒ کو لازم پکڑلو۔ کیونکہ جملہ کتب میں سے اسی میں خطا کم ہے۔ (اس وقت تک صحیحین کی تدوین نہ ہوئی تھی)۔ ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ ایک روز میں جیلخانہ میں بویطیؒ کو دیکھنے گیا۔ ان کی نصف ساق تک لوہا ہی لوہا تھا اور دونوں ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے جیلخانہ سے میرے پاس لکھ کر بھیجا

کہ مجھ پر بعض وقت ایسے گزر جاتے ہیں جب طوق وزنجیر کا وزن ذرا بھی مجھ کو معلوم نہیں دیتا۔ حتیٰ کہ لوہے کو ہاتھ سے چھو کر دیکھا کرتا ہوں۔ ربیع جب تم کو یہ خط ملے اہل حلقہ کیساتھ خوش اخلاقی کی عادت پیدا کرو اور غربا و مساکین کے ساتھ خصوصیت سے بھلائی کرو۔ کیونکہ میں نے امام شافعیؒ کو بارہا یہ شعر پڑھتے سنا ہے۔

اھین لھم نفسی لا کرمھم لھا ولن تکرم النفس التی لا تھینھا

اس امام کا انتقال ۲۳۱ھ کو قید و زنداں بغداد میں ہوا۔ بویط مصر میں ایک گاؤں کا نام ہے بویطی اس کی جانب منسوب ہیں۔ اس بزرگوار نے استقلال اور صبر بر مصائب سے یہ ثابت کر دیا کہ تعلیم محمدیہ نے کیسے علماء کو پیدا کیا تھا اور دین محمدیہ کی اشاعت کو اہل علم نے کیسی محنتوں اور مشقتوں کو برداشت کرتے ہوئے دنیا میں پھیلایا۔ خداوند کریم اس وقت کے علماء کو بھی اس صفت کا ادنیٰ حصہ نصیب کرے۔



حضرت یحییٰ بن یحییٰ اندلسی رحمتہ اللہ

بربر کے قبیلہ معمورہ میں سے ہیں۔ قرطبہ میں سکونت اختیار کی۔ علماء سے علوم تحصیل کر کے ۲۸ سال کی عمر میں مغرب کا سفر کیا۔ مصر میں لیث بن سعد اور عبدالرحمٰن بن وہب و عبدالرحمٰن بن قاسم سے، مکہ میں سفیان بن عیینہ سے استفادہ کرتے ہوئے مدینہ میں امام مالک بن انس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے ان کو عاقل اہل اندلس کا خطاب دیا تھا۔

ان کے متعلق ایک حکائت بیان کی جاتی ہے کہ امام مالکؒ کی خدمت میں لوگ بیٹھے ہوئے تھے، کسی نے باہر سے آکر کہا ہاتھی آیا، ہاتھی آیا۔ چونکہ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتا، اس لئے سب آدمی ہاتھی دیکھنے کے واسطے باہر چلے گئے۔ یحییٰ بیٹھے رہے۔ امام مالکؒ نے پوچھا کہ ہاتھی تو اندلس میں بھی نہیں ہوتا پھر کیوں تم باہر نہ گئے۔ کہا، جناب میں مغرب سے چل کر یہاں تک اس لئے آیا ہوں کہ آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھا کروں اور جناب کی عمدہ خصائل وعادات کو سیکھوں۔ میں یہاں اس لئے نہیں آیا کہ ایسی علم خیز مجلس کو چھوڑ کر گلی کوچوں میں ہاتھی دیکھا کروں۔ امام رحمتہ اللہ علیہ نے اس جواب کو پسند کیا اور انہیں "عاقل اہل الاندلس" کا خطاب دیا۔

تعلیم پانے کے بعد جب اندلس کو لوٹ کر گئے تو وہاں رئیس العلماء تسلیم کیے گئے۔ امام مالک کا مذہب اس ملک میں ان ہی کی وجہ سے پھیلا اور خود ان سے بے حد و شمار خلقت نے استفادہ علمی اٹھایا اور خلق کثیر نے روائت احادیث کی۔ چنانچہ موطا کی

جملہ روایتوں میں سے زیادہ مشہور اور زیادہ پسندیدہ یحییٰ بن یحییٰ ہی کی روائت ہے۔ یہ فاضل اپنی فضیلت و امامت کے ساتھ امرائے وقت کی نگاہوں میں جلیل القدر تھے حالانکہ انہوں نے اپنے زہد اور ترک دنیا اور اشغال علوم کیوجہ سے کوئی منصب سلطنت میں منظور نہیں کیا۔ تاہم ان کا اعزاز و اکرام شاہی دربار اور امراء کبار کے ہاں بڑے بڑے فاضلوں سے بڑھ کر تھا۔

ابن حزم اندلسی کا قول ہے کہ دو مذہبوں کی اشاعت حکومت کی امداد سے ہوئی ہے۔

(۱) مذہب حنفیہ کی اشاعت کیوجہ یہ ہوئی کہ قاضی ابو یوسفؒ ہارون رشید کے عہد میں قاضی القضاۃ ہو گئے تھے۔ وہ حنفیہ مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے اور ماتحت قاضیوں کو بھی اس کے مطابق فتویٰ کیلئے پابند کرتے اور اسی کو قاضی بناتے جو مذہب حنفیہ کے مطابق فتویٰ دینے کا عہد کرتا۔ تمام سلطنت میں تھوڑے عرصہ کے اندر ہی اندر اس مذہب کے فتاوے پھیل گئے۔ (۲) مذہب مالکیہ یحییٰ کی وجہ سے کیونکہ یحییٰ بن یحییٰ کا سلطان پر اثر تھا اور ان کے مشورہ کے بغیر کوئی شخص قاضی نہ بنایا جاتا تھا۔ یہ ہمیشہ مالکیہ مذہب کے علماء کو پسند کیا کرتے۔ جب علماء نے دیکھا کہ عہدے تب ہی مل سکتے ہیں جب یحییٰ سفارش کریں تو سب کے سب مالکی مذہب پر چلنے لگے۔

احمد بن ابو الفیاض لکھتے ہیں کہ میں امیر عبدالرحمٰن اموی سلطان اندلس کی خدمت میں حاضر تھا۔ سلطان نے فقہاء کو طلب کیا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ کہا، میں حالت روزہ میں اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستر ہو گیا ہوں۔ اس وقت غلبہ محبت میں نفس رک نہیں سکا۔ اب نادم ہوں۔ صورت توبہ کیا ہے؟ یحییٰ بن یحییٰ نے کہا دو ماہ کے متواتر روزے رکھنے چاہئیں۔ یحییٰ کے بعد پھر کسی فقیہہ کی جرات نہ پڑی جو آگے کچھ بولتا۔ جب دربار سے باہر نکلے تو لوگوں نے کہا کہ آج آپ نے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ

کے مذہب پر فتویٰ کیوں نہ دیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک تو کفارہ کی تینوں صورتیں برابر ہیں۔ خواہ کوئی روزہ رکھے۔ خواہ غلام آزاد کردے۔ خواہ مسکینوں کو کھانا کھلادے۔ کہا، اگر ہم سلطان کیلئے بھی دروازہ کھول دیں تو اس کے لئے ایک معمولی بات ہو جاویگی کہ اس طرح روزمرہ روزہ توڑ لیا کرے اور غلام آزاد کر دیا کرے۔ یا کھانا کھلا دیا کرے۔ اس لئے میں نے اس کے لئے وہ صورت تجویز کی جو نہائت سخت ہے اور جس میں اس کے نفس شہوانی کی اصلاح متصور ہے۔

کہتے ہیں کہ جب مدینہ سے تعلیم پاکر واپس وطن کو جاتے ہوئے مصر پہنچے تو وہاں عبدالرحمٰن بن قاسم کے پاس ایک تصنیف دیکھی جس کو انہوں نے امام مالکؒ سے ہی حاصل کیا تھا۔ ان کو شوق ہوا کہ یہ حصہ بھی خاص استاد سے ہی حاصل کروں۔ وہاں سے پھر لوٹ کر مدینہ آئے۔ استاد کو مرض الموت میں بیمار پایا۔ بیماری میں خدمت کرتے رہے اور نماز جنازہ کے بعد واپس آئے۔ محمد بن عمر کا قول ہے کہ فقیہہ اندلس تو عیسےٰ بن دینار اور عالم اندلس عبدالملک بن حبیب اور عاقل اندلس یحیٰ بن یحیٰ ہے۔ احمد بن خالد کا قول ہے کہ جب سے اندلس میں اسلام داخل ہوا ہے، اس وقت سے لیکر آج تک جو عزت وعظمت یحیٰ کو حاصل ہوئی ہے وہ اور کسی عالم کو حاصل نہیں ہوئی۔ ابن نشکوال نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ابو محمد یحیٰ بن یحیٰ مستجاب الدعوۃ تھے اور نشست وبرخاست اور عادات واطوار میں انہوں نے امام مالکؒ کا اپنے آپ کو نمونہ بنا رکھا تھا۔

یحیٰ خود بیان کرتے ہیں کہ میں لیث بن سعد کی رکاب تھام کر ان کے ساتھ چلا۔ ان کے غلام نے مجھے ہٹانا چاہا۔ انہوں نے فرمایا کہ مت ہٹاؤ۔ پھر فرمایا یحیٰ! اہل علم اسی طرح تیری خدمت کرینگے۔ چنانچہ وہی دیکھ لیا۔ انہوں نے ۲۲ رجب ۲۲۴ھ کو وفات پائی۔ قرطبہ کے باہر مدفون ہوئے۔ ان کی قبر پر دعا استسقاء کی جاتی تھی۔

قارئین! اس بزرگ امام نے طلب علم میں کہاں سے کہاں تک سفر کیا اور

پھر کسقدر اہل ملک کو تعلیم و تدریس سے فائدہ پہنچایا۔ باوجود اس کے طالب دنیانہ ہوئے۔ بلکہ دنیاداروں کو ملے بھی تو صرف ترقی تعلیم اوراشاعت دین کے لئے۔ جب تک ہماری قوم میں اس نمونہ کے علماء پیدانہیں ہوتے اس وقت تک ترقی محال ہے۔



امام جبائی

نام محمد عبدالوہاب۔ کنیت ابو علی ہے۔ ان کا نسب حضرت عثمان غنیؓ کے غلام حمران سے جاملتا ہے۔ معتزلہ کے بڑے اماموں میں سے ہیں۔ علم کلام کے امام تھے اور یہ علم انہوں نے ابو یوسف یعقوب بن عبداللہ اشحام البصری (جو بصرہ میں رئیس معتزلہ تھا) سے پڑھا تھا۔ مذہب اعتزال میں ان کے مقولے مشہور ہیں۔ شیخ ابو الحسن اشعریؒ جو اہلسنت کے علم کلام میں امام ہیں انہیں کے شاگرد تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن اشعری رحمتہ اللہ علیہ نے جبائی سے پوچھا کہ تین بھائیوں میں سے ایک مومن، متقی اور نیکوکار ہے۔ ایک کافر، فاسق اور شقی ہے۔ اور ایک صغر سنی میں ہی فوت ہوگیا ہے۔ ان تینوں کا آخرت میں کیا حال ہوگا۔ جبائی نے کہا زاہد کیلئے درجات ہیں۔ کافر کیلئے درکات اور صغیر اہل سلامت میں سے ہے۔ اشعریؒ نے کہا، اگر صغیر یہ چاہے کہ میں مومن کے درجات تک پہنچ جاؤں اس کے لئے ممکن ہوگا؟ جبائی نے کہا، نہیں کیونکہ اسے کہدیا جائیگا کہ تیرا بھائی ان مدارج پر طاعات کثیرہ کیوجہ سے پہنچا ہے۔ چونکہ تیرے پاس یہ سرمایہ حاصل نہیں اس لئے تو اس درجہ کو نہیں پا سکتا۔

اشعریؒ نے کہا کہ اگر وہ صغیر بچہ یہی کہے کہ خداوندا اس میں میرا کیا قصور ہے تو نے مجھ کو دنیا میں رہنے نہ دیا اور طاعت بجالا نیکی قدرت ہی نہ بخشی۔ جبائی بولے اللہ تعالیٰ فرمادیگا کہ میں جانتا تھا کہ اگر تو دنیا میں رہتا اور عمر پاتا تو عصیان کرتا اور مستحق

عذاب الیم ہو جاتا۔ اس لئے تیرے حق میں یہی مصلحت تھی۔ اشعری نے کہا، اچھا اگر اس کا کافر بھائی یہ عرض کرے کہ الہ العالمین! تو اس کا حال بھی جانتا تھا اور میرا بھی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تو نے اس کی مصلحت کو مرعی رکھا اور میری بھلائی کو نظر انداز کر دیا۔ جبائی نے کہا تو تو دیوانہ ہے۔ اشعریؒ نے کہا، نہیں۔ یہ کہو کہ شیخ کا گدھا اس گھاٹی پر چڑھ نہیں سکتا۔ جبائی چپ رہ گئے۔

اس مناظرہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو چاہا اپنی رحمت سے مخصوص فرمایا اور جس کو چاہا عذاب کا مورد قرار دیا۔ افعال الٰہی کسی غرض کیساتھ معلل نہیں ہیں۔ فخر الدین رازیؒ تفسیر لکھتے ہیں کہ اس مناظرہ کے بعد اشعریؒ نے مجلس جبائی کو چھوڑ دیا اور ان پر اعتراضات کرنے شروع کیے۔ حتیٰ کہ آپس میں وحشت عظیم ہو گئی۔ ایک دفعہ جبائی ایک جگہ وعظ کر رہے تھے۔ اشعریؒ بھی چھپ کر جا بیٹھے۔ ایک بڑھیا سے کہنے لگے میں تم کو ایک مسئلہ بتاتا ہوں وہ شیخ سے پوچھو۔ بڑھیا نے پوچھا۔ شیخ نے جواب دیا۔ اشعریؒ نے اس پر اعتراض سکھا کر بڑھیا سے کہلا دیا۔ جبائی چپ کر گئے۔ پھر ان کی نظر اشعریؒ پر پڑ گئی۔ سمجھ گئے کہ سوال اس کا تھا۔

خورستان میں جبی ایک شہر کا نام تھا۔ جہاں کی کھجوریں مشہور تھیں۔ جبائی ۲۳۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

امام غزالیؒ

ابو حامد کنیت۔ محمد بن محمد بن الغزالی نام۔ حجۃ الاسلام زین الدین لقب ہے۔ غزالی ضلع طوس میں ایک گاؤں ہے وہاں پیدا ہوئے اور خاص شہر طوس میں احمد رازکانی سے تعلیم پاتے رہے۔ وہاں سے فارغ ہو کر نیشاپور میں امام الحرمین ابو المعالی کی خدمت میں جملہ علوم کی تکمیل کی۔ طالب علمی کے زمانہ میں ہی صاحب تصنیف اور فتویٰ ہو گئے تھے اور بسا اوقات امام الحرمین اس فاضل شخص کے شاگرد ہونے کو اپنے لئے مایہ ناز بتاتے تھے۔

استاد کے انتقال کے بعد وزیر نظام الملک سے جا کر ملے۔ اس نے حد درجہ تعظیم و اکرام کیا۔ دوران قیام وزیر کے سامنے متعدد فاضلوں کے ساتھ مختلف علوم میں مناظرہ اور مباحثہ ہوتا رہا۔ ہر ایک جلسہ میں غلبہ انہی کو حاصل ہوتا تھا۔ انہی مباحثات کی وجہ سے ان کا ذکر تمام اسلامی ممالک میں پھیل گیا۔

جمادی الاول ۴۸۴ھ کو مدرسہ نظامیہ میں پروفیسر مقرر کئے گئے۔ جہاں ذیقعد ۴۸۸ھ تک درس دیتے رہے۔ ان کے طرز تعلیم اور قوت تقریر و کثرت معلومات و توضیح مشکلات کو دیکھ دیکھ کر تمام عراق دنگ تھا۔ مدرسہ کے علماء کے علاوہ چار پانچ سو علماء ان کے درس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ۴۸۸ھ میں مدرسہ سے مستعفی ہو کر زہد و انقطاع الی اللہ اختیار کیا اور حج کو تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس آکر دس سال تک جامع دمشق میں معتکف رہے۔ پھر وہاں سے بیت المقدس کو چلے گئے۔ جہاں نہائت ہی زہد کیساتھ حد درجہ کی عبادت میں مشغول رہے۔ وہاں سے یوسف بن

تاشفین سلطان مراکو کی ملاقات کیلئے مصر وارد ہوئے۔ بلاد مغرب کا سفر بحری راستہ سے کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ کہ سلطان مذکورہ کی وفات کی خبر مصر میں ہی مل گئی وہاں سے اپنے وطن کو لوٹ کر قیام پذیر ہوئے۔ ایک دفعہ پھر نیشاپور میں حسب الطلب گئے اور کچھ عرصہ تک نظامیہ میں پروفیسری کی۔ لیکن پھر مستعفی ہو کر وطن ہی کو چلے آئے۔ نظامیہ میں ان کو چار سو اشرفی ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ وطن آکر اپنے گھر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ کو صوفیہ کے لئے خانقاہ بنایا اور دوسرے حصہ کو مدرسہ۔ اپنے اوقات کی تقسیم اس طرح کر رکھی تھی (۱) تلاوت قرآن مجید (۲) مجالس اہل دل (۳) تدریس و تصنیف۔

ان کی تصنیفات بہت ہیں اور سب کی سب ممتع المثال مفید و فیض بخش ہیں۔ وسیط، بسیط، وجیز، الخلاصہ فی الفقہ، المستصفی، المنخول المنتخل، تہافتہ الفلاسفہ، محک النظر، معیار العلم، المقاصد، المضنون بہ علی اہلہ، المقصد الاسنے فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ، مشکوٰۃ الانوار، المنقذ من الضلال، حقیقۃ القولین، کیمیائے سعادت اور اربعین بہت زیادہ مشہور اور متداول ہیں۔ ان سب سے شہرت و نفاست اور خوبی و جمال میں بڑھ کر احیاء العلوم الدین ہے۔ جس کی تیسری اور چوتھی جلدیں جن کا نام مہلکات و منجیات ہے جواہر کے تول بھی ارزاں سمجھے جانے کے قابل ہیں۔ معقولات اور فلسفہ میں ان کا درجہ بو نصر فارابی اور بو علی سینا کے برابر شمار کیا گیا ہے بلکہ بعض حکماء نے متقدمین یونان سے بھی کم ہونا تسلیم نہیں کیا۔

امام غزالیؒ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی توفیق الٰہی نے دستگیری فرمائی اور جن کو احکام و ظواہر شرع پر اطمینان قلب و انشراح صدر حاصل ہوا۔ ورنہ بہت سے لوگ جنہوں نے فلسفہ میں غلو اختیار کیا یا تو بالکل دین سے آزاد ہو گئے۔ ورنہ دین کو تابع عقل تو ضرور سمجھتے رہے۔ غزالیؒ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اسرار

شریعت کو بیان کیا اور ظواہر کو قائم رکھا اور اسی کو درجہ کمال قرار دیا۔ نیز ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے فلسفہ سے بہت سی دینی خدمات لیں اور بسا اوقات فلسفیوں کو مغلوب کرنے کیلئے فلسفہ کو ہی اپنا قیمتی ہتھیار بنایا۔ مشکوٰۃ الانوار میں چند مثالوں کے بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں : ”میرے اس کلام اور بیان مثال سے یہ نہ سمجھنا کہ میں ظواہر کے اٹھادینے کی رخصت دیتا یا ان کے ابطال کا اعتقاد رکھتا ہوں۔ حاشاللہ۔ ابطال ظواہر تو باطنیہ کا اعتقاد ہے۔ جنھوں نے اپنی یک چشمی سے ایک ہی عالم کو دیکھا اور عالم ظاہر و معنی کے موازنہ کو نہ سمجھا اور ان کی وجوہات پر غور نہ کیا۔ علیٰ ہٰذا ابطال اسرار تو حشویہ کا مذہب ہے۔ پس جو شخص صرف ظاہر کو لیتا ہے وہ حشوی ہے اور جو صرف باطن کو لیتا ہے وہ باطنی۔ ہاں جو شخص دونوں کو جمع رکھتا ہے، کامل وہی ہے۔“

شیخ محی الدین ابن العربی اپنی کتاب العواصم والقواصم میں مذہب فلاسفہ اور ان کی مخالفت از اسلام کا ذکر لکھ کر کہتے ہیں : ”خداوند کریم نے ایک ایسا طائفہ عاصمہ بھی نکالا جو تسخیر ربانی اور تائید الٰہی سے رد فلاسفہ میں مصروف ہو گیا۔ یہ لوگ طرز فلاسفہ یا مصطلحات فلاسفہ میں رد نہیں کیا کرتے تھے بلکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے گروہ مبتدعہ کے دلائل کو توڑتے تھے۔ فلسفی جن کے عقول پر بطلان کے پردے پڑے تھے اس رد کو ہنسی اور قہقہہ میں اڑاتے اور ان کے دلائل پر جرح وقدح کیا کرتے تھے اور اپنے رد لکھنے والوں کو جاہل بے تمیز قرار دیا کرتے تھے جب ان کا غرور و تکبر بڑھ نکلا تب اللہ تعالیٰ نے انہی کی لغت واصطلاحات میں گفتگو کرنے انہی کے دلائل کو ان پر لوٹا دینے اور انہی کے سلاحات سے ان کا سر اڑا دینے کیواسطے ابو حامد غزالی رحمتہ اللہ علیہ کو پیدا کیا۔ جنھوں نے انہی کے قول سے ان کو جھٹلایا اور انہی کی چھری کو انہی کی گردنوں پر چلایا۔ چنانچہ اس بارے میں تہافتہ الفلاسفہ ایک عجیب کتاب ہے۔ قطاسی ان کی دوسری کتاب ہے جس میں قرآن مجید سے اسی ترتیب پر دلائل کا استخراج کیا ہے جو

استخراج دلائل کیلئے فلسفیوں نے قوانین قرار دیئے تھے۔ معیاد العلم انکی ایک اور کتاب ہے جس میں منطق کو امثلہ فقیہہ وکلامیہ کیساتھ ملایا ہے اور فلسفہ کو زندہ کردینے کے ساتھ ہی کوئی مثال یا ممثل نہیں ایسا باقی چھوڑا جس کے متعلق کسی فلسفی کا شبہ باقی رہ گیا ہو۔ الغرض غزالیؒ کا وجود سخت تاریکیوں میں ایک گوہر شب چراغ ہے۔

غزالیؒ کے اس قدر کمال و فضیلت پر بھی بعض اہل علم نے اس کی زندگی میں اور نیز اس کی وفات کے بعد سخت اعتراضات کئے ہیں۔ احیاء کے باب توکل میں ان کا ایک فقرہ ہے لیس فی الامکان ابدع مما کان یعنی دنیا کا موجودہ صورت سے بڑھ چڑھ کر ہونا امکان سے باہر تھا۔ اس فقرہ پر بڑی بڑی بحثیں ہوئیں اور متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ انہی کے شاگرد امام ابوبکر ایوبی کا قول ہے: ''ہمارے شیخ نے یہ بہت بڑی بات لکھدی جسے اہل عراق نہیں مانتے اور بیشک یہ لائق ماننے کے بھی نہیں کیونکہ اس سے تو عجز ثابت ہوتا ہے جو قدرت کاملہ کے منافی ہے۔'' بعض علماء نے ایسے ایسے فقرات غزالیؒ کی نسبت افکار کئے ہیں لیکن اکثر نے اس کی تاویل کی یا الحاقی بیان کیا۔ ابن جوزیؒ، ابن حجر مکیؒ اور ابن سبکیؒ وغیرہ کا یہی مذہب ہے کہ اس قسم کی لغویات سے غزالیؒ کی شان اعلےٰ و برتر ہے ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ غزالی کی کتابوں میں الحادات پائے جاتے ہیں مگر وہ خود اس اعتقاد کے لوگوں کی تکفیر کرتا ہے۔ (اس لئے ان کتابوں میں الحادات کے ذکر کرنے سے غرض انکار کرنا اور لوگوں کو معلوم کرانا ہے) ابن تیمیہ ہی لکھتے ہیں کہ علم حدیث میں غزالی کا سرمایہ بہت تھوڑا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی کتابوں میں موضوع و ضعیف حدیثیں بھی درج ہو گئی ہیں۔ انہی کا قول ہے کہ آخر عمر غزالیؒ نے اپنی پوری توجہ علم حدیث پر ہی منعطف کردی تھی۔ چنانچہ نزع کیوقت بھی ان کی چھاتی پر صحیح بخاری رکھی ہوئی تھی۔ شمس العلماء مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی نے احیاء العلوم غزالیؒ اور حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"شاہ صاحب کا کلام بھی عالی اور سند بھی عالی۔ غزالیؒ کا کلام عالی ہے مگر سند (ہمیشہ) عالی نہیں ہوتی۔" المختصر اس نامور امام کے حال کو میں اس فقرہ پر ختم کرتا ہوں۔ جو ابن سبکی کا قول ہے کہ غزالیؒ سے بغض رکھنے والا یا تو حاسد ہو گا یا زندیق۔ بیشک ان کا درجہ عالی ان کے لقب حجتہ الاسلام سے بخوبی نمایاں ہے اور ان کی تصنیفات اس لقب کی صداقت میں موجود ہیں جن لوگون کو آجکل فلسفہ پڑھنا پڑتا ہے یا جو فلسفی شبہات سے جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔ ان کو امام غزالیؒ کی تصنیفات کا زیر مطالعہ رکھنا بہت ضروری ہے جن کے ہر ایک سادہ اور معرااز دلیل بیان پر بھی یہ خیال رکھنا چاہئیے کہ یہ کسی ملا کا قول نہیں بلکہ اس شخص کا ہے جس نے اول سے آخر تک فلسفہ کی سیر کی۔ اس کو محک پر آزمایا اور کسوٹی پر کسکر اس کا کھوٹ فلسفیوں کے منہ سے منوایا ہے۔

عام لوگوں میں یہ حکائت بہت مشہور ہے کہ امام غزالیؒ کی روح نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے ساتھ شب معراج کو رسول کریم ﷺ کے حضور میں کچھ بحث کی تھی۔ اس کی اصلیت صرف اس قدر ہے کہ یہ واقعہ صرف شیخ شاذلیؒ کا خواب ہے اور اس سے زیادہ سے زیدہ یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ خواب دیکھنے والے کے نزدیک امام غزالیؒ کی وقعت اس قدر تھی۔ خدا ان پر رحمت کرے اور اسلام میں ایسے علماء کرام کو ہمارے زمانہ میں بھی پیدا کرے۔ امام غزالیؒ کا انتقال ۵۰۵ھ کو ۵۵ سال کی عمر میں طوس کے قریب دہ طائران میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔



امام فخر الدین رازیؒ

یہ نہائت ہی مشہورو معروف امام علم کلام ہیں۔ ۲۵ رمضان المبارک ۵۴۴ھ کورے میں پیدا ہوئے۔فقیہہ شافعی المذہب تھے۔ محمد نام، ابو عبداللہ کنیت اور ابن الخطیب کے نام سے مشہور ہیں۔ابتدا میں اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پاتے رہے۔جب ان کا انتقال ہو گیا تو کچھ عرصہ کمال سمعانی سے استفادہ کیا۔ پھر رے میں واپس آکر مجد جبلی سے تعلیم پاتے رہے اور جب مجد جبلی نے مراغہ کی جانب سفر کیا تو یہ بھی استاد کیساتھ ہی رہے۔ حتیٰ کہ کلام وحکمت میں کمال حاصل کیا اور اس عرصہ میں امام الحرمین کی کتاب الشامل کو جو علم کلام میں ہے حفظ کر لیا۔وہاں سے خوارزم میں آئے اور اعتقادات کے متعلق بہت بڑا مناظرہ کیا۔ علیٰ ہذا ماوراءالنہر میں بھی ایسا ہی مباحثہ کرنا پڑا۔ پھر رے میں واپس آگئے۔ یہاں ایک مشہور طبیب تھا جو نہائت دولتمند تھا اس نے اپنی دو بیٹیوں کا نکاح امام رازیؒ کے دو فرزندوں سے کر دیا اور نکاح سے کچھ عرصہ کے بعد وہ مر گیا۔اس کی بے انتہا دولت انہی کے قبضہ میں آگئی اور خداوند کریم نے ایسے شخص کو دنیا کی طرف سے مستغنی کر کے دین کی طرف لگا دیا۔انہوں نے اپنی کتاب طفیل الحق میں خود تحریر کیا ہے کہ میں علم کلام میں چھ واسطہ سے شیخ السنۃ ابو الحسن اشعری کا اور علم حدیث وفقہ میں نو واسطہ سے امام شافعیؒ کا شاگرد ہوں۔

خداوند کریم نے ان کو تحریر بھی عطا فرمائی تھی اور تقریر بھی۔ تقریر کا حال یہ تھا کہ اس سے مستفید ہونے کے لئے سینکڑوں کوس سے بڑے بڑے مسلّم فاضل

سفر کر کے آیا کرتے تھے اور بیسیوں کے عقائد ایک ایک درس میں درست ہوتے تھے۔ ہزار ہا اشخاص نے ان کے ساتھ مباحثہ کرنے کا بیڑا اٹھایا لیکن آخر یہ ہوا کہ انہیں شاگرد ہی بنا پڑا۔ اہل السنّت والجماعت کے اصول وعقائد کو دلائل عقلیہ و براہین صادقہ سے ایسا صحیح و محکم ثابت کر دیا کہ ہزاروں کرامیہ وغیرہ اپنے اپنے اعتقادات کو چھوڑ کر اہل السنّت کے سواد اعظم میں شامل ہو گئے۔ رہی تحریر تو اس کا بے بدل وبے نظیر ہونا آج تک مسلم ہے۔ تحریر میں جو ترتیب دلائل اور طریق استدلال انہوں نے اختیار کیا ہے علماء کو اس کی بابت اقرار ہے کہ وہ خود ان کی اختراع تھا۔ بیشک وہ طریق ایسا زود فہم اور عمدہ ہے کہ آجتک اس سے بہتر اور کوئی طریق نہیں پایا جاتا۔

علم کلام میں ان کی تصنیفات یہ ہیں۔ المطالب العالیہ، نہائت العقول، کتاب الاربعین، المحصل، کتاب البیان والبرہان علی اہل الزیغ والطغیان، کتاب المباحث العمادیہ فی المطالب المعادیہ، کتاب تہذی الدلائل و عیون المسائل، ارشاد النظار الی اطائف الاسرار، کتاب اجوبتہ المسائل التجایہ اور تحصیل الحق وغیرہ۔ اصول فقہ میں یہ کتابیں المحصول والمعالم، حکمت میں الملخص، شرح اشارات ابن سینا اور شرح عیون الحکمت وغیرہ۔ طلسمات میں سر مکنون اور شرح اسماء الحسنٰی۔ نحو میں شرح مفصل زمخشری، فقہ میں شرع وجیز غزالی اور طب میں شرح کلیات قانون۔ علیٰ ہذا بہت سے علوم میں آپ کی تصنیفات ہیں اور ہر ایک کتاب لاجواب وفائدہ رساں ہے۔ خود ان کی زندگی میں ان کی تصنیفات کی قدر وعزت اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ متقدمین کی کتابوں کو چھوڑ کر ان کی کتابوں کو سلسلہ تعلیم میں داخل کر لیا گیا۔ غرض اپنے زمانہ کے فرید و وحید شخص تھے اور علم کلام ومعقولات میں کوئی شخص ان کی نظیر نہ تھا۔

معقولات کا لازمہ بسا اوقات بے دینی اور مذہب کی جانب سے بے اعتقادی و لاپرواہی ہوتی ہے لیکن اس فاضل نے ثابت کر دیا کہ شریعت محمدیہ ؐ کی صداقت کو کوئی

فلسفہ رد نہیں کر سکتا انہوں نے واضح کر دیا کہ محمد عربی نبی الامی ﷺ نے عرب کی ریتلی اور پتھریلی زمین کے رہنے والے وحشی بدوؤں کو جس کتاب و حکمت کا سبق پڑھایا ہے اس پر کسی معقولی علم کی کوئی قدیم یا جدید برہان غالب نہیں آسکتی۔ بلکہ قرآن مجید میں روحانیت اور معقولات کے دو دریائے ذخار ناپیدا کنار پہلو بہ پہلو جاری ہیں اور اس کا ایک ایک لفظ ایک ایک موج گہر ریز اور ابر گہر بار ہے۔ جو کچھ میں نے لکھا ہے ان کی تصدیق ان کی تفسیر سے جو تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے بخوبی ہو سکتی ہے لیکن افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ کے برائے نام علماء اس کا پڑھنا تک پسند نہیں کرتے۔

امام فخر الدین رازیؒ ان چند ائمہ میں سے ایک ہیں جنہوں نے اسرار شریعت اور مصالح کتاب و سنت کے اظہار میں سرگرمی سے حصہ لیا ہے۔ میرے خیال میں متقدمین میں امام غزالیؒ، فخر الدین رازیؒ، قفال مروزیؒ اور متاخرین میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ اپنی ان مساعی جمیلہ کی وجہ سے خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ یہ لوگ تھے جنہوں نے تمدن اور تدین کے باہمی تعلقات پر نظر ڈالی اور ثابت کر دکھایا کہ اسلام کی تعلیم اعلےٰ ترین سلطنت کو اصول حکومت کے بتلانے اور بڑے سے بڑے زاہد کو انقطاع الی اللہ کی راہ دکھلانے میں پوری طاقت رکھتی ہے۔ ہمارے اس زمانہ میں (جبکہ نئی روشنی یا فلسفہ جدید بڑے زور سے ظہور پذیر ہے اور ہمارے ملک کے تعلیم یافتہ لوگ اصول دین اور اسرار شریعت سے ناواقفیت کی وجہ سے اس روشنی میں چندھیا رہے ہیں) ایسے علماء کی اشد ضرورت ہے۔ خداوند کریم اسے پورا کرے۔

امام رازیؒ کبھی کبھی شعر بھی کہا کرتے تھے۔ چنانچہ قطعہ ذیل ان کی تصنیف ہے۔

نهائت اقدام العقول عقال　　　واكثر سعي العالمين ضلال

ترجمہ:۔ آخر کار عقل کو پابند ہونا پڑتا ہے اور بڑی بڑی کوششیں تاریکی کے گڑھے میں چلی جاتی ہیں۔

وارواحنافی فحشة من جسومنا　　　و حاصل دنیانا اذی و وبال

ترجمہ :۔ ہماری روح ہمارے جسم کے اندر وحشت میں ہے اور حاصل دنیا اذیت ہے یا وبال ہے۔

ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا سوى ان جمعنا فيه قيل و قالوا

ترجمہ :۔ عمر بھر کے بحث مباحثہ کے بعد اگر کچھ حاصل ہوا تو صرف یہ کہ قیل و قال جمع کر لیا۔

وكم قد راينا من رجال ودولة فبادوا جميعاً مسرعين وزالوا

ترجمہ :۔ ہم نے بہت سے شخص اور بہت سی حکومتیں دیکھی ہیں جو تیز رفتاری کیسا تھ آگے بڑھتی اور زوال پذیر ہوتی رہیں۔

وكم من جبال قد علت شرفاتها رجال فزا لوا والجبال جبال

ترجمہ :۔ ہم نے بہت سے لوگوں کو پہاڑونکی بدترین چوٹی پر چڑھتے اور زوال پذیر ہوتے دیکھا ہے مگر وہ پہاڑ جوں کے توں باقی ہیں۔

اس فاضل کو عربی اور فارسی میں کامل دستگاہ تھی اور دونوں زبانوں میں وعظ کیا کرتے تھے۔ وعظ میں خود بھی رویا کرتے اور حاضرین کو بھی رلا دیتے۔ ان کا انتقال عیدالفطر کے دن ۶۰۶ھ کو ہراۃ میں ہوا اور دامن کوہ میں مدفون ہوئے۔ حسین واسطی کہتے ہیں کہ ایک دن امام فخرالدین رازی ممبر پر کھڑے یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

المرء ماد ام حيا يستان به ويعظم الذرعرفيه حين يقضى

ترجمہ :۔ جبتک آدمی زندہ رہتا ہے حقیر سمجھا جاتا ہے لیکن مرنے کے بعد اس کی موت کو عظیم مصیبت مانا جاتا ہے۔ شیخ سعدیؒ نے بھی ایسا ہی ایک شعر کہا ہے ؎

کس اندر زندگانی قیمت دوست نداند کس چنیں قیمت بداند

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

امام محمد صاحب قاموس

محمد بن یعقوب نام اور مجد الدین لقب۔ دسویں پشت میں سلسلہ نسب شیخ الاسلام ابو اسحٰق گاذرونی سے جا ملتا ہے۔ شافعی المذہب، شیرازی الفیروزآبادی مسکن، قرشی التیمی البکری نسب ہے۔ بماہ ربیع الاول ۷۲۹ھ کو قصبہ گاذرون میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ آٹھ سال کی عمر میں شیراز آئے اور ادب ولغت اپنے والد اور شیخ عبد اللہ بن محمود وغیرہ علمائے شیراز سے پڑھتے رہے۔ خوشخطی سیکھی اور تمام مصروفیت و توجہ کیساتھ لغت پڑی۔ فقہ تو شیراز میں ہی پڑھ لی تھی اور علم حدیث کی تلاش میں عراق وواسطہ وبغداد و دمشق کے سفر کئے۔ عبد اللہ بن بکباش قاضی بغداد مدرس نظامیہ اور حافظ ابن القیم الجوزیؒ سے سماعت وروائت کی اور ایک مدت تک بغداد میں خود بھی درس دیتے رہے۔ امام صفدی بہاء بن عقیل جمال الاستوی و ابن ہشام وغیرہ مشہور فاضلوں نے ان کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔

بغداد سے قاہرہ گئے اور تقی سبکی فرزند تاج الدین و قاضی عزیز الدین وغیرہ سے استفادہ کیا اور تحصیل علم کے خیال سے اکثر مشرقی اور شامی ممالک کی گشت و سیاحت بھی کی۔ ہندوستان میں بھی آئے۔ قاموس میں دہلی اور قنوج کا بھی ذکر کیا ہے ماہ رمضان ۷۹۶ھ کو زبید گئے۔ ملک اشرف اسمعیل نے ان کا درجہ تعظیم واکرام کیا اور ہزار اشرفی زادراہ اور ہزار اشرفی بطور پیشکش دی۔ مجد الدین یہاں ٹھیر گئے اور علوم پھیلانے لگے۔ ممالک محروسہ یمن کی قضاء ان کے سپرد کی گئی۔ ہر طرف سے طالبان

علوم آتے اور مستفید ہوتے تھے۔ سلطان بھی شاگرد ہو گیا اور انکے علم و کمال کو دیکھ کر اپنی دختر زائد الجمال کا نکاح ان سے کر دیا۔ اس تعلق سے ان کی عزت و وقعت بہت بڑھ گئی۔ ملک اشرف اور اس کے فرزند ملک ناصر کے عہد حکومت میں بیس سال زبید میں پورے کئے اور بارہا مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ اور طائف میں آکر قیام کیا۔ اپنے آپ کو مکی کہلانے سے خوش ہوا کرتے اور الملتجی الی حرم اللہ تعالیٰ لکھا کرتے۔

اللہ تعالےٰ نے ان کو ایسی حرمت و عزت عطا فرمائی تھی کہ جہاں جاتے وہاں کا حاکم بہ تعظیم و تکریم پیش آتا۔ یہ ملک منصور والی تبریز، سلطان بایزید خاں والی روم، ابن ادریس شاہ بغداد، پاشائے مصر اور امیر تیمور گورگان سے ملے اور سب نے قدر شناسی و عزت افزائی کی۔ سلطان اور امیر نے ایک ایک ملاقات کا ایک ایک لاکھ روپیہ دیا۔ کتاب کے جمع کرنے کا اتنا شوق تھا کہ وہ خود لکھتے ہیں کہ میں نے پچاس ہزار مثقال زر کی کتابیں خرید کی ہیں۔ سفر کو جاتے تو کتب خانہ اونٹوں پر ساتھ چلتا۔ جب منزل پہ پہونچتے تو مطالعہ شروع کر دیتے۔ اتحاف البلاد میں ان کی بیالیس مصنفہ کتابوں کے نام درج ہیں جن کے علاوہ اور بھی بہت سی ہیں۔ سفر السعادت انہی کی تصنیف ہے۔ یہ نہائت مختصر اور نہائت صحیح کتاب ہے۔ جس میں عبادت و عادات نبوی ﷺ درج ہیں۔ شیخ عبدالحق دہلویؒ نے اس کتاب کی مبسوط شرح لکھی ہے۔

تقی کرمانی کہتے ہیں مجد الدین اپنے زمانہ میں فارسی و عربی کی نظم و نثر میں عدیم النظیر تھے۔ دس سال تک مکہ معظّمہ میں رہے۔ قاموس کو چند اجلاد میں لکھا اور پھر میرے والد کی فرمائش پر ایک جلد میں اس کا اختصار کیا۔ اس مختصر میں بھی فوائد عظیمہ اور جوہری پر اکثر اعتراضات ہیں۔ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ فی ترجمہ اللغویین والنحاۃ میں ان کے ذکر میں لکھا ہے کہ بلاد روم میں ان سے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی اس عبارت کے معنے دریافت کئے گئے۔ الصق انفک بالجیوب و خذ المسطر

بشنا طرك واجعل جمجمتک الی قیهلی حتی الا انفی نغیته الا اود عتها جمانه ججلاتک۔ انہوں نے فوراً کہا کہ اس کے معنے یہ ہیں الزق عصر تک بالصلة و خذ المزبر باشا جعک واجعل خذ و رتیک الی الثعیانی حتی لا ابنس بنسبة الا اوعیتها جة نیا طک۔ حاضرین جلسہ اس جواب کو جو سوال سے بھی مشکل ہے سن کر حیران رہ گئے۔

خرزجی تاریخ یمن میں لکھتے ہیں کہ صاحب قاموس کا جاہ و منصب ہمیشہ ترقی پذیر رہا۔ والیان ملک اور قاضیان امصار اس کے دست نگر و شفاعت خواہ رہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ سلطان کو خط لکھا اور زبید سے مکہ معظّمہ جانیکی درخواست کی۔ خط کا ترجمہ یہ ہے: ”حضور پر غلام کی کمزوری و لاغری اور پیرانہ سالی بخوبی واضح ہے۔ ہڈیاں بوسیدہ اور سر سفید ہو چکا ہے۔ اور میری مثال ٹھیک اس مسافر سے ہے جو سفر کیلئے جوتا پہن کر کھڑا ہو گیا ہے۔ بناء گر چلی ہے اور جمعیت اعضاء نے پراگندگی اختیار کر لی ہے۔ میں مشت استخواں ہوں یا زمین پر بیٹھ جانیوالی بنیان۔ اب تو وہ حالت ہو گئی ہے جو سرسبز زراعت کی کٹ کر بھوسہ بن جانے سے ہو جاتی ہے۔ حضور نے سیدنا نبی ﷺ کا ارشاد جو صحیح بخاری میں ہے سنا ہو گا کہ جب خدا نے کسی کو ساٹھ سال کی عمر دی تو اس کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رکھا۔ پس جو شخص ستر سے گذر کر اسی تک پہنچا ہو اس کا تو حال کیا ہے۔ میرے نزدیک کسی مومن کیلئے یہ شایاں نہیں کہ اس پر چار سال گذر جائیں اور بیت اللہ کا شوق اور زیارۃ سید المرسلین کا ذوق اسے بیتاب کئے نہ دیتا ہو۔ حالانکہ غلام کو چھ سال ہو چکے ہیں کہ اس مبارک راہ پر گام فرسا نہیں ہوا۔ اب تو شوق نے بیتاب کر دیا ہے اور بڑی سے بڑی آرزو یہ ہے کہ ایک دفعہ پھر ان مشاہد کو دیکھ لوں اور وہاں کے معاہد سے عہد باندھ لوں۔ میں اپنی درخواست کو حضور کے رحم پر چھوڑتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اسی سال مجھے سفر حج کی اجازت دی جائے۔ آجکل موسم اچھا اور ہوا خنک

ہے پھر گرمی زور پکڑ جائیگی اور پیاس مسافروں کو ستائے گی۔ حضور کو معلوم ہوگا کہ ہمیشہ سے شاہان ممالک کا یہ دستور چلا آیا ہے کہ سال بسال عرض سلام کیلئے اپنا قاصد حضرت سید المرسلین ﷺ کی بارگاہ میں بھیجا کرتے ہیں۔ اس لئے یہ نہائت الطاف خسروانہ ہوگا کہ امسال مجھے حضور اپنی جانب سے ہی قاصد بنا کر بھیجدیں گے۔ بخدا اس کے سوا نہ کوئی مطلب ہے نہ مدعاء" پھر یہ قطعہ لکھا۔

شوقی الی الکعبة العزاقد ازدا دا فاستحمل القلص الوفادة الزادا

و استاذن الملک المنعام زید علی و استودع الله اصحابا واولادا

سلطان نے یہ پڑھ کر اپنے قلم سے اسی کاغذ پر لکھ دیا: "اس بارے میں زبان کو بولنے اور قلم کو لکھنے کا یارا نہیں۔ یمن اندھا تھا کہ بینا ہوگیا اور اب کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ سابقہ حالت کو قبول کرے۔ تم بھی جانتے ہو کہ خدا نے تمہارے ہاتھ پر کس کس علم مردہ کو زندہ کیا ہے۔ مجد الدین مجھے خدائے پاک کی قسم ہے کہ دنیا اور نعیم کی جدائی آسان ہے اور تمہاری جدائی دشوار"۔

ناسی لکھتا ہے کہ مجد الدین کے شعر نہائت عمدہ اور نثر اعلےٰ ہے۔ موقعہ بموقعہ شعر و حکایات بیشمار بیان کر سکتا تھا۔ خوش قلم تھا اور بہت جلد لکھا کرتا۔ قوی الحافظہ تھا۔ مجد الدین کا اپنا قول ہے کہ ہر روز دو سو سطریں حفظ کر کے سویا کرتا ہوں اس سے پہلے نہیں سوتا۔

صاحب قاموس نے اپنے لئے ایک محل منیٰ اور ایک مدینہ منورہ میں۔ ایک باغ و محل طائف میں اور ایک محل جبل صفا پر مکہ معظّمہ میں بنا رکھا تھا۔ اہل و عیال مکہ میں رہتے۔ محل کا ایک حصہ بطور مدرسہ استعمال ہوتا تھا جس میں چند مدرسین مقرر تھے اور طلبہ کو مفت تعلیم دیجاتی تھی۔ مجد الدین ان یک فنی و ہر فنی علماء میں سے ایک ہے جو معاصرین میں بھی یگانہ کہلایا اور مستقبل کو اپنی نظیر سے بیگانہ رکھا۔ ۲۰ شوال ۸۱۷ھ

کو زبید (دارالحکومت یمن) میں وفات پائی۔ نوے سال سے زیادہ عمر پائی اور آخر تک ہوش و حواس قائم اور جملہ اعضاء مضبوط و سالم رہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ملا محمد الفناریؒ

عہد بایزید یلدرم سلطان روم کے مشہور و سر برآوردہ علماء میں سے ہیں۔ عالم باعمل اور صاحب فضائل و کمالات تھے۔ ۷۵۱ھ میں پیدا ہوئے۔ وطن میں جمال الدین محمد اقسرائی اور پھر علامہ علاء الدین اسود شارح مغنی وو قایہ سے کسب علوم کیا اور پھر مصر میں شیخ اکمل الدین کی شاگردی اختیار کی۔ پھر روم کو لوٹ گئے۔ یہاں ان کو قاضی بروسا بنایا گیا۔ والی کو ان سے کمال محبت تھی۔ تیس سال تک قاضی رہے۔ ان کی شہرت و فضیلت کل اسلامی ممالک میں مسلمہ تھی۔ فضیلت کیساتھ اللہ تعالےٰ نے ان کو دنیوی جاہ و وجاہت بھی عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ وفات کے بعد ان کے خزانہ میں ڈیڑھ لاکھ اشرفی نقد پائی گئی تھی۔ آخر میں بارادہ حج قاہرہ پہنچے۔ بڑے بڑے فضلاء ذکر و بحث علمی کیلئے آئے اور سب ان کی فضیلت کا اقرار کر کے اٹھے۔ پہلا حج کر کے پھر قاہرہ واپس گئے اور وہاں سے بیت المقدس کی زیارت کر کے دوسرا حج کیا۔ پھر ایک تیسرا حج کیا جو اس شکرانہ میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ آنکھیں بخشیں کیونکہ مرض رمد میں ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔

ان کی تصنیفات میں سے ایک کتاب فصول البدائع فی اصول الشرائع ہے جس میں منارو بزودی، محصول رازی اور مختصر ابن حاجب کو جمع کر دیا ہے۔ ایک الحمد شریف کی تفسیر اور ایک رسالہ انموذج العلوم نام کا ہے۔ اس میں ایک سو فن کے مسائل درج کئے ہیں۔ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ مجھے سند حدیث ان سے حاصل ہے۔ انموذج العلوم کی نسبت ان کا پوتا کہتا تھا کہ میرے والد کی تصنیف ہے۔ اس کے سوا

میں نے ایک قطعہ منظومہ ملا فناریؒ کا خود قلمی دیکھا ہے جس میں اکثر فنون بیان کئے ہیں۔ علم کا نام بطور چیستان لیا گیا ہے بڑے بڑے فاضل اس قطعہ میں چکراتے ہیں۔ اس کی شرح ان کے فرزند محمد شاہ نے کی ہے اور اپنی تصنیف کے اشعار بھی جو ویسے مشکل ہیں شامل شرح کر دیئے ہیں۔ اس طرح اور بہت سے رسالے اور اکثر کتب کے حواشی انہوں نے لکھے تھے مگر درس و قضا کے اشغال نے ان مسودات کو صاف کرنے کی بھی مہلت نہ دی۔ سید شریف کی شرح موافقت پر بھی تعلیقات لکھے اور اکثر جگہ شارح پر اعتراضات کئے تھے۔

قضائے بروسا کے علاوہ مملکت عثمانیہ کے مفتی بھی یہی ملا فناری تھے۔ لوگوں کو ان کے ساتھ تعلق قلبی کا یہ حال تھا کہ جمعہ کے دن جامع مسجد سے لیکر ان کے گھر تک آدمیوں کا ایک تختہ ہوتا تھا جو زیارت کیلئے کھڑے ہوا کرتے تھے۔ جاہ و حشمت کا یہ حال تھا کہ سینکڑوں لونڈی غلام کے مالک تھے اور ہر ایک غلام امیرانہ زندگی بسر کیا کرتا تھا۔ چالیس لونڈیاں تو ایسی تھیں جو سونے کا تاج پہنا کرتیں۔ اس حشمت و جاہ پر ملا صاحب کا اپنا لباس سادہ اور ادنےٰ قیمت کا ہوا کرتا تھا۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی۔ کہا، میں اپنی خوراک و لباس اپنے ہاتھ کی محنت سے مہیا کرتا ہوں۔

ایک مقدمہ میں سلطان بایزید خاں نے ان کے سامنے شہادت دی مگر انہوں نے اس کی شہادت کو اس لئے قبول نہ کیا کہ سلطان پابند جماعت نہیں۔ اگرچہ ملا صاحب نے اس سے معیار شہادت کو تو سخت کر دیا مگر سلطان کو ایسی غیرت آئی کہ پابند جماعت ہو گیا۔ کسی بات پر سلطان اور ملا صاحب میں بدمزگی ہو گئی۔ یہ قرامان چلے گئے۔ وہاں حاکم نے ہزار درہم روزانہ ان کے اور پانچ سو درہم روزانہ ان کے طلباء کے لئے مقرر کر دیئے۔ اسی جگہ ملا یعقوب اصغر نے ان سے تلمذ اختیار کیا جس پر ہمیشہ ملا فناری فخر کرتے رہے۔ سلطان ان کے چلے جانے کے بعد نادم ہوا اور ان کو حاکم قرامان

کی معرفت بلا بھیجا۔ فناری چلے گئے اور سلطان نے ان کو سابقہ عہدہ پر بحال کر دیا۔

ملا فناری شیخ حاجی بہرام کے مرید تھے اور عموماً صالحین سے محبت رکھتے تھے۔ صاحب شقائق النعمانیہ نے ان کے دو اشعار اپنی تاریخ میں درج کئے ہیں جو انہوں نے شیخ عبداللطیف قدسی خلیفہ شیخ زین الدین النعمانی کی مدح میں لکھے تھے اور جو جواب انہوں نے دیا تھا۔ میں نے ان اشعار کو چھوڑ دیا ہے۔

کہتے ہیں کہ بعوض پاشا وزیر سلطان کو ان سے کچھ بغض تھا۔ جب ملا فناری کی بینائی جاتی رہی تو بعوض پاشا نے کہا، امید ہے کہ ایک روز اس اندھے بوڑھے کی نماز بھی میں پڑھوں گا۔ فناری نے سن کر کہا۔ وہ جاہل ہے۔ نماز جنازہ پڑھنا نہیں جانتا مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ مجھے شفا دیگا اور پاشا کو اندھا کر کے اس کی نماز پڑھنے کا بھی مجھے موقع عطا فرمائیگا۔ کچھ عرصہ کے بعد خدا نے ملا کو بصیر کر دیا اور پاشا موصوف میل در چشم کئے جانیکی وجہ سے پہلے اندھا ہوا اور پھر مر گیا۔ فناری نے اس کی نماز پڑھائی۔ مورخ نے ان کے نابینا ہونیکی ایک روائت بھی لکھی ہے کہ انہوں نے سن رکھا تھا کہ عالم باعمل کی چشم کو خاک نہیں کھاتی۔ انہوں نے تحقیق روائت کیلئے اپنے استاد مولانا علاء الدین اسود کی قبر کو جا کھولا۔ دیکھا تو اس طرح جسم پڑا ہوا تھا۔ جب قبر بند کرنے لگے تو ایک آواز آئی هل صدقت اعمى الله بصرك یہ اندھے ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ ملا فناریؒ اور ملا احمدی ناظم تاریخ اسکندر اور حاجی پاشا مصنف کتاب الشفاء ہمدرس تھے اور شیخ اکمل الدین کے پاس پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن ایک ولی اللہ کو ملنے گئے۔ انہوں نے احمدی کی نسبت فرمایا کہ یہ تو شعر و سخن میں عمر ضائع کریگا اور حاجی پاشا طب میں غلطاں و پیچاں رہے گا۔ فناری کو فرمایا کہ یہ دین و دنیا اور علم و تقویٰ کا جامع ہو گا۔ جلال الدین سیوطیؒ ان کے شاگرد ہیں اور ابن حجر ان کو اکثر علوم کا عالم

تسلیم کرتے ہیں۔ ماہ رجب ۸۳۴ھ میں وفات پائی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

امام احمد بن اسمٰعیل کورانیؒ

سلطان مراد خاں والیئے روم کے عہد میں نہائت ممتاز فاضلوں میں سے تھے۔ شیخ عارف، عالم عامل، فاضل کامل اور ولی اللہ ہونا ان کا مسلم تھا۔ اصول فقہ حنفیہ اپنے ہی وطن میں پڑھ کر قاہرہ گئے اور اسی جگہ فقہ کی تکمیل کر کے قرآن مجید کو بہ دہ قرات حفظ و اتقان کیساتھ پڑھا۔ نیز حدیث و تفسیر میں کمال حاصل کر کے علماء عصر سے سندات حاصل کیں۔ تکمیل حدیث کی سند انہوں نے حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ سے لی تھی۔ تکمیل کے بعد قاہرہ میں درس جاری فرمایا اور جو علماء ان کے درس میں آئے انہوں نے ان کی فضیلت کا اقرار کیا۔ انہی ایام میں مولےٰ یکان حجاز کو جاتے ہوئے قاہرہ آئے اور ان کو بلاد روم تک ساتھ لے گئے۔ جب مولیٰ یکان سلطان مراد سے ملے تو سلطان نے پوچھا کہ آپ ہمارے لئے کیا ہدیہ لائے۔ فرمایا ایک عالم جو مفسر و محدث ہے۔ سلطان نے پوچھا کہاں ہے۔ فرمایا، باہر۔ اس وقت احمد بن اسمٰعیل طلب ہوئے۔ سلطان ایک گھنٹہ تک ان کے ساتھ بات چیت کرتا رہا جب ان کا پایہ فضیلت معلوم ہوا تو ان کو شہر بروسا کے مدرسہ مراد غازی کا پرنسپل مقرر کیا اور پھر سلطان بایزید کے مدرسہ میں تبدیل کر دیا۔ سلطان کا فرزند محمد شہر کا حاکم تھا اور مطلق نہ پڑھتا تھا۔ سلطان نے چند استاد پے بہ پے مقرر کئے لیکن شہزادہ نے کسی سے ایک سبق تک نہ پڑھا۔ تحصیل علم تو در کنار قرآن مجید معرا سے بھی معرا رہا۔

سلطان نے چاہا کہ کوئی بارعب فاضل ملے تو اسے شہزادہ کا استاد بنائے۔

سلطان کے سامنے احمد بن اسمٰعیل کا ذکر ہوا۔ سلطان نے ان کو بلایا اور اپنے ہاتھ سے چھڑی دیکر تعلیم شاہزادہ پر مامور فرمایا۔ مولانا چھڑی کو ہاتھ میں لئے ہوئے شہزادہ کے پاس گئے۔ اس سے کہا، مجھے سلطان نے تمہاری تعلیم کیلئے مقرر کیا ہے اور یہ چھڑی دی ہے کہ اگر تم میرے احکام کی تعمیل نہ کرو تو میں تم کو سزا دوں۔ شہزادہ یہ سنکر کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ ملا کورانی نے شہزادہ کو پکڑ کر چھڑی سے خوب ہی اڑایا۔ شہزادہ کے دل میں ان کا رعب جم گیا اور تھوڑے عرصہ میں قرآن ختم کر لیا۔ سلطان مراد نے ان کو انعامات سے مالا مال کر دیا۔

جب سلطان محمد خاں سریر آرائے سلطنت ہوئے تو ان کو وزارت پیش کی گئی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ کہا، حضور کے اتنے خادم ہیں جو درجہ بدرجہ ترقی کی آرزو رکھتے ہیں اور سب کی آنکھ وزارت پر لگی رہتی ہے۔ اگر اس سلسلہ میں سے کوئی بھی نہ ہوا اور ایک ایسا شخص ہوگا جو ان میں سے نہیں تو سب کی دل شکنی ہو جائیگی۔ سلطان نے اس جواب کو پسند کیا اور ان کو قاضی عسکر کر دیا۔ انہوں نے قاضی ہو کر کاروبار قضا اپنے اقارب کے سپرد کر دیئے۔ سلطان کو یہ حرکت پسند نہ آئی مگر از راہ شرم وادب کچھ نہ کہا۔ وزیر سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا آپ ان کے سامنے اوقات بروسا کی خرابی کا ذکر کیجئے، دیکھیں وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ سلطان نے ایسا ہی کیا۔ کورانی بولے کہ اگر مجھے مامور کر دیا جائے تو انتظام ہو سکتا ہے۔ سلطان نے کہا بیشک وہاں مدت سے آپ کی ضرورت ہے۔ اس پر ان کو قاضی بروسا کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے پاس خادم سلطان کا خط لیکر آیا۔ اس میں کئی خلاف شرع باتیں تھیں کورانی نے خط چاک کر ڈالا اور خادم کو خوب مارا سلطان اس حرکت سے سخت ناراض ہوا اور ان کو معزول کر دیا۔ یہ بھی خفا ہو گئے اور مصر چلے گئے۔ وہاں ملک قاتیبائی حکمران تھا۔ اس نے ان کا نہائت ادب کیا اور کمال عزت وعظمت کیساتھ اپنے پاس ٹھیرایا۔

کچھ عرصہ کے بعد سلطان محمد خان اپنی حرکت سے پشیمان ہوا اور اس نے ملک قاتیبائی کے نام فرمان لکھا کہ مولیٰ کورانی کو یہاں بھجدو۔ شاہ نے یہ فرمان کورانی کو سنایا اور یہ بھی التماس کی کہ آپ یہاں ہی تشریف رکھیں۔ میں سلطان سے بڑھ کر حضور کی خدمت کرونگا۔ انہوں کہا یہ سچ ہے مگر اب مجھے ہی جانا چاہئیے کیونکہ مجھے سلطان کے ساتھ اور سلطان کو میرے ساتھ حد درجہ محبت ہے جو باپ بیٹے ہی میں پائی جاتی ہے۔ سلطان جانتا ہے کہ میرا قلبی رحجان اور طبعی میلان بجانب سلطان ہے۔ پس اگر میں نہ گیا تو سلطان خواہ مخواہ یہ سمجھے گا کہ تم نے مجھے روک لیا ہے۔ اس سے تمہارے تعلقات بگڑ جائیں گے۔ یہ چندروزہ بدمزگی جو طرفین میں ہو گئی تھی یہ صرف اتفاقی امر تھا۔ شاہ مصر نے اس تقریر کو پسند کیا اور نہائت تعظیم و تکریم کیساتھ رخصت کر دیا اور سلطان کیلئے بھی قیمتی تحف وہدایا روانہ کئے۔

سلطان محمد خان نے قسطنطنیہ میں ان کی تشریف آوری کے بعد ان کو پھر قاضی بروسا کر دیا اور پھر منصب فتویٰ پر ممتاز بنایا۔ اس وقت ان کی تنخواہ بیس ہزار درہم ماہوار تھی۔ پچاس ہزار سالانہ متفرقات کو ملتے تھے۔ تحف وہدایا مزید برآں رہے۔ آخر عمر تک نہائت عیش وآرام کے ساتھ زیر حمائت سلطانی بسر کرتے رہے۔ انہی ایام میں قرآن مجید کی تفسیر لکھی جس کا نام غایۃ الامانی فی تفسیر سبع المثانی رکھا۔ اس تفسیر میں اکثر جگہ زمحشری وبیضاوی پر اعتراضات وارد کئے ہیں۔ انہی ایام میں صحیح بخاری کی شرح لکھی جس کا نام کوثر الجاری علیٰ ریاض البخاری رکھا۔ اس میں اکثر جگہ کرمانی اور ابن حجر پر اعتراضات درج کئے۔ شرح جعبری پر نہائت لطیف حواشی لکھے۔ حدیث و تفسیر اور علوم قرآن کا درس جاری کیا اور سینکڑوں طلبہ سند فضیلت لیکر ان کے مکتب سے نکلے۔

ان کے تمام اوقات منقسم تھے اور کوئی وقت ایسا نہ تھا جو درس یا فتویٰ یا تصنیف یا عبادت سے خالی ہو۔ ان کے ایک شاگرد کا بیان ہے کہ ایک شب ان کے کمرہ

میں سویا۔ عشاء پڑھ کر انہوں نے اول سے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ بیچ میں میری آنکھ کھلی دیکھا کہ پڑھ رہے ہیں۔ پھر سو گیا۔ پھر آنکھ کھل تو دیکھا کہ سورہ ملک پر پہنچ گئے ہیں۔ غرض پو پھٹنے سے پہلے قرآن مجید ختم کر دیا۔ میں نے خادم سے پوچھا۔ وہ بولا کہ یہ تو حضرت کی عادت مستمرہ ہے۔

ملا کورانی دراز قامت مہیب شخص تھے۔ ڈاڑھی گھنی اور لمبی تھی۔ جسے رنگ کیا کرتے تھے۔ راست گوئی میں نہائت دلیر تھے۔ اور وزیر کو نام لیکر بلایا کرتے تھے۔ جب سلطان سے ملنے آتے تو صرف سلام مسنون اور مصافحہ کیا کرتے۔ نہ جھکتے نہ ہاتھ چومتے اور نہ عید کے دن ملنے جاتے۔ ایک دن سلطان بایزید خاں کو ملنے گئے۔ خادم نے آکر کہا، سلطان سلام کہتے ہیں اور التماس کرتے ہیں کہ کل تشریف لائیے۔ اگلے روز عید تھی۔ کہا، میں نہیں آؤنگا۔ خادم نے پھر آکر کہا کہ چلئے بلاتے ہیں۔ کہا، بارش کیوجہ سے کیچڑ ہو رہا ہے۔ پیدل گیا تو جرابیں خراب ہو نگی۔ خادم نے کہا، سلطان نے حضور کو اجازت دی ہے کہ دیوان خانہ تک سواری پر چلیں۔ جہاں سلطان سواری سے اترتے ہیں وہاں اتریں۔

یہ ہمیشہ سلطان کو نصیحت کیا کرتے اور کہا کرتے کہ اگر تو اپنے فرائض کو ادا نہیں کرتا تو کھانا اور پہننا تیرا سب کچھ حرام ہے۔ ایک روز ان کو سلطان کیساتھ کھانا کھانے کا اتفاق ہوا۔ سلطان نے کہا۔ مولانا آج تو آپ نے بھی حرام ہی کھایا۔ کہا، میرے طرف کا کھانا حلال اور آپ کی طرف کا حرام ہے۔ سلطان نے قاب پھرا دیا۔ اب کورانی ادہر سے کھانے لگے جدہر سے سلطان کھا رہا تھا سلطان نے کہا کہ اب تو آپ نے بھی جانب حرام سے کھالیا۔ کہا نہیں۔ اب حرام ادھر سے ادھر منتقل ہو گیا تھا اسی لئے تم کو برتن پھیر دینے کی سوجھی۔ سلطان خاموش ہو گیا۔ ایک دن لوگوں نے کہا کہ شیخ ابن الوفا ملا خسرو کو ملنے چلے جاتے ہیں اور آپ کی ملاقات کو کبھی نہیں آتے۔ فرمایا خسرو عالم

با عمل ہے اس کی زیارت ضروری ہے میں اگرچہ عالم ہوں مگر میں سلاطین سے ملتا جلتا ہوں اس لئے میرے پاس آنا ضروری نہیں۔

ان کی طبیعت کا عجیب خاصہ یہ تھا کہ حسد ذرا نہ کرتے اگر معاصرین میں سے کسی کو عہدہ منصب میں ان پر فوقیت دیجاتی اور کوئی شخص اس بارے میں ان سے کہتا تو فرمادیتے کہ انسان اپنے عیوب کو خود نہیں دیکھتا۔ اگر اسے مجھ پر فضیلت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے یہ منصب نہ دیتا۔ ایک روز انہوں نے سلطان محمد خاں کے پاس شکائت کے ضمن میں یہ حکائت سنائی کہ امیر تیمور نے کسی نہائت ضروری کام پر ایک قاصد روانہ کیا اور اسے اجازت دی گئی کہ جہاں گھوڑا بدلنا چاہے وہاں خواہ کسی کا گھوڑا طلجائے حتماً لے لے۔ خواہ وہ شہزادہ ہی کیوں نہ ہو۔ قاصد سفر کو روانہ ہوا۔ اسے راہ میں ملا سعد الدین تفتازانی کا کمپ ملا۔ وہ خیمہ کے اندر اترے ہوئے تھے اور ان کی سواری کے متعدد گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ قاصد نے ایک گھوڑا وہاں سے لیا اور چلنے کو تھا کہ تفتازانی کو خبر ہوگئی۔ انہوں نے خدام سے کہدیا کہ اسے پکڑلو۔ نوکروں نے حسب الحکم پکڑ کر خوب زدوکوب کیا۔ قاصد مار پیٹ کھا کر امیر تیمور کے پاس واپس چلا گیا۔ امیر کو سخت غصہ آیا مگر تھوڑی دیر کے بعد کہا: "اگر میرا فرزند شاہ رخ مرزا بھی ایسی حرکت کرتا تو میں اسے قتل کرادیتا لیکن ایسے شخص کو میں کیونکر قتل کر سکتا ہوں کہ جس شہر یا ملک کو میں نے تلوار سے فتح کیا، وہاں اس کی تصنیف پہلے سے داخل ورائج تھی۔" یہ سن کر کرمانی نے کہا کہ میری تصنیفات مکہ معظمہ تک پہنچ چکی ہیں۔ حالانکہ سلطان کی سیف وہاں نہیں پہنچی۔ سلطان نے کہا سچ ہے۔ تفتازانی کی تصانیف کو لوگ خود لکھ لکھ کرلیجایا کرتے تھے اور آپ نے خود اپنی تصنیف کو لکھا اور مکہ معظمہ بھجدیا۔ کورانی ہنس پڑے اور اس جواب کو خوب ہی پسند کیا۔ ۸۹۳ھ کو قسطنطنیہ میں وفات پائی رحمتہ اللہ تعالیٰ۔

وفات کا قصہ بھی عجیب ہے۔ فصل بہار کی ابتدا میں انہوں نے قسطنطنیہ سے

باہر اپنا خیمہ لگوالیا اور تمام فصل ربیع اسی میں رہے۔ پھر ایک باغ خریدا اور خریف کا موسم وہیں پورا کیا۔ اور اراکین دربار اور وزراء ہر ہفتہ ان کی زیارت کو جایا کرتے۔ ایک روز صبح کی نماز پڑھ کر کہا کہ شہر کے فلاں محل میں چلو۔ اشراق کے وقت اس میں چلے گئے اور قبلہ رخ پہلوئے راست پر لیٹ گئے اور تمام قاریان شہر کو جمع کر لیا۔ کہا، تم لوگوں پر میرے کچھ حقوق ہیں اور آج ان کے ادا کرنے کا دن ہے میں چاہتا ہوں کہ نماز عصر تک مجھے قرآن مجید سناتے رہو۔ قاریوں نے قرآن مجید شروع کر دیا۔ شہر میں یہ خبر مشتہر ہو گئی۔ داؤد پاشا وزیر اعظم کو ان سے کمال محبت تھی۔ وہ یہ حالت دیکھ کر رونے لگا۔ فرمایا داؤد کیوں روتا ہے۔ کہا، حضرت بہت ہی کمزور اور ضعیف ہوئے جاتے ہیں۔ اس لئے بے اختیار رونا آتا ہے۔ فرمایا، تجھے اپنی حالت پر رونا چاہیئے مجھے تو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بسلامت رکھا اور انشاء اللہ اب بسلامت ہی اٹھائیگا۔ بایزید (سلطان بایزید خاں) کو میرا سلام کہہ دینا وہ خود میرے جنازے پر آئے اور تدفین سے پہلے میرا قرض ادا کر دے۔ انہی باتوں میں وقت ظہر ہو گیا۔ نماز ظہر اشارہ سے پڑھی اور وقت عصر کا اضطرابی کے ساتھ سوال کرنے لگے۔ موذن نے نماز عصر کی اذان کہنی شروع کی اور انہوں نے پہلی دفعہ اللہ اکبر سنا تو کلمہ طیب پڑھا اور روح کلمہ کیساتھ ہی پرواز کر گئی۔ سلطان نے ان کا تمام قرض قرضخواہوں کو بلا دریافت تمسک و شہادت ادا کر دیا جو ایک لاکھ اسی ہزار ہوا اور پھر خود نماز جنازہ کیلئے حاضر ہوا۔ ان کے جنازہ پر جس کثرت کیساتھ زن و مرد و اطفال تھے اور جس شدت سے عام و خاص پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے وہ ایک خاص واقعہ تھا ہر شخص یہ سمجھ رہا تھا کہ آج پدر حقیقی سر پر سے اٹھ گیا ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ملا مصلح الدین بروسوی المعروف بخواجہ زادہ

خواجہ زادہ کے والد یوسف بن صالح تاجر تھے اور تجارت کیوجہ سے نہائت مالدار ہو گئے۔ خواجہ زادہ کے چند بھائی تھے جو سب تجارت پیشہ تھے۔ خواجہ کا میلان طبع تحصیل علوم کی طرف تھا۔باپ ہر چند ان کو تجارت کی طرف توجہ دلاتا اور ملا بننے سے روکتا تھا مگر ان کو تجارت کی طرف ذرا میلان نہ تھا۔باپ نے خفا ہو کر ان کا ایک درہم روزانہ مقرر کر دیا تھا اور ان کے مقابلہ میں ان کے بھائی نہائت عیش وآرام اور خدم وحشم سے رہا کرتے۔ایک دن انکا والد شیخ شمس الدین سے جو عارف باللہ تھے ملنے گیا۔ اولاد بھی ساتھ تھی۔انہوں نے خواجہ زادہ کی طرف جو میلے اور پھٹے ہوئے کپڑے پہنے تھے، اشارہ کر کے پوچھا یہ کون ہے۔ کہا، یہ بھی فرزند ہے۔پوچھا، یہ اس حالت میں کیوں ہے۔ کہا، اس نے میرے طریق کو چھوڑ دیا ہے اس لئے میں نے نظر سے گرا رکھا ہے۔ شیخ نے تاجر کو سمجھایا مگر ان کی نصیحت بھی کارگر نہ ہوئی۔وہ اٹھ کر چلا گیا تو شیخ نے خواجہ زادہ کو قریب بلایا۔ تسلی دی اور فرمایا کہ اصل راہ یہی ہے جس پر چل رہا ہے۔اطمینان رکھ خدا تجھے اس رتبہ پر پہنچائیگا کہ تیرے بھائی تیری خدمت کرینگے۔

طالب علمی میں ان کی یہ حالت تھی کہ کتاب نہ خرید سکتے تھے۔ردی کاغذوں پر اپنا سبق کسی ہم جماعت کی کتاب سے نقل کر کے لکھ لیتے۔اسی تنگی وترشی کیساتھ انہوں نے معتدبہ علم حاصل کر لیا۔ پھر ابن قاضی ایا تلوغ کی خدمت میں اصول ومعانی وبیان کی تکمیل کی۔ پھر مدرسہ سلطانیہ بروسا میں خضر بک سے استفادہ کیا

اور اکثر علوم کو بہ تکمیل پہنچایا۔ استاد ان سے محبت کرنے لگا اور ان کو عقل سلیم سے مخاطب کرنے لگا۔ ایک روز ملا حضر بک نے ان کی سلطان مراد کے پاس سفارش کی۔ سلطان سفر کو تیار تھا۔ سر دست ان کو قصبہ کسنل کا قاضی مقرر کر دیا اور سفر سے واپس ہو کر مدرسہ اسدیہ کا انتظام ان کے سپرد کیا گیا۔ اس وقت ان کی تنخواہ بیس درہم روزانہ تھی۔ یہاں چھ برس رہے اور تنگدستی سے گذران کرتے تھے۔ اسی جگہ انہوں نے شرح مواقف کو حفظ کر لیا تھا۔ جب سلطان محمد خاں تخت نشین ہوا اور علماء نے دیکھا کہ تحصیل علم کی جانب سلطان کی توجہ ہے تو دور دور سے چل کر سلطان کے پاس پہنچے۔ خواجہ زادہ نے بھی قسطنطنیہ کا ارادہ کیا مگر بوجہ تنگدستی سامان سفر کا انتظام نہ کر سکے۔ ان کے پاس ایک ترکی خادم تھا۔ وہ کہیں سے آٹھ سو درہم قرض لے آیا۔ انہوں نے دو گھوڑے خریدے ایک اپنے لئے ایک خادم کیلئے اور قسطنطنیہ پہنچے۔

محمد پاشا وزیر سے ملے۔ اس نے کہا، تم خوب آئے۔ میں سلطان سے تمہارا ذکر کر چکا ہوں۔ میں چلتا ہوں تم بھی آجاؤ۔ اس وقت سلطان کے سامنے بحث ہو رہی ہے۔ یہ گئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ سلطان نے وزیر سے دریافت کیا، یہ کون ہے۔ کہا خواجہ زادہ۔ سلطان باخلاق پیش آیا۔ خواجہ زادہ نے دیکھا کہ سید علی اور ملا زیرک بحث کر رہے ہیں۔ یہ سید علی کیجانب ہو گئے۔ سید علی تو اٹھ کر چلے گئے۔ پھر بحث انہی کے درمیان رہ گئی۔ حتی کہ ملا زیرک کو انہوں نے خاموش ہونے پر مجبور کر دیا اور سلطان نے بھی ان کو کہہ دیا کہ تمہاری گفتگو کچھ نہیں۔ ازاں بعد سلطان نے ملا زیرک و سید علی کو تو انعامات عطا فرمائے اور ان کی نسبت کچھ حکم نہ دیا۔ یہ نہائت رنج میں بھرے ہوئے واپس آئے۔ خادم لڑ پڑا۔ کہا میاں صاحب اگر آپ کو علم ہوتا تو سلطان آپکی بھی عزت کرتا۔ نوکر نے اس روز کچھ کام نہ کیا۔ پڑ کر سو رہا۔ انہوں نے گھوڑے کی خبر بھی خود لی اور پھر مغموم وحزین ہو کر ایک درخت کے نیچے جا بیٹھے۔

اتنے میں افسر سلطانی خواجہ زادہ کا خیمہ دریافت کرتے ہوئے کمپ میں نظر آئے۔ ان افسروں کا خیال تھا کہ دیگر عماید کی طرح وہ بھی کسی خیمہ میں ہونگے۔ لیکن ایک شخص نے انہیں بتلایا کہ وہ شخص جو زیر سایہ درخت بیٹھا ہے خواجہ زادہ وہی ہے۔ وہ آئے ان کو سلام کیا۔ پوچھا خواجہ زادہ آپ ہی ہیں۔ کہا ہاں۔ وہ بولے کیا سچ! بولے ہاں۔ کہا مدرسہ اسدیہ کے معلم آپ ہی ہیں۔ کہا ہاں پوچھا کیا ملا زیرک کو آپ نے ساکت کیا ہے؟ کہا ہاں۔ پھر تو وہ آگے آئے اور ان کے ہاتھ پر بوسہ دیکر کہا سلطان نے آپکو اپنا استاد مقرر فرمایا ہے۔

خواجہ زادہ فرماتے ہیں پہلے تو میں سمجھا کہ یہ تمسخر کرتے ہیں لیکن اسی وقت میرے لئے خیمہ لگایا گیا۔ سواری کیلئے گھوڑے، خدمت کیلئے خادم۔ لباس کے لئے قیمتی پوشاکیں موجود کی گئیں۔ سائیس گھوڑا تیار کر کے لایا کہ حضور کو سلطان المعظم کی خدمت میں چلنا چاہئے۔

خواجہ زادہ فرماتے ہیں کہ ترک غلام اب تک سو رہا تھا۔ میں نے اس کو جا کر بلایا۔ کہا اٹھ اور دیکھ کہ میری کیا شان ہے۔ خادم نے آنکھیں تو نہ کھولیں مگر جواب میں کہا مجھے سونے دیجئے۔ میں آپ کی شان دیکھ چکا ہوں۔ میں نے اسے اٹھنے پر مجبور کیا۔ وہ دیکھ کر ہکا بکا ہو گیا۔ کہا کیا بات ہے۔ میں نے کہا کہ میں خاص معلم سلطانی ہو گیا۔ خادم نے میرے ہاتھ پر بوسہ دیا اور تقصیر خدمت کی معافی کا خواستگار ہوا۔ خواجہ کے پاس علاوہ دیگر سامان کے دس ہزار درہم نقد بھی خزانہ سلطانی سے آ چکے تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے خادم کا قرض اتارا۔ پھر سلطان کی خدمت میں گئے۔ سلطان نے ان سے زنجانی پڑھی اور انہوں نے اس کی ایک شرح بھی لکھی۔ ان کے تقرب کا یہ حال ہو گیا کہ وزیر بھی اس پر حسد کرنے لگا۔

ایک روز اس نے سلطان سے کہا کہ خواجہ زادہ قاضی عسکر ہونا چاہتے ہیں۔

سلطان نے کہاوہ ہمارے پاس سے کیوں دور جانا پسند کرتے ہیں۔ وزیر اعظم نے کہا معلوم نہیں مگر ان کا منشایہ ضرور ہے۔ ادھر ان سے کہا کہ سلطان نے آپکو قاضی عسکر مقرر فرمایاہے۔ انہوں نے کہامیں پسند نہیں کرتا۔ کہاسلطان حکم دے چکے ہیں۔ ان کو کام سنبھالناپڑا۔

اس وقت ان کاوالد زندہ تھاجب اس نے سناکہ خواجہ زادہ قاضی عسکر ہو گئے ہیں۔ اول تو اسے اعتبار نہ آیااور جب صحت خبر یقینی ہو گئی تو بروسا سے اورنہ اقبال مند فرزند کو دیکھنے کے لئے آیا۔ ان کو خبر ہوئی تو استقبال کیلئے نکلے۔ شہر کے جملہ عمائد اور علماء وافسر بھی ساتھ تھے۔ جب تاجر کی نظر ان پر پڑی تو پوچھاکہ یہ سامنے کیسا انبوہ ہے۔ لوگوں نے بتلایا کہ آپ کا فرزند آپ کے استقبال کو آیاہے۔ کہاوہ اس منصب تک پہنچ گیا۔ بولے ہاں۔ غرض جب وہ قریب پہنچے تو خواجہ زادہ گھوڑے سے اترے اور ادھر ان کے والد بھی۔ دونوں بغلگیر ہوئے۔ باپ نے عذرو تاسف کیا کہ میں نے تمہاری کچھ تربیت نہ کی۔ وہ بولے، نہیں اگر آپ مجھے زرومال عطاء فرماتے رہتے تو میں اس منصب تک نہ پہنچتا۔ انہوں نے اپنے والد کو سلطان کے سامنے پیش کیااور سلطان نے اسے شرف دست بوسی عطاء فرمایا۔ پھر خواجہ زادہ نے ایک بڑی دعوت دی جس میں جملہ اکابر و علماء کو مدعو کیا۔ اس دعوت میں اس قدر اکابر آئے کہ ان کے بھائیوں کو کمرہ میں نشست کیلئے جگہ نہ ملی۔ وہ خدام کی جگہ کھڑے ہو گئے۔ خواجہ زادہ نے یہ دیکھ کر کہاکہ عارف باللہ شیخ شمس الدین کی دعاپوری ہو گئی۔

بعد ازیں سلطان نے ان کو مدرسہ سلطانیہ بروسہ کا اہتمام سپرد کیا۔ ان کو نہ استاد سلطان ہونے کا ناز تھا، نہ قاضی عسکر ہونے کا غرور۔ مگر اس مدرسہ کے مہتم ہونے کا ضرور فخر کیا کرتے تھے۔ (اس سے اس مدرسہ کی وقعت کااندازہ کرنا چاہیئے۔) اس وقت ان کو ۵۰ روپیہ روزانہ ملتے تھے اور عمر صرف ۳۳ سال کی تھی۔ یہ قاضی

اونہ اور پھر قاضی قسطنطنیہ مقرر کئے گئے۔ ملا عذاری کا قول ہے کہ ان کا منصب قضا پر مامور ہوتے رہنا مصیبت پر مصیبت تھی اگر وہ ان جھگڑوں میں نہ پڑتے تو ان کے علم و فضل کے نتائج (تصنیفات) کو دیکھ کر بڑے بڑے علماء دنگ رہ جاتے۔

قسطنطنیہ میں محمد پاشا وزیر ہو چکا تھا جو سید علی کا شاگرد تھا اور اسی لئے خواجہ زادہ سے خوش نہ تھا۔ اس نے سلطان سے کہہ دیا کہ خواجہ زادہ یہاں کی آب و ہوا کو پسند نہیں کرتے۔ آب و ہوا ز نبق کی تعریف کرتے ہیں۔ سلطان نے کہا، بہتر وہاں کی قضاء اور مدرسہ کا اہتمام ان کے سپرد کیا جاوے۔ یہ تعمیل حکم از نبق آ گئے۔ چند روز بعد پھر مستعفی ہو گئے اور عذر کیا کہ اشغال علمیہ میں بہت حرج واقع ہوتا ہے۔ مستعفی ہو کر ایک روز محمد پاشا وزیر اعظم کو ملنے گئے۔ شہر میں جس قدر علماء اور سلطانی مدارس کے مہتمم تھے سب پا پیادہ تھے اور یہ خچر پر سوار۔ وزیر ٹھاٹھ دیکھ کر حیران ہو گیا۔ مسند چھوڑ کر سامنے بیٹھ گیا۔ یہ صدر میں بیٹھے۔ جملہ علماء از راہ ادب کھڑے رہے کیونکہ سب ان کے شاگرد تھے۔ جب یہ واپس چلے گئے تو وزیر نے کہا کہ میں ان کی عزت کیا کم کر سکتا ہوں جو منصب کے ساتھ نہیں بلکہ ان کے علم سے تعلق رکھتی ہے۔

سلطان بایزید خاں نے ان کو مل کر سلطانیہ بروسا کا مہتمم مقرر کر دیا تھا۔ اس وقت ان کو سو روپیہ روزانہ ملتے تھے۔ یہاں ان کے دست راست کو کچھ آسیب ہو گیا۔ اس لئے دست چپ سے لکھا کرتے۔ پھر مفتی بروسا مقرر کئے گئے۔ عادت یہ تھی کہ جب تک کتابیں نہ دیکھ لیتے، فتویٰ نہ لکھتے۔ اگر ایک مسئلہ میں دو دفعہ بھی لکھنا پڑتا تو دونوں دفعہ کتابیں دیکھتے۔ کہا کرتے اگر میں سستی کرنے لگوں تو عادت تحقیق نہ رہے۔ کہا کرتے جب جواب مسئلہ مجھے کتب میں نہیں ملتا تو رائے سے جواب لکھ دیتا ہوں۔ یا اگر مسئلہ کی چند صورتیں ہوتی ہیں تو ان سے ایک کو ترجیح دیدیتا ہوں اور پھر کبھی نہ کبھی لکھا ہوا ملجاتا ہے کہ یہی اصح ہے یا اسی پر فتویٰ ہے۔ کہا کرتے کہ اس فہم سلیم کیوجہ سے

مجھے اپنے معاصرین پر امتیاز ہے۔

ملا جلال الدین دورنی نے ان کی کتاب التہافہ کو دیکھ کر کہا تھا کہ میں بھی اس بارے میں کبھی لکھنا چاہتا تھا لیکن اس کے مقابلہ میں ضرور مجھے ہنسی میں اڑایا جاتا۔ غرائب اتفاق میں سے یہ ہے کہ انہوں نے حکم سلطانی شرح الموقف پر حاشیہ لکھنا شروع کیا۔ مباحث الوجود کے اثناء میں ان کا انتقال ہو گیا تو ملا بہاء الدین ان کے شاگرد اس مسودہ کو صاف کرنے لگے۔ ان کا بھی اختتام مسودہ کے بعد انتقال ہو گیا۔ جس لفظ پر تمام مسودہ ختم ہوتا تھا وہ لایتم المطلوب تھا۔ خواجہ زادہ کہا کرتے تھے کہ مباحث علمیہ میں میرے جیسا ڈرپوک اور کوئی نہیں۔ پوچھا گیا یہ کس طرح۔ کہا جب تک مطالعہ نہ کیا ہو تو میرے جیسا کوئی ڈرپورک نہیں اور جب مطالعہ کر لوں تو میرے جیسا کوئی نڈر نہیں۔ ۸۹۳ھ میں وفات پائی۔ روسیہ میں دفن ہوئے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ ایک تکمیل علم کے بعد قاضی کستل ہو گئے تھے۔ پھر ملازمت چھوڑ کر راغب تصوف ہو گئے۔ دوسرا عنفوان شباب میں ہی اپنی بہت قابلیتوں کو لئے ہوئے خاک میں جا چھپا۔

ان کے حال سے قارئین کو یہ نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ تجارت منافی علم ہے نہ کہ علم منافی تجارت۔ گزشتہ زمانہ کی بحث چھوڑ کر حال ہی کو دیکھئے کہ بغیر علم کے تجارت ہو ہی نہیں سکتی۔ آجکل تجارت میں جسقدر عزت واقتدار ہے وہ محض علم ہی کی بدولت ہے کیونکہ بڑی سے بڑی سلطنت کی عزت واقتدار کا اندازہ اس کی رعایا کی تجارت کی وسعت پر کیا جاتا ہے اور جس قدر زیادہ کسی ملک کی تجارت ہے اس قدر وہ تہذیب وشائستگی اور تمدن وتمول میں بالاتر ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مشائخ واصفیا

حضرت ابو سلیمان داؤد بن نصیر الطائیؒ

پہلے علم پڑھا۔ درس فقہ کیا پھر عزلت وانفراد اور خلوت وعبادت پر لزوم کر لیا۔ ابتداء میں امام ابو حنیفہؒ کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ حتی کہ علم کلام میں کامل ہو گئے۔ ایک دن کسی شخص کی طرف کنکری اٹھا کر ماری۔ کہا ابو سلمان! پہلے تو تم زبان درازی کیا کرتے تھے اب دست درازی بھی کرنے لگے۔ اس سے ایک سال بعد امام ہمام کی خدمت میں آتے جاتے رہے مگر نہ کسی سے کچھ پوچھتے اور نہ کسی کو جواب دیتے۔ جب سمجھ لیا کہ تکمیل علم ہو چکی اس وقت اپنی کتابیں دریائے فرات میں غرق کر دیں اور خود عبادت کیلئے مستعد ہو گئے۔ ان کے پاس تین سو درہم تھے ان ہی پر ۲۰ سال تک گذران کرتے رہے۔ کہتے ہیں ماں کے ورثہ میں ایک گھر ملا تھا اس کا جب ایک کمرہ گر جاتا دوسرے میں جا رہتے مگر تعمیر اسے کبھی بھی نہ کرایا۔

محمد بن قحطبہ کوفہ میں آیا۔ کہا، مجھے ایک اتالیق کی ضرورت ہے جو میرے بیٹے کو ادب سکھلائے، قرآن پڑھائے اور سنت نبوی بتلائے اور فقہ و نحو وادب سے واقف بنائے۔ لوگوں نے کہا یہ سب اوصاف داؤدؒ طائی میں جمع ہیں۔ اس نے دس ہزار درہم داؤدؒ کے پاس بھیجے کہ یہ قبول فرماویں اور ان سے اپنی حالت درست بناویں۔ انہوں نے سب واپس کر دیئے۔ اس کے بعد دو تھیلیاں دو غلاموں کو دیکر ان سے کہدیا کہ اگر داؤدؒ نے انہیں رکھ لیا تو تم آزاد ہو۔ داؤد نے پھر بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ غلاموں نے عرض کی کہ ہم آپ کی مہربانی سے آزاد ہو جاوینگے قبول فرما لیجئے۔ کہا انکار کر دینے

سے خود دوزخ سے آزاد ہو جاؤ نگا۔ اور جا کر کہدو کہ مجھے انکانہ لیناہی میرے حق میں بہتر تھا۔

کہتے ہیں کہ انہوں نے چالیس برس تک برابر روزہ رکھااور گھر والوں کو بھی خبر نہ ہوئی۔ کارخانہ کو جاتے ہوئے دوپہر کا کھانا ساتھ لیجاتے اور راہ میں کسی کو دیجاتے۔ شام کو گھر روٹی کھالیتے۔ گھر والوں کو خبر نہ ہوتی کہ یہ روزہ سے تھے۔ ایک دن کسی نے کہاآپ داڑھی میں کنگھی نہیں کرتے فرمایا فرصت نہیں۔ ابوربیع اعرج کہتے ہیں میں ایک دن ان کو ملنے گیا۔ مجھے سخت پیاس لگی۔ مٹکے میں دیکھا گرم پانی تھا میں نے کہا کاش !آپ پانی کیلیئے اور مٹکا جدار کھ چھوڑتے۔ فرمایا جب یہ عادت ہو جائے کہ پانی ٹھنڈا ہی پینا ہے اور کھانا عمدہ ہی کھانا ہے اور لباس نرم ہی پہننا ہے تب آخرت کیلیئے تم نے کیا باقی چھوڑا؟ میں نے کہا، مجھے وصیت فرمایئے۔ فرمایا دنیا سے روزہ رکھ لے جسے موت ہی کھولے اور عام لوگوں سے اس طرح بھاگ جس طرح درندہ سے بھاگا جاتا ہے۔ اور اہل تقویٰ کی مصاحبت اختیار کر تو اس کو دیکھ لیگا کہ وہ کتنے کم خرچ ہوتے ہیں اور بھائی کی کیسی اچھی مدد کیا کرتے ہیں۔ نیز جماعت کو کبھی ترک نہ کر بس عمل کیلیئے یہی کافی ہے۔

ایک دفعہ ہارون رشید کوفہ میں آیا سب قاریوں کی ایک فہرست تیار کرائی اور ہر ایک کو دو ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ داؤدؒ طائی کا نام بھی فہرست میں تھا۔ جب نام پکارے گئے تو داؤد موجود نہ تھے۔ کہا گیا کہ ان کو خبر نہیں ہوئی۔ ہاروں رشید نے کہا کہ گھر پر پہنچادو۔

حماد بن ابی حنیفہؒ اور ابن سماکؒ بولے ہم لیجاتے ہیں راستہ میں آکر ابن سماکؒ نے کہا مناسب یہ ہے کہ ہم اس روپیہ کو جا کر ان کے پاس ڈھیر لگادیں کیونکہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، روپیہ دیکھ کر اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں جب دونوں ان کے پاس

پہنچے تو روپیہ سامنے رکھ دیا گیا۔ داؤد طائی بولے کہ یہ کھیل تو بچوں کیساتھ کیا کرتے ہیں۔ پھر لینے سے انکار کر دیا۔

ان کے پاس ایک لونڈی تھی جو خدمت کیا کرتی۔ ایک دن بولی اگر آپ فرمائیں تو تھوڑا سا گوشت پکادوں۔ فرمایا ہاں۔ میرا دل بھی چاہتا ہے۔ اس نے گوشت خوب سنوار کر پکایا۔ جب سامنے لا کر رکھا تو پوچھا فلاں یتیموں کا کیا حال ہے۔ کہا بدستور۔ بولے لیجاؤ! یہ گوشت بھی انہیں کھلاؤ۔ لونڈی نے کہا اتنا عرصہ ہو گیا آپ نے سالن نہیں کھایا، آپ کھالیں۔ فرمایا، یتیموں کا کھایا عرش پر پہنچے گا اور میرا کھایا ہوا خاک ہو جائیگا۔ ایک دفعہ لونڈی نے روٹی آگے لا رکھی۔ نہ کھائی۔ کہا کیا بھوک نہیں۔ فرمایا روٹی کھانے اور پانی پینے میں پچاس آیتوں کا وقت صرف ہوتا ہے۔

محارب بن وثار کہتے ہیں کہ اگر داؤد طائی امم گذشتہ میں ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کا قصہ ہم کو ضرور سنواتا۔ ان کا انتقال ۱۶۵ھ یا ۱۶۶ھ میں ہوا۔ ان کے حالات سے یہ اخذ کرنا چاہیئے کہ پچھلے زمانہ میں جو صوفیا کرام گذرے ہیں وہ اپنے لئے ذریعہ معاش خود حاصل کرتے تھے اور باوجود ایسی تنگ گذران کے بھی یتیموں رانڈوں کی اعانت کرنا فرض سمجھتے تھے۔ نہ یہ کہ صوفی بن کر اپنا بوجھ قوم کے سر پر ڈالدیتے اور نکھٹو بن جاتے تھے۔ وہ کسب کو فرض سمجھتے اور عبادت کو نفل۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت بشر حافیؒ

ان کی کنیت ابو بصر اور نام بشر بن حرث ہے۔ چھٹی پشت میں عبداللہ عبور سے جا ملتے ہیں۔ عبداللہ عبور امیر المومنین حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا۔ بشر حافیؒ کبار صالحین میں سے ہیں۔ ترسام ضلع مرو میں پیدا ہوئے اور بغداد میں آکر رہے۔ خاندانی امیر تھے اور چند پشت سے ان کے آباء واجداد دیوان وزیر چلے آتے تھے۔ خود بھی ابتدائی حالت میں امیرانہ طرز زندگی بسر کرتے اور عیش وطرب میں رہتے تھے۔

ان کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن ان کو راہ میں کاغذ کا پرزہ ملا جس پر آنے جانیوالونکے قدم پڑ رہے تھے۔ انہوں نے اٹھا کر دیکھا تو اللہ تبارک کا اسم پاک لکھا ہوا تھا۔ انہوں نے کاغذ کو صاف کیا بازار سے عطر خرید کر اسے معطر بنایا۔ پھر دیوار کی روزن میں احتیاط سے رکھ دیا۔ رات کو خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے بشر! تو نے ہمارے نام کو معطر کیا ہے۔ ہم دنیا وآخرت میں تیرے نام کو معطر کرینگے جب آنکھ کھلی تو گذشتہ اعمال کی ندامت ونفرت دل میں جوش زن تھی۔ فوراً تائب ہو گئے۔

حافی (برہنہ پا) لقب کیوجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ جوتی کی نعل گر گئی۔ یہ لوہار کے پاس گئے۔ وہ گھبرایا ہوا بیٹھا تھا۔ بولا دیکھو یہ لوگ ہمیں کسقدر تکلیف دیتے ہیں۔ بشر نے سنتے ہی جوتا پھینک دیا اور عہد کیا کہ اب کبھی نہ پہنوں گا۔ کیونکہ مخلوق الٰہی میں سے ایک کو اس سے تکلیف پہنچی ہے۔ کہتے ہیں یہ ایک روز معافی بن عمران کو ملنے گئے۔ دستک دی۔ پوچھا کون۔ کہا بشر حافیؒ اندر سے ایک بھولی لڑکی بولی کاش! تم پانچ چھ آنہ

میں جو تا خرید لیتے تو حافی تو نہ کہلاتے۔ کسی نے بشرؒ سے پوچھا کہ روٹی کے ساتھ کیا سالن کھایا کرتے ہو۔ فرمایا صحت و عافیت کو یاد کرتا ہوں۔ اور اسی کو سالن سمجھ لیتا ہوں۔

بشرؒ بسا اوقات یہ دعا کیا کرتے تھے اللھم ان شھر تنی لتفضحنی فی الا خرۃ فاسلبہ عنی الٰہی اگر دنیوی شہرت میرے لئے فضیحت آخرت کا سبب ہو تو میری شہرت کو معدوم فرمادے۔ ان کا مقولہ ہے: ’’دنیا میں عالم کیلئے عقوبت یہ ہے کہ اس کی بصیرت کور ہو جائے‘‘ فرمایا کرتے تھے: ’’جو دنیا طلب کرتا ہے اسے ذلت و خواری کیلئے آمادہ ہو جانا چاہیئے‘‘ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ بشرؒ نے اصحاب حدیث کو کہا کہ اس علم کی زکوٰۃ بھی ادا کرتے رہو۔ پوچھا زکوٰۃ کیا۔ فرمایا دو سو حدیثوں میں سے پانچ پر عمل کر لینا (جیسے دو سو درم سے پانچ درم خیرات کرنا ہے)۔ ان سے بڑے بڑے صالحین سری سقطیؒ وغیرہ نے روائت کی ہے۔ امام غزالیؒ نے اپنی اکثر کتابوں خصوصاً احیاء علوم الدین میں ان کے بہت سے اقوال درج کئے اور ان سے سند پکڑی ہے۔

۱۵۰ھ کو پیدا ہوئے اور چار شنبہ ۱۰ محرم ۲۲۷ھ کو بغداد میں انتقال فرمایا۔

ان کی تین ہمشیرہ تھیں۔ مضغہ، مخہ۔ زبدہ۔ تینوں عابدہ۔ زاہدہ اور متورعہ تھیں۔ مضغہ جو سب سے بڑی تھی، بشرؒ کی زندگی میں فوت ہو گئی تھی۔ ان کو بہن کی وفات سے نہائت صدمہ پہنچا۔ اور نہائت سخت آہ و بکا کرتے رہے۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا۔ فرمایا میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ جب بندہ اپنے پروردگار کی خدمت میں قصور کرتا ہے تو اس کے انیس و جلیس کو اس سے جدا کر لیا جاتا ہے۔ دنیا میں میری انیس میری یہی بہن تھی۔

امام احمد بن حنبلؒ کے فرزند ارجمند عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک بڑھیا والد

بزرگوار کے پاس آئی۔ کہا، جناب میں رات کو کبھی چراغ کی روشنی میں اور کبھی چاند کی چاندنی میں کاتا کرتی ہوں۔ کیا فروخت کے وقت مجھ کو بتلادینا چاہیئے کہ چاندنی میں کاتا ہوا کونسا ہے اور چراغ کی روشنی میں کاتا کونسا۔ فرمایا اگر تو دونوں میں کچھ تفاوت خیال کرتی ہے تو بتلادیا کر۔ بڑھیا نے پھر یہ دریافت کیا کہ کیا بیمار کا کراہنا بھی شکائت میں داخل ہے۔ فرمایا، نہیں۔ بلکہ اللہ سے اشتکاء ہے۔ وہ چلی گئی تو والد بزرگوار نے فرمایا کہ ایسے سوال کرتے ہوئے میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ عبداللہ تم اس کے پیچھے پیچھے جاؤ اور خبر لاؤ کہ یہ کون ہے میں اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ وہ بشرؒ کے گھر میں داخل ہو گئی۔ میں نے سمجھا ان کی بہن ہے۔ واپس آکر والد بزرگوار سے ذکر کیا۔ فرمایا بخدا محال ہے کہ بشرؒ کی بہن کے سوا یہ اور کوئی ہو۔

عبداللہ سے روائت ہے کہ مخہ، بشر حافی کی دوسری بہن والد بزرگوار کے پاس آئی۔ کہا، ابو عبداللہ میرا سرمایہ کل دو درہم ہیں۔ ان کی روئی خرید لیتی ہوں اور سوت کات کر نصف درہم نفع پر بیچ دیتی ہوں اور ہفتہ میں ایک درہم پر گذاران کرتی ہوں۔ میں رات کو کات رہی تھی کچھ لوگ مشعل لئے ہوئے میرے پاس سے گذرے میں نے اس کی روشنی میں دواٹی سوت کات لیا۔ لیکن یہ خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ ضرور اس بارے میں مجھ پر مواخذہ فرمائیگا (کہ کیوں بلا اجازت دوسرے کی روشنی سے فائدہ اٹھایا) اب برائے خدا مجھے صورت نجات بتلائیے۔ خدا تعالیٰ تم کو بھی نجات نصیب کرے۔

امامؒ نے فرمایا کہ کل سرمایہ کو خیرات کر دے اور بالکل بے سرمایہ ہو جا تا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر تجھے عطا فرمائے۔ وہ چلی گئی تو میں نے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ کاش آپ فرمادیتے کہ وہ اسی قدر سوت نکالدیتی۔ فرمایا لڑکے! جس درجے کا یہ سوال ہے اس کی کوئی تاویل نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن تم یہ بتلاؤ کہ یہ کون تھی۔ میں نے کہا

مخہ، بشر حافیؒ کی بہن۔ فرمایا تب یہ ایسے سوال کرتی ہے۔ بشر حافیؒ کہا کرتے تھے میں نے ورع اپنی بہن سے سیکھا ہے جس کی کوشش ہمیشہ یہی ہوتی تھی کہ جو کھانا کھائے اس میں کسی مخلوق کا احسان نہ ہو۔

ان بزرگان دین کے حالات پر غور کرنے سے واضح ہوگا کہ ان کی بزرگی عظمت سلوک و معرفت کے بزرگ تریں تین اسباب تھے۔(۱) شعائر اللہ کی عظمت کرنا (۲) اپنی کمائی سے روٹی کھانا (۳) خلق خدا کو ضرر اور نقصان نہ پہنچانا۔ جب تک ان اوصاف کے حاصل کرنے کی ہمارے زمانہ کے مقدس صوفی اور بزرگوار علماء کوشش نہ فرماوینگے اور جب تک وہ ہمیشہ ایسی روٹی کی طلب میں رہیں گے جس میں ان کی محنت و خدمت کا حصہ شامل نہ ہو اس وقت تک وہ مسلم بزرگاں دین کی راہ پر چلنے والے ثابت نہ ہونگے۔ کاش افراد و اعیان قوم کو ورع کے صحیح معنے معلوم ہو جائیں اور اپنا لہو پسینہ ایک کر کے شکم پری کرنا سیکھیں۔



حضرت ابو عبداللہ حرث بن اسد محاسبیؒ

مردان حقیقت میں سے ایک نامی بزرگ ہیں۔ خدا نے ان کو علوم ظاہری اور علوم باطنی کا جامع بنایا تھا۔ ورع کا یہ حال تھا کہ باپ ستر ہزار روپیہ چھوڑ کر مرا تو انہوں نے اس روپیہ کو لینے سے اس بنیاد پر انکار کر دیا کہ وہ قدریہ تھا۔ یعنی قدریہ کو مجوس امت جانتے تھے اور کہتے تھے کہ صحیح روایت میں نبی ﷺ سے ثابت ہو چکا ہے کہ تخالف مذہب کی حالت میں ورثہ نہیں مل سکتا۔ جس وقت انہوں نے اتنی بڑی رقم کثیر سے انکار کیا ہے اس وقت یہ کوڑی کوڑی کو محتاج تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب ان کے سامنے شبہ آمیز طعام رکھا جاتا اور یہ اسے کھانا چاہتے تو انگلیوں کو پسینہ آجاتا کرتا تھا۔

ایک دفعہ ان سے عقل کے معنے دریافت کئے گئے۔ فرمایا، عقل ایک نور خالص ہے جو تجارت سے زیادہ ہوتا اور علم وحلم سے قوت پاتا ہے۔ کہا کرتے تھے کہ تین باتیں گویا ہم لوگوں میں سے جاتی رہی ہیں۔ اول کشادہ روئی جس کیساتھ احتیاط بھی شامل ہو۔ (۲) خوش گفتاری جس کیساتھ صفت امانت بھی لگی ہوئی ہو (۳) برادرانہ برتاؤ جس کے ساتھ وفاداری بھی ہو۔

یہی پہلے شخص تھے جنہوں نے صوفی اور محدث ہو کر علم کلام میں مستقل تصنیف کی بناء ڈالی۔ امام احمد بن حنبلؒ تو ان کی اس حرکت سے اس قدر ناراض ہوئے کہ میل ملاپ ہی چھوڑ دیا۔ امامؒ کا گمان تھا کہ جب فرقہ مبتدع کا رد کیا جاتا ہے تو مصنف کو پہلے ان کے دلائل واعتراضات و شبہات کا بیان کر دینا اور پھر جواب لکھنا ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ جس عمدہ عبارت میں یہ مصنف مخالف کے شبہات و

اعتراضات کو لکھ سکا ہے ایسی عبارت میں مخالف نہ لکھ سکتا نہ بیان کر سکتا۔ اور ممکن ہے کہ کسی شخص کے دل میں وہ شبہ یا اعتراض پڑھتے ہی جانشین ہو جائے مگر اس کا جواب پسند نہ آئے تو ان صورتوں میں روکنا گویا خود اس کو رواج دینا ہے۔

کہا کرتے تھے امام رحمتہ اللہ علیہ کی یہ باریک بینی بھی بجائے خود صحیح ہے لیکن جواب نہ لکھنا اور رد نہ کرنا اس وقت تک ہی مفید ہوتا ہے جب معترض حامی ہو اور فتنہ کے پھیلانے کا ڈر نہ ہو لیکن جب عام لوگ گمراہ ہو چلیں اور علماء خاموش ہو رہیں تو اس وقت ؏ اگر بینم کہ نابینا و چاہ است + وگر خاموش بنشینم گناہ است کا مصداق ثابت ہو گا۔ اس بزرگوار نے جس طرح علم کلام میں تصنیفات لکھیں، اسی طرح علم سلوک کے متعلق بھی کچھ مفید کتابیں تحریر فرمائیں اور اس علم میں ایک روح تازہ ڈالدی۔

شرح بیان یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد ایک ایسا گروہ قائم ہو گیا تھا جنہوں نے تعمق و تشدد میں پڑ کر احتیاط اور کسر نفس کے وہ معنی قرار دے لئے تھے جو شرع کے مقصود سے بالاتر تھے۔ یہ لوگ حکیم کی دوا کا استعمال تو کرتے تھے مگر وزن دوا اور موسم کی رعائت وغیرہ کو فضول سمجھتے تھے۔ انہوں نے خیال کیا کہ انسان کیلئے نفس اور عادت اور رسم بڑے موانع ہیں۔ اس لئے ان کا قلع قمع کر دینا چاہئیے۔ یہ قرار دیکر طعام لذیذ، لباس نرم اور جماع وغیرہ کو یکلخت چھوڑ دیا اور صرف اس قدر طعام پر کفائت کر لی جس سے سانس باقی رہے۔ حب جاہ و مال کے فراموش کیلئے سنسان جنگلوں اور غیر آباد پہاڑوں کی سیاحت و سکونت اختیار کر لی۔ جسکا نتیجہ ہمیشہ خوفناک اموات ہوتا تھا۔ غرض ایسی طبیعت بنالی کہ نہ ان کا دنیا کیساتھ لگاؤ رہا اور نہ دنیا کو ان سے کچھ رسم و راہ باقی رہی۔ قوت ادراکہ کو ریاضت کر کے ایسا بنا لیا کہ حدیث نفس کا دل میں گذر ہی نہ ہو سکے اور معانی اذکار کے سوا کوئی وہم تک نہ آسکے عبادت و معاملات میں فقہاء کے اختلاف و شبہات کو نظر انداز کر کے اپنے اوقات کو ایسا معمور

کر لیا تھا جس سے بڑھ کر تصور میں نہیں آسکتا۔ غرض یہ ایک عامیانہ تصوف تھا جس میں ریاضت کا کوئی اندازہ مقرر نہ تھا اور اول و آخر راہ کی کچھ تمیز نہ تھی۔

حرث محاسبیؒ نے سب سے پہلے اس طریقہ پر نگاہ ڈالی اور اس کی درستی کے متعلق چند قاعدے مرتب کئے۔ تاہم ایک مخلوط جیسی کیفیت رہی۔ ان کے بعد جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اس طریقہ کو اور بھی درست بنایا اور سلوک کی بناء لطائف خمسہ یعنی نفس، قلب، عقل، روح اور سر پر ڈالی گئی۔ جسم انسان کے اندر ہر ایک لطیفہ کیلئے مقام اور اس کی خاصیت اور طریقہ تہذیب مقرر کیا۔ چنانچہ نفس و قلب و عقل کی تہذیب کا نام اصطلاحاً طریقت رکھا اور روح و سر کی تہذیب کا نام معرفت قرار دیا۔ قوت القلوب کے مصنفؒ جن کو صوفیہ میں وہی درجہ حاصل ہے جو فقہاء میں امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کو، انہوں نے بھی حضرت جنیدؒ کے طریقہ کو ہی پسند کیا اور انہیں وجوہ سے حضرت جنیدؒ کا لقب سید الطائفہ ہو گیا۔

خواجہ عبدالخالق عجزوانیؒ نے آٹھ اصطلاحیں اور قائم کر کے طریقت کی بنیاد کو ان پر قائم کیا جو یہ ہیں (۱) ہوش در دم (۲) نظر بر قدم (۳) سفر در وطن (۴) خلوت در انجمن (۵) یاد کرد (۶) باز گشت (۷) نگہداشت (۸) یادداشت۔ خواجہ نقشبندی احرار رحمتہ اللہ علیہ نے تین اصطلاحیں اور زیادہ فرمائیں: وقوف زمانی، وقوف قلبی، وقوف عددی۔ اب ان کی مختصر طور پر تعریف سنو۔

ہوش در دم کے معنی ہر دم کی ہوشیاری ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر سانس پر یہ تجسّس رکھنا کہ غافل ہوں یا ذاکر۔

نظر بر قدم سے یہ مراد ہے کہ چلتے پھرتے ادھر ادھر نہ دیکھے بلکہ نظر کو پریشانی سے بچانے کیلئے قدم پر ہی جمائے رکھے۔

سفر در وطن سے مراد یہ ہے کہ بشری صفات خسیسہ سے ملکوتی صفات فاضلہ کی

طرف نقل مکانی کرتا رہے۔
خلوت در انجمن سے یہ مراد ہے کہ جمیع حالات بشری میں رہ کر بھی اللہ تعالیٰ سے مشغول رہے۔ یاد کرد سے مطلب یہ ہے کہ جس ذکر کی تعلیم مرشد نے دی ہو اس کا تکرار کرتا رہے۔ بازگشت سے مطلب یہ ہے کہ ذکر کے اندر مناجات کرے اور مناجات کے بعد ذکر اسی طرح مکرر کرتا رہے۔
نگاہ داشت خطرات نفس اور احادیث خاطر کے دور کر دینے سے مراد ہے۔
یاد داشت اس توجہ سے مراد ہے جو واجب الوجود کی حقیقت پر الفاظ اور تخیلات سے خالی ہو کر کی جاوے۔
وقوف زمانی ہوش دردم کے قریب قریب ہے۔ فرق یہ ہے کہ ہوش دردم مبتدی کیلئے مناسب تر ہے اور وقوف زمانی متوسط کیلئے۔
وقوف عددی کا تعلق یاد کرد سے ہو سکتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ شمار ذکر طاق پر رکھے نہ جفت پر۔
وقوف قلبی سے مراد توجہ کو اس دل کیطرف جو سینہ میں جانب چپ ہے' منعطف رکھنا ہے۔

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ نے لطائف کو چھ قرار دیکر ہر ایک کے مقام اور رنگ کا تعین فرمایا اور انتساب وارتباط کی نسبت کو قوی کر دیا۔ لطائف کی بحث وغیرہ کا بیان طویل ہے اور اس جگہ ہمارے مقصود سے بھی بعید ہے۔ اس قدر ذکر سے صرف یہ دکھلانا تھا کہ طریقہ سلوک جس پر صوفیہ چل رہے ہیں اور کتابیں لکھی جاتی ہیں اس کی بنیاد حرث محاسبیؒ نے ڈالی تھی۔ زہد وسلوک میں ان کی متعدد کتابیں ہیں اور شیخ جنید رحمتہ اللہ علیہ کیساتھ اکثر جو ان کی گفتگو ہوتی رہی وہ بعض کتب میں مفصل درج ہے۔ انہوں نے ۲۴۳ھ میں انتقال فرمایا۔ آخر میں ایسی عزلت گزینی

اختیار کر رکھی تھی کہ جنازہ کی نماز پر بھی صرف چار شخص ہی پہنچے۔ محاسبی لقب کی وجہ یہ ہے کہ اپنے نفس کا خود حساب کر لیا کرتے اور اپنے اعمال پر روزانہ نظر ڈال لیتے تھے۔



امام الاولیا سید عبد القادر جیلانیؒ

عبد القادر نام اور ابو صالح کنیت ہے۔ آپکا سلسلہ نسب منجانب والد بزرگوار امام حسنؓ تک اور منجانب والدہ مکرمہ حسینؓ تک منتہی ہوتا ہے نسب عالی اس طرح ہے۔ شیخ عبد القادر بن سید موسیٰ بن سید عبد اللہ بن یحییٰ الزاہد بن سید محمد بن سید داؤد بن سید موسیٰ بن سید عبد اللہ بن سید موسیٰ الجون بن سید عبد اللہ المحض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن سبط الرسول علیہ السلام۔

امام حسنؓ: ولادت نصف رمضان ۳ھ انتقال ربیع الاول ۵۹ھ۔

امام حسن مثنیٰ شوہر فاطمہ دختر امام حسینؓ) وفات ۹۷ھ۔

عبد اللہ محض: پہلے بزرگ ہیں جو جانبین (پدر و مادر) سے فاطمی ہیں اور شیخ بنو ہاشم کے لقب سے ملقب۔

موسیٰ الجون سانولے رنگ کیوجہ سے جون کہلائے۔ تاریخ میں نہائت نام آور ہیں الغرض حضرت کا سلسلہ نسب سلسلۃ الذہب ہے۔ بعض حساد نے حضرت کے حسنی ہونے کا انکار اس لئے کیا کہ حضور شیخ کے لقب سے مشہور تھے۔ ان کو معلوم نہیں کہ زبان عرب میں شیخ کسی ذات یا قبیلہ کیلئے مستعمل نہیں۔ بلکہ اسم شیخ تو فضائل ذاتی اور کمال اصلی اور حکومت ظاہری یا باطنی کے اظہار کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ آپ کی ولادت گیلان میں ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ھ ہوئی۔ آخر سنہ زیادہ صحیح ہے۔ ۹۱ سال کی عمر پائی اور ۵۶۲ھ کو ارتحال فرمایا۔ کسی شاعر کا قول ہے۔

سنین کامل و عاشق تولد و فاتش داں کہ معشوق الہی

گیلان سے آپ تحصیل علم کیلئے بغداد میں آئے۔ اس سفر کیلئے والدہ مکرمہ نے چند اشرفیاں ان کی صدری میں سی دیں۔ آخری وصیت ان کی یہ تھی کہ بیٹا کبھی جھوٹ نہ بولنا۔ جس قافلہ کیساتھ آپ سفر کر رہے تھے اس پر رہزن پڑے۔ ایک ڈاکو نے ان سے پوچھا کہ لڑکے تیرے پاس بھی کچھ ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اتنی اشرفیاں ہیں۔ وہ بولا کہاں۔ فرمایا یہ میری اندر کی صدری میں ہیں۔ اس نے تلاشی لی اور اشرفیاں نکل آئیں۔ ڈاکو حیران رہ گیا۔ پوچھا، تو نے کیوں بتلایا۔ فرمایا میری والدہ نے کہا تھا کہ جھوٹ نہ بولنا۔ وہ آپ کو اپنے سردار کے پاس لے گیا۔ سردار پر اس واقعہ کا اتنا اثر ہوا کہ اس نے قافلہ کا کل مال مغصوبہ واپس کر دیا اور خود تائب ہو گیا۔ یہ واقعہ آپ کی کرامات میں شمار ہوا۔

آپ نے نظامیہ میں تکمیل علوم کی اور ۱۳ علوم میں آپ کو دستگاہ کامل حاصل تھی۔ پھر خود اپنا درس جاری فرمایا۔ صبح و شام تفسیر اور حدیث اور مذہب و اخلاقیات اور اصول و نحو کا درس دیا کرتے تھے۔ ابتداً شافعی المذہب تھے۔ بعد ازاں امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے اصول پر جملہ مسائل کا استنباط قرآن مجید اور حدیث پاک سے فرمایا کرتے اور بس۔ درس کے بعد ریاضات و مجاہدات کا شوق غالب ہوا اور برسوں تک بابل کے کھنڈرات میں گمنامی کے ساتھ مصروف عبادت و ریاضات رہے۔ اس درجہ کی تکمیل کے بعد پھر بغداد میں تشریف لائے۔ درس علوم کیساتھ دروس توحید کو بھی شامل فرمایا۔ دنیائے اسلام میں آپ کی شہرت و عظمت کا آوازہ پھیل گیا اور تھوڑے عرصہ میں آپ مرجع الخلائق ہو گئے۔

علماء عراق مسائل مشکلہ میں آپ سے ہدائت حاصل کیا کرتے تھے۔ ایک فتویٰ پیش کیا گیا کہ ایک شخص نے طلاق بائن کی قسم کھالی کہ اگر وہ زمین پر تنہا ایسی

عبادت نہ کرے جسے اور نہ کر رہے ہوں تو اس کی بیوی کو طلاق ہو گی۔ کسی عالم کی سمجھ میں اس کا جواب نہ آیا۔ پیران پیر نے فرمایا۔ وہ مکہ معظّمہ جائے اور مطاف کو خالی کرا کر طواف کرے قسم پوری ہو جائیگی۔ سب نے اس جواب کو پسند کیا اور سبحان من انعم علیه زبان سے ادا کیا۔ (پاک ہے وہ ذات جس نے اس بندہ پر یہ انعام فرمایا)

فرمایا کرتے کہ بعض اوقات مجھ پر ایسے ایسے باطنی بار گراں آکر پڑے ہیں کہ اگر پہاڑ پر آگرتے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ میں اس وقت اپنا پہلو خاک پر رکھ دیتا ہوں۔ اور یہ آیت مبارکہ پڑھا کرتا ہوں۔ ان مع العسر یسرا ان مع السر یسرا۔ اللہ تعالیٰ اس بوجھ کو دور فرما دیتا ہے فرمایا۔ ایام ریاضات کا ذکر ہے کہ ایک روز میں سر و پا برہنہ سر بصحرا انگشت کر رہا تھا۔ کانٹے پاؤں چوم رہے تھے۔ آفتاب کی تمازت سر کی چھتری بنی ہوئی تھی۔ میں اپنی حالت میں محو تھا چلتے چلتے بیہوش ہو کر گر پڑا۔ کچھ لوگ وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے مجھے مردہ سمجھا آبادی میں لائے۔ دفن کفن کی تیاری کر لی گئی۔ جب مجھے غسل کیلئے تختہ پر ڈالا گیا تو پانی پڑتے ہی مجھے ہوش آگیا اور اٹھ بیٹھا اور سمجھا کہ لطف ربانی سے حیات تازہ عطا ہوئی ہے۔

آپ کے عہد میں ایک صالح نے دعویٰ کیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو بچشم سر دیکھا ہے اسے حضور کے سامنے لایا گیا۔ حضور نے اسے جھڑکا اور توبہ کیلئے ارشاد فرمایا۔ وہ تائب ہو گیا لوگوں نے پوچھا کیا یہ کاذب ہے۔ فرمایا نہیں اس کی بصیرت پر تجلی ربانی ہوئی اور بصیرت کا انعکاس بصر پر ہوا اور اس نے سمجھا کہ یہ واقعہ رویت بصری ہے۔ حالانکہ بصیرت اور شے ہے۔ اور بصر اور شے۔ بعد ازاں یہ آیت پڑھی مرج البحرین یلتقیان بینہما برزخ لا یبغیان اہل علم محظوظ ہوئے اور اہل دل نے حظ عظیم حاصل کیا۔

فرمایا، ایک بار میرے سامنے نور عظیم جلوہ ریز ہوا۔ وہ سارے آفاق پر چھایا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ یہ نور مجھ سے قریب تر ہوتا گیا۔ اور پھر آواز دی: "اے عبدالقادر میں تیرا رب ہوں۔ اور میں جملہ محرمات تجھ پر حلال کرتا ہوں"۔ میں نے کہا: "دور ہو، دور ہو لعین" یہ کہتے ہی وہ نور تاریکی سے بدل گیا اور بڑی بو نکلی۔ پھر آواز آئی کہ عبدالقادرؒ تو اپنے علم کیوجہ سے میرے داؤ پیچ سے بچ نکلا۔ ورنہ میں ستر نامور شخصوں کو گمراہ کر چکا ہوں۔ میں نے کہا۔ میں کون۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ لوگوں نے پوچھا حضور کیونکر سمجھے کہ وہ شیطان ہے۔ فرمایا۔ اس کے یہ کہنے سے کہ محرمات کو تجھ پر حلال کرتا ہوں۔

فرمایا کرتے کہ فقیر صابر غنی شاکر سے بہتر ہے اور فقیر شاکر دونوں سے بہتر۔ فقیر صابر و شاکر سب سے افضل ہے۔

لوگوں نے پوچھا حسن خلق کسے کہتے ہیں۔ فرمایا مطالعہ حق اور استصغار نفس کے بعد تجھے خلق خدا کے جور و جفا کا احساس نہ ہو' اسے حسن خلق کہتے ہیں۔

پوچھا گیا بقا کسے کہتے ہیں۔ فرمایا بقا کا تعلق لقا سے ہے اور لقا کی حالت کلمح البصر او اقرب ہوتی ہے۔

فرمایا کرتے، ذاکر محب ہے اور ذکر الٰہی پر دل لگانے والا محبوب۔ دنیا تیرے لئے حجاب ہے اور تیرا نفس اللہ کیلئے حجاب ہے۔

شیخ علی بن ہیتی کا قول ہے کہ شیخ عبدالقادر کا طریق تجرید توحید اور تفرید توحید کا ہے وہ عبودیت میں قائم الاحوال ہیں۔ اور یہ وقوف نہ کسی شے کیلئے ہے اور نہ کسی کی معاونت سے ہے۔ شیخ بقا بن بطور کا قول ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا طریقہ اتحاد و قول و فعل کا طریقہ ہے اس طریقہ میں اخلاص و تسلیم کا معانقہ ضروری ہے۔ یہ طریق ہے کہ ہر ایک خطرہ اور واردات قلبی اور مشاہدات میں موافقت کتاب و

سنت لازمی ہے۔

اکثر اولیاء کا قول ہے کہ حضرت توحید و صفا اور حکمت و حال کا طریقہ ہے شریعت کی پابندی ظاہراً و باطناً ضروری ہے قلب فارغ، نفس غائب اور رب حاضر کیساتھ معاملات کی ترقی ہوتی ہے۔

ابوالفتح ہرویؒ کہتے ہیں مجھے ایک شب حضرت کیلئے حجرہ خاص میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ اول شب ہلکے ذکر میں مشغول ہو گئے اور ثلث شب تک ذکر کرتے رہے پھر نوافل کیلئے کھڑے ہو گئے اور تلاوت شروع کر دی۔ ثلث دوم اس طرح پوری کر دی۔ اس نماز میں سجدات بہت ہی لمبے لمبے ہوتے تھے۔ بعد ازاں قبلہ رخ بیٹھ گئے اور دعا مانگنے لگے۔ دعا تذلل و بیقراری کا نمونہ تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ حضرت پر نور اتر رہا ہے جس سے میری نگاہ چکا چوند رہ جاتی۔

خاصان بارگاہ کو بایں الفاظ نصیحت فرمایا کرتے :

اتبعوا ولا تبتدعوا و اطیعو ولا تخرقرا و تطہروا من الذنوب ولا تلطخوا

اتباع کرنا سیکھو۔ بدعت کے کام مت نکالو۔ اطاعت کیا کرو۔ الگ راہ اختیار نہ کرو۔ گناہوں سے طہارت حاصل کرو۔

وعن باب مولا کم لا تتبر جوا و اصبروا ولا تجتزعوا واثبتوا

ان میں آلودہ نہ ہوا کرو۔ اپنے مالک کے آستانہ پر ڈٹے رہو۔ صبر رکھو۔ بے صبری سے بچو ثابت قدم رہو۔

ولا تتفرقو ولا تستیا سوا واجتمعوا علی الذکر ولا تتفرقوا

تفرقہ سے بچو۔ رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہو۔ ذکر الٰہی کیلئے اکٹھے ہو جایا کرو اور فرقہ نہ بنو۔

آپ کی تعلیم تھی : اپنی نفسانیت سے علیحدہ ہو جاؤ۔ اور دعویٰ ملکیت سے دست

بر دارر ہو۔ اور سب اشیاء کو مالک کے سپرد کرو۔ اور اپنے دل کے دروازہ پر دربان بن کر بیٹھ جاؤ۔ جسے اندر جانے کی اجازت ہے اسے اندر جانے دو۔ اور جسکے لئے اجازت نہیں اسے روکو۔ اور یاد رکھو کہ ہوا و خواہش کو قلب کے اندر نہ جانے دو۔ یہ تجھے ہلاک کردیگا۔

فرمایا کرتے: اپنے احوال کی شکائت کسی دوسرے سے مت کرو۔ نہ دوست سے نہ قرابتی سے ایسا کرنا تو اللہ تعالیٰ کی شکائت کرنا ہے۔ ہاں کسی مخلوق پر اعتماد اور بھروسہ نہ رکھو اور کسی سے کچھ سوال بھی مت کر۔ اور کسی کو دل کی حالت بھی مت بتا۔ یاد رکھو کہ رب کے سوا کوئی فاعل نہیں۔ اسی کے قبضہ میں شے کی مقدار ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ تجھے ضرر کیلئے گرفت کرے۔ تو اس کے سوا اور کوئی اس حال کا دور کرنے والا بھی نہیں۔ فرمایا کرتے۔ شاہان کے دربار میں لوگ جب جا سکتے ہیں کہ صاف و پاکیزہ ہوں پھر شاہنشاہ حقیقی کے دربار میں عصیان کی نجاستوں اور شرک کی آلودگیوں کے ساتھ کیونکر داخلہ مل سکتا ہے۔

فرمایا کرتے: اگر تیرے دل میں کسی شخص کی محبت یا بغض ہو تو اس کے اعمال کو کتاب و سنت کے سامنے لاؤ۔ اگر اس کسوٹی پر اس کے پسندیدہ ہوں تو اس سے محبت کیا کرو۔ اور اگر مکروہ ثابت ہوں تو خود بھی اس سے کراہت رکھو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تب تمہاری محبت یا بغض کی بنیاد ہوائے نفسانی ہو گی اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ ہوائے نفس (خواہش) کی پیروی نہ کرو وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ کردے گی۔

فرمایا کرتے: ابتلاء کا بطور عقوبت و عذاب ہونا اس طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ صبر جاتا رہے اور خلقت کے سامنے وہ شخص آہ و زاری کیا کرے۔ اور ابتلاء کا بطور کفارہ گناہ ہونا اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ صبر جمیل کے ساتھ اس کی برداشت ہو۔ نہ شکوہ

ہو نہ شکائت نہ گریہ ہو نہ زاری۔

طریق معاشرت :آپ کا طریق ماندوبود ظاہراً امیرانہ ہوا کرتا تھا۔ نہائت مکلّف لباس زیب تن فرماتے جو پارچات خلیفہ وقت کیلئے تیار ہو کر آتے انہی کا استعمال خود بھی فرمایا کرتے۔

آپ کی عظمت :آپ کے عہد سے لیکر آجتک جس قدر اہل کمال اور اہل علم و فضل گزرے ہیں وہ سب کے سب آپ کی جلالت شان اور رفعت ودستگاہ کے معترف رہے ہیں۔ اہل حدیث' اہل فقہ' اہل کلام اور اہل تصوف سب نے آپ کا امام ہونا تسلیم کیا ہے۔ حتیٰ کہ پیران پیر کا لقب عالی آپ ہی کیلئے علم و معرفہ بن گیا ہے۔

شیخ سعدی شیرازی (المولود ۵۷۵ھ) نے بھی نظامیہ بغداد ہی میں تعلیم پائی تھی جہاں حضرت پیران پیرؒ بھی متعلم و معلم رہے تھے۔ سعدیؒ کی ولات آپ کی وفات سے ۱۳-۱۴ سال بعد کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس قریب ترین زمانہ میں بھی لوگوں میں حضرتؒ کے اقوال وافعال مشہور و معروف تھے گلستان میں ہے۔ "عبدالقادر جیلانی راوید ندکہ سر بہ سنگ زیر ہائے کعبہ نہادہ میگفت کہ اے خدائے اگر من لائق بخشائش نیستم مرادر روز قیامت نابینابر دار تار روئے نیکاں شرمسار نہ باشم"۔

جو لوگ زیارت کعبہ (زادھا اللہ شرفا و تعظیما) سے مشرف ہو چکے ہیں۔ انہوں نے دیکھا ہو گا کہ صحن کعبہ میں پتھر کی کنکریاں بچھی ہوئی ہیں۔ مسجد نبویؐ میں کنکریوں کے بچھانے کا دستور گل ولائی سے بچنے کے لئے نکلا تھا اور نبی علیہؐ نے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے اس فعل کا استحسان فرمایا تھا۔ عمر فاروقؓ کے عہد میں حرمین کی ہر دو مساجد عالیہ کے صحن میں بھی کنکریاں بچھائی گئیں۔ یہ جلد ٹھنڈی ہو جاتی ہیں اور دھوپ کا اثر ان سے جلد زائل ہو جاتا ہے۔ لوگ ان کنکریوں پر جانماز' مصلیٰ وغیرہ کا فرش کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ حضرت پیران پیر کے اظہار افتقار و عبودیت پر نگاہ

کرو کہ ان کنکریوں پر کوئی کپڑا نہیں بچھایا۔ غور کرو ان الفاظ پر۔ ان سے کس قدر تذلل اور احتقار نفس اور کبریائی مسجود کا اظہار ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے سعدی رحمتہ اللہ کے نزدیک حضرت کی صدہا کرامات میں سے سب سے بڑی کرامت تھی۔ جسے انہوں نے اپنی بے نظیر تصنیف گلستاں کیلئے انتخاب فرمایا کہ حضرت کے مقام عبودیت کو کھلی روشنی میں دکھلادیا جائے۔ درحقیقت ہر ایک بزرگ کی بزرگی اور ہر ایک رفیع الذکر کی رفعت دستگاہ مقام ہی پر منحصر ہے: اللھم ارزقنا منه نصیبا وافرا۔

حضرت کی تصانیف میں سے زیادہ مشہور غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب ہیں جس شخص نے فتوح الغیب کو غور اور تدبر سے نہیں پڑھا، وہ حضرت سے بالکل ناآشنا ہے۔ اس کتاب میں علم و حکمت اور اسرار و معرفت کے لطائف عالیہ درج ہیں اس کتاب سے انسان اسلام کا فرق تصرف یونانیہ وایرانیہ وہندیہ سے معلوم کر سکتا ہے۔

فتوح الغیب سے واضح ہے کہ حضرت نے اہل مجاہدہ و محاسبہ کو مندرجہ ذیل دس نصیحتیں فرمائیں تھیں۔ اور فرمایا کہ ان خصال کی پابندی سے منازل عالیہ تک رسائی ہو جاتی ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے پاک نام کی قسم نہ کھاؤ۔ احتیاط رکھو کہ سہواً بھی تمہاری زبان سے حلف باللہ کا لفظ نہ نکلے۔ اس خصلت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انوار کا ایک دروازہ اس کے قلب پر کھول دیا جاتا ہے رفعت پایہ حاصل ہوتی ہے اور عزم وارادہ میں قوت واستحکام آجاتا ہے۔

۲۔ جھوٹ سے بچو۔ ہنسی مذاق میں بھی جھوٹ کا استعمال نہ کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شرح صدر فرمائیگا اور علم صافی عطا کریگا۔

۳۔ ایفائے وعدہ کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سخاوحیا کے مراتب تم پر آشکارا ہو جائینگے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کیلئے لعنت کا لفظ استعمال نہ کرو۔ ابرار و صادقین کے اخلاق کا یہی

نمونہ ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی حفظ آبرو فرماتا ہے اور گزند خلق سے اسے مامون کر دیتا ہے۔

۵۔ کسی کے لئے بد دعا نہ کرو۔ جور و ستم کے بر داشت صبر کیساتھ کیا کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ محبت عامہ اور قبولیت عامہ کا منصب اسے مخلوق میں مل جاتا ہے۔

۶۔ اہل قبلہ میں سے کسی کے مشرک یا کافر منافق ہونیکی قطعی شہادت نہ دو۔ اس میں اتباع سنت نبوی ہے۔ اور اسی بات سے علم الٰہی میں مداخلت کرنے سے انسان بچ سکتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ رحمت عامہ کے فیضان سے اسے بھی حصہ کثیر مل جاتا ہے۔

۷۔ معاصی سے ظاہری، ہوں یا باطنی۔ بالکل قطع نظر کرے اور جوارح کو بھی بچائے۔ نتیجہ یہ ہے کہ قلب و جوارح کو اس کا اثر تام جلد جلد ہو جائے گا۔

۸۔ اپنی معیشت و روزی کا بوجھ کسی مخلوق پر نہ ڈالے۔ اس عادت مبارکہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بخدمت بخوش اسلوبی ادا ہو سکتی ہے۔ اور اسی میں کمال عزت ہے۔ اسی سے یقین اور اعتماد علی اللہ کی صفات کی تکمیل ہوتی ہے۔

۹۔ ابن آدم سے ذرا بھی طمع نہ رکھے۔ عزت بزرگ غنا خالص یقین صافی اور توکل شافی اسی خصلت میں ہے۔ زہد و ورع کا حصول اسی بات پر منحصر ہے۔

۱۰۔ تواضع اور مدارات کو اپنی عادت بنائے۔ اسی خصلت میں جملہ طاعات شامل ہو جاتی ہیں۔ اس میں علو منزلت ہے۔ یہی کمال تقویٰ ہے اور منازل صالحین تک رسائی اسی خصلت سے ممکن ہے۔

مرض الموت کا حال:۔ مرض الموت میں فرزند اکبر سیف الدین عبدالوہاب کو فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ تمہیں وصیت کر جاؤں کہ میرے بعد تمہارا عمل کیا ہونا چاہیئے: اللہ تعالیٰ کا تقویٰ لازم پکڑو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے بیم و رجا نہ رکھو۔ جملہ حاجات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو۔ اور اسی سے جملہ حاجات کا سوال بھی کرو۔ غیر اللہ پر

اعتبار نہ کرو۔ پھر فرمایا: التوحید۔ التوحید۔ اس مسئلہ پر تو سب کا اجماع کلی ہے۔
حضرت کے فرزند عبدالعزیز نے پوچھا۔ کہ حضور کیا تکلیف ہے۔
فرمایا، یہ سوال ہی نہ کرو۔ علم الٰہی کے اندر جو کچھ میرے لئے اسی کا ظہور مجھ پر ہو رہا ہے انہوں نے پھر پوچھا حضور کو مرض کیا ہے۔
فرمایا، میرے مرض کو کوئی فرشتہ یا جن و انسان نہیں جان سکتا۔ میرا مرض میرے مالک کو معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم اللہ کے حکم کا ناقض نہیں۔ حکم میں تغیر ہوتا ہے مگر علم میں نہیں۔

حضرت کے فرزند عبدالجبار نے پوچھا۔ کچھ حضور کا دکھتا ہے فرمایا ہاں سارا جسم۔ ایک قلب نہیں کہ وہ صحیح و سالم ہے۔
حالت نزع طاری ہوئی۔ کہا، میں لا الہ الا اللہ کی مدد چاہتا ہوں۔ وہی مالک زندہ و توانا ہے جسے موت نہیں چھو سکتی۔ وہی ہے جس کی قدرت غالب ہے اور وہی ہے جو بندوں کو موت سے محکوم کرتا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔
بعد ازاں ایک بلند چیخ ماری اور تین بار اللہ۔ اللہ۔ اللہ کہا۔ پھر زبان تالو سے لگ گئی اور جسم مبارک سے روح انور پرواز کر گئی: اللھم اختم لنا بالخیر و الحقنا بالصالحین غیر خزایا و لا مفتونین امین۔ امین

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

آقا شمس الدینؒ

واصل الی اللہ شمس الملۃ والدین محمد بن حمزہ مشہور آقا شمس الدین حضرت شہاب الدین سہروردی کی اولاد ہیں۔ دمشق میں پیدا ہوئے اور اپنے باپ کے ساتھ چھوٹی عمر میں ہی بلاد روم میں آئے۔ یہاں آکر علوم درسیہ کی تکمیل کی اور مدرسہ عثمانیہ کے مدرس ہو گئے ان کا میلان طبع تصوف کی طرف تھا ایک صالح مرد جوان کے دوست تھے وہ ان کو ہمیشہ حاجی بیرام سے بیعت کرنیکی ترغیب دیا کرتے تھے لیکن یہ انکار ہی رکھتے کیونکہ حاجی بیرام کا قاعدہ تھا کہ قرضہ داروں کے قرض اتارنے یا مساکین وغربا کی حاجات ادا کردینے کی غرض سے سوال کیا کرتے اور زر چندہ وصول کرنیکی غرض سے بازاروں میں پھرا کرتے تھے۔ حاجی صاحب تو اس کو کسر نفس اور ہمدردی خلق کا ذریعہ سمجھتے تھے لیکن آقا شمس الدین کو ان کی یہ حرکت اچھی نہ معلوم دیتی تھی۔ انہی دنوں میں انہوں نے شیخ زین الدین فانی کا آوازہ سنا۔ تدریس چھوڑ کر ادھر چلدیئے۔ جب حلب پہنچے تو وہاں خواب دیکھا کہ گردن میں ایک زنجیر پڑی ہوئی ہے اور اس کا دوسرا سرا حاجی بیرام صاحب کے ہاتھ میں ہے یہ وہاں سے واپس ہوئے۔ پہلے عثمانیہ آئے۔ پھر حاجی صاحب کی خدمت میں روانہ ہوئے جس وقت یہ پہنچے ہیں اس وقت حاجی صاحب اپنے مریدوں کے ساتھ کھیتی کاٹ رہے تھے۔ آقا شمس الدین بھی کھیتی کاٹنے لگے۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو کھانا آیا جو فقراء کے سامنے رکھا گیا اور اس میں سے ایک حصہ کتوں کیلئے جدا کر دیا گیا۔ حاجی صاحب اور درویش کھانے لگے انہوں

نے آقا شمس الدین کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ اور نہ کھانے کیلیئے بلایا آقا شمس الدین اٹھے اور کتوں کیساتھ بیٹھ کر کھانے لگ گئے۔ (شاید آپ نے خواب کی تعبیر کو پورا کرنا ضروری سمجھا) حاجی بیرام پکار اٹھے۔ لڑکے یہاں آؤ۔ میرے پاس بیٹھو۔ تم نے تو میرے دل کو چھین لیا۔ غرض مرشد کے پاس حصول طریقت میں مشغول ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں مقامات سینہ اور کرامات علیہ کو پہنچ گئے۔

آپ کے اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ طبیب ارواح بھی تھے اور طبیب ابدان بھی۔ طب میں چند تصنیفات بھی ہیں۔ ایک دفعہ خلیل پاشا وزیر کا بیٹا سلیمان حلبی جو قاضی افواج تھا، سخت بیمار ہو گیا۔ وزیر نے آقا شمس الدین کو علاج کیلیئے بلایا۔ جس وقت یہ پہنچے ہیں۔ اطبائے شاہی بیمار کے گرداگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ آقا نے پوچھا آپ نے کیا مرض تشخیص کیا انہوں نے نام بتلایا۔ فرمایا نہیں سرسام کا علاج کرنا چاہئے سب نے انکار کیا۔ اور مریض کے پاس سے ہٹ کر چلے گئے۔ شیخ نے تو مریض کا حال پوچھا نہ علامات دریافت کیں۔ قلم اٹھا کر نسخہ لکھدیا۔ پلاتے ہی نفع کے آثار معلوم ہونے لگے۔ جب وہاں سے واپس آئے تو ایک مرید سے کہا اگر میں وہاں خاموش ہو جاتا تو یہ طبیب اسے مار ڈالتے۔

ان کی کرامات کا مشہور واقعہ یہ ہے کہ جب سلطان محمد خان نے (جو محمد فاتح کے نام سے مفتخر ہوا) فتح قسطنطنیہ کا ارادہ کیا۔ تو آقا شمس الدین کو اور آقا بیق کو جہاد اور دعاء توجہ کیلیئے طلب کیا اور احمد پاشا کو دونوں کے پاس بھیجا۔ آقا بیق تو مجذوب تھے۔ ان سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ مگر آقا شمس الدین نے فرمایا کہ ہاں انشاء اللہ مسلمان ضرور قسطنطنیہ کو فتح کر لینگے اور فوج فلاں تاریخ قلعہ کی فلاں جگہ سے ٹھیک دوپہر کیوقت اندر داخل ہو گی اور تم (احمد پاشا) اس وقت سلطان کے برابر برابر ہو گے۔ آقا شمس الدین کے ایک فرزند کا بیان ہے کہ جب تاریخ مقررہ کا وہی وقت قریب آپہنچا اور قلعہ پر فتح

کے کوئی آثار نہ تھے تو ہم کو سلطان کیطرف سے نہایت خوف پیدا ہوا۔ میں ان کے خیمہ کی طرف گیا دروازہ پر ایک خادم کھڑا تھا۔ اس نے کہا اندر جانیکی اجازت نہیں۔ میں نے دوسری طرف سے ہو کر قنات کو ذرا سر کا کر دیکھا تو والد بزرگوار ننگے سر زمین پر سجدے میں گرے ہوئے پڑے ہیں۔ روتے جاتے ہیں اور گڑگڑا رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر دیکھا تو فوج اندر داخل ہو چکی تھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے ان کی برکت سے ہی قلعہ کو فتح کیا۔ اور ان کی دعا میں وہ اثر تھا کہ ساتوں فلک کے اوپر پہنچی تھی اور زمین کو اپنی برکات سے پر کر دیتی تھی۔ جب سلطان قلعہ میں داخل ہوا۔ تو اس نے اپنے پہلو کی طرف دیکھا تو احمد پاشا برابر موجود تھا۔ سلطان نے کہا کہ مجھے فتح کی اس قدر خوشی نہیں۔ جس قدر ایسے بزرگوار کے اپنے زمانہ میں ہونیکی خوشی ہے۔

فتح سے ایک دن بعد سلطان آقا کو خیمہ میں ملنے کیلئے آیا۔ آقا لیٹے ہوئے تھے اسی طرح پڑے رہے۔ سلطان نے آکر ان کا ہاتھ چوما اور عرض کی کہ میں حاجت کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا کہو۔ کہا مجھے چند روز اپنی توجہ میں بٹھایا کیجئے۔ آقا نے انکار کر دیا۔ سلطان نے اصرار کیا۔ آقا پھر بھی انکار ہی کرتے رہے۔ سلطان کو غصہ آگیا۔ کہا، ایک معمولی ترک سپاہی آتا ہے اس کے عرض کرنے پر اسے جھٹ حلقہ میں بٹھالیا جاتا ہے اور میرے واسطے برابر انکار ہے۔ شیخ نے کہا بات یہ ہے کہ جب آپ خلوت نشین ہونگے تو اس وقت لذت سلطنت فراموش ہو جاویگی اور امور سلطنت معطل ہو جاوینگے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناخوشنودی مجھ پر اور آپ پر ظاہر ہو گی۔ اے سلطان خلوت سے غرض تحصیل عدالت ہے۔ اس لئے تم اپنی سلطنت میں عدالت کرو۔ اپنے فرائض کو انجام دو۔ اس سے بڑھ کر تمہارے واسطے اور کوئی وظیفہ نہیں۔ اس کے بعد سلطان کیطرف سے دو ہزار اشرفی پیش کی گئی۔ مگر آقا نے ان کو قبول نہ کیا سلطان ان کے پاس سے اجازت لیکر اٹھا شیخ پھر بھی اس طرح لیٹے رہے۔ باہر آکر سلطان نے احمد پاشا سے ذکر کیا

کہ شیخ ہم کو دیکھ کر نہ بیٹھے۔اس نے عرض کی کہ حضور کو جو یہ اتنی بڑی فتح حاصل ہوئی ہے جو بڑے بڑے سلاطین کو نصیب نہیں ہوئی۔اس وجہ سے شیخ نے دیکھا کہ فی الجملہ حضور میں غرور پیدا ہو گیا چونکہ وہ مربی ظاہر و باطن ہیں، اس لئے انہوں نے اس غرور کیلئے یہی دوا تجویز کی۔

اس سے اگلے روز رات کے آخری حصہ کے وقت سلطان نے شیخ کو طلب کیا۔ گھر والے تو ڈر گئے۔ لیکن خود شیخ کا بیان ہے کہ جب میں وہاں پہنچا تو امراء نے میرے ہاتھوں پر بوسے دیئے آگے بڑھے تو رات سخت اندھیری تھی اور وہاں روشنی کا انتظام نہ تھا۔ سامنے سے سلطان آگیا۔ جس کو میں نے شناخت نہیں کیا مگر میری روح نے پہچان لیا۔ میں نے آگے بڑھ کر معانقہ کیا اور ایسے زور سے سلطان کو دبایا کہ اس کے جسم کا جوڑ جوڑ کانپ گیا۔ پھر اسے چھوڑ دیا۔

سلطان کا بیان ہے کہ میرے دل میں شیخ کی جانب سے کچھ شک ہو گیا تھا۔ معانقہ کے بعد وہ شک محبت سے بدل گیا۔ پھر دونوں ایک خیمہ میں داخل ہو گئے۔جب صبح ہوئی تو اذان ہوئی اور سلطان نے نماز سحر شیخ کے پیچھے پڑھی۔ شیخ اپنے اوراد پڑھنے لگ گئے اور سلطان ان کے سامنے دوزانو بیٹھا رہا اور سنتا رہا۔جب فارغ ہوئے تو عرض کی کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی جگہ کا نشان بتلایئے کیونکہ تواریخ میں لنگ کے پاس ان کی قبر کا ہونا درج ہے۔ شیخ نے پھر پھرا کر ایک جگہ کا اشارہ کیا۔ فرمایا مجھے یہاں ایک نور معلوم ہوتا ہے شاید ان کی قبر اسی جگہ ہو۔ پھر وہاں بیٹھ کر تھوڑی دیر مراقبہ کیا پھر فرمایا حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روح میری روح سے ملی اور مجھے فتح کی تہنیت دی۔ اور تمہاری مساعی کا شکریہ ادا کیا کہ ان کو ظلمت کفر سے نجات دی۔ سلطان محمد خاں کو اطلاع دی گئی۔ وہ وہاں آیا اور شیخ سے عرض کی کہ میں جناب کے ارشاد کو صحیح سمجھتا ہوں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ پورے پورے نشانات

بتلا دیئے جاویں تا کہ ظاہر ہونے پر میرا اطمینان کلی ہو جاوے۔ شیخ نے پھر مراقبہ کیا تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا۔ اچھا یہاں سے کھودو۔ یہ سر کیطرف ہے۔ دو گز کھودنے کے بعد قبر ظاہر ہوگی۔ جس پر پتھر کا تابوت ہے اور اس پر خط عبرانی میں عبارت لکھی ہوئی ہے جس کا یہ ترجمہ ہے۔ جگہ کھودی گئی۔ دو گز نیچے جا کر قبر مل گئی۔ کتبہ جو عبرانی زبان کا تھا جب اسے پڑھایا گیا تو وہی عبارت اور مضمون تھا جو شیخ نے بتلا دیا تھا۔ سلطان کو نہائت حیرت ہوئی اور وجد کی سی حالت طاری ہوگئی۔ حتی کہ بیہوش ہو کر گرنے لگا مگر خدام نے سنبھال لیا۔ سلطان نے اس جگہ قبہ بنوا دیا۔ جامع مسجد اور حجرات تیار کرائے اور شیخ سے التماس کی کہ اپنے مریدوں کے ساتھ اس جگہ ٹھہریں۔ لیکن شیخ نے انکار کر دیا اور اپنے وطن کی اجازت طلب کی۔ سلطان نے اجازت دیدی۔ جب وہاں سے چلے آئے تو اپنے بڑے بیٹے سے فرمایا کہ سمندر نکلتے ہی میرا دل نور سے بھر گیا۔ قسطنطنیہ کے ظلمت کفر سے تو میرے الہامات میں بھی فساد آ گیا تھا۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ ایک کمینہ سا آدمی ایک نہائت عمدہ گھوڑے پر سوار سامنے سے گزرا گھوڑا ایسا عمدہ تھا کہ سب کی آنکھیں اٹھ گئیں اور سب نے اسے پسند کیا۔ سوار نے نہ شیخ کی طرف دیکھا اور نہ سلام ہی کیا۔ تھوڑی دور جا کر واپس آیا اور گھوڑے سے اتر کر عرض کیا کہ میں یہ گھوڑا حضور کو ہبہ کرتا ہوں۔ شیخ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ تم یہ گھوڑا لے لو اس کو اپنی سواری کا گھوڑا دیدو۔ وہ چلا گیا تو بیٹے نے شیخ سے سوال کیا۔ فرمایا، سخی کے پاس رہ کر اس کا خدمت گزار غلام اگر مدت العمر میں کوئی چیز مانگ لے تو کیا وہ نہ دیگا۔ بیٹے نے کہا نہیں وہ ضرور دیگا۔ فرمایا تیس سال سے میں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے قدم باہر نہیں رکھا جب میرے دل کو گھوڑے کی طرف میلان ہوا تو اللہ تعالیٰ نے سوار کے دل میں الہام کر دیا۔

الغرض شیخ اس سفر سے اپنے وطن پہونچے اور اپنے وطن قصبہ کونیک میں جا

کر وفات پائی۔ ان کا ایک رسالہ تصوف میں ہے جس کا نام نور ہے۔ ایک اور رسالہ ہے جس میں مطاعن صوفیہ کا جواب دیا ہے۔ ایک رسالہ طب میں ہے جس میں علامات نافعہ درج ہیں۔

حضرت شیخ کا سب سے چھوٹا بیٹا مجذوب تھا۔ اس کا نام نور الہدیٰ تھا۔ ایک دن شیخ کو ایک امیر کبیر ابن عطار ملنے آیا۔ اس کی داڑھی نہ نکلتی تھی۔ مجذوب لڑکا بھی وہیں آگیا امیر کو دیکھ کر ہنسنے لگا کہ یہ آدمی تو نہیں یہ تو عورت ہے۔ شیخ مجذوب پر خفا ہوئے۔ امیر نے شیخ کی خوشامد کی کہ آپ للّٰہ اس پر خفا نہ ہوں۔ پھر مجذوب سے درخواست کی کہ دعا کرو میری داڑھی نکل آئے۔ مجذوب نے اپنے منہ سے بہت سا لب لیکر اس کی ٹھوڑی، کلہ پر مل دیا۔ اور داڑھی اس جگہ نکل آئی۔ جب وہ امیر سلطان کے پاس قسطنطنیہ پہنچا تو سلطان نے وزیر کو کہا۔ اس سے پوچھو داڑھی کیونکر نکل آئی۔ اس نے قصہ سنایا۔ سلطان نے نہایت تعجب کیا اور اس مجذوب کے نام بہت سی جاگیر وغیرہ معافیات کر دیں۔

مروی ہے کہ ایک دن شیخ ؒ نے اپنے تمام لڑکوں کو اکٹھا کیا اور کھانا کھلایا۔ جب وہ اپنی اپنی ترتیب پر بیٹھے ہوئے تھے تو شیخ نے ان سب کو جو بارہ تھے ایک ایک کر کے دیکھا اور فرمایا الحمد للہ تعالیٰ۔ سب یہ سمجھے کہ الحمد للہ اس لئے کہا ہے کہ خدا نے ان کو یہ اولاد عطا فرمائی ہے۔ مگر مجذوب لڑکا بولا اباوا جان میں بتلاؤں آپ نے کس بات کا اس وقت شکر کیا ہے۔ فرمایا ہاں کہو۔ کہا اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قدر اولاد بھی دی اور پھر بھی دل کا تعلق کسی کے ساتھ نہیں ہوا۔ شیخ بولے لڑکے تو نے خوب کہا اور سچ کہا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ملوک و وزرا

حضرت امیر معاویہ بن ابو سفیان اموی رضی اللہ عنہ

ولادت ۱۸ قبل ہجری وفات ۶۰ ہجری

نسب : عبد مناف کے دو بیٹے ہوئے۔ ہاشم اور عبد شمس۔ ہاشم کی اولاد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور علی مرتضیٰ ہیں۔ محمد بن عبداللہ۔ علی بن ابی طالب بن مطلب بن ہاشم۔ اور عبد شمس کی اولاد میں معاویہ بن ابو سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس۔

ابو سفیان قریش میں سردار تھا اور بہت بڑی تجارت رکھتا تھا۔ شام، حوران اور بلقار تک تجارتی قافلوں کے ساتھ آیا جایا کرتا تھا اور ابتداء بعثت سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں بہت بڑا حصہ لیا۔ فتح مکہ تک عداوت پر قائم رہا۔ اور قریش کو قائم رکھا ۸ ھ کو خود اپنی اولاد جس میں معاویہؓ بھی تھے مسلمان ہوا۔ ممکن ہے کہ ابو سفیان کی اس عداوت کا سبب اصلی یہ ہو کہ اس نے سمجھ لیا تھا کہ اسلام کے پھیل جانے اور بت پرستی کے اٹھ جانے سے گروہا گروہ مردم کا کعبہ میں آنا موقوف ہو جائیگا اور اس سے اس کی تجارت کو بہت بڑا نقصان پہنچے گا۔ چونکہ ابو سفیان کا کنبہ بڑا تھا اس لئے گویا نقصان بھی زیادہ خیال کیا جا سکتا تھا۔

علاوہ ازیں عبد مناف کے ہر دو فرزندوں کی شاخ میں مدت سے عداوت چلی آتی تھی۔ سب سے پہلے امیہ اور ہاشم میں (جو امیہ کا چچا تھا) جھگڑا ہوا۔ ہر دو میں فضائل پر مناظرہ ہوا اور غصان کا کاہن خزاعی منصف قرار دیا گیا۔ اور شرط یہ ہوئی کہ مغلوب غالب کو پچاس اونٹنیاں ادا کرے اور بیس سال تک جلاوطن رہے۔ منصف نے ہاشم

کے حق میں فیصلہ دیااور امیہ کو شرط کے مطابق اونٹ دینے اور بیس سال خارج از وطن رہنا پڑااور یہیں سے دشمنی کی بنیاد پڑ گئی۔

ولادت : معاویہؓ مکہ میں سنہ ہجری سے ۱۸سال قبل پیدا ہوئے ان کی ماں کا نام ہندہ ہے جو عبد شمس کی پوتی عبہ کی بیٹی تھی۔ امیر حمزہ سید الشہداءؓ کو اسی عورت نے مثلہ کرایا تھا۔

تربیت و اسلام :۔ بچپن سے اعتقادات جاہلیت پر تربیت ہوئی۔ فتح مکہ پر ان کی عمر ۲۴ سال کی تھی اسی وقت اپنے خاندان سمیت مسلمان ہوئے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ دل میں پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے مگر والدین کے خوف سے اسلام کو چھپاتے تھے۔ غرض ان کا کنبہ نیز چند سرداران قریش فتح مکہ پر مسلمان ہوئے اور ان کا نام "مولفتہ القلوب" رکھا گیا۔ عہد نبوی ﷺ میں ایسے لوگوں کو (بر خلاف دیگر مسلمانوں کے) کچھ روزینہ بھی دیا جاتا تھا۔ مدینہ کے قیام کے بعد معاویہؓ رسول ﷺ سے قریب ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ کتابت کا اعزاز ان کو مل گیا۔ سیرت حلبیہ میں ہے کہ معاویہؓ بن ابو سفیان اور زید بن ثابتؓ کاتبان وحی تھے اور ان کے پاس اور کوئی کام نہ تھا۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کو اس فقرہ کی صحت پر کہ ان کے پاس اور کوئی کام نہ تھا شبہ ہے۔

سیدنا صدیقؓ کے عہد میں جب شام پر لشکر کشی ہوئی تو یزیدؓ بن ابو سفیان بھی ایک لشکر کے سردار تھے اور سب سے پہلے دشمن کے ملک میں ان ہی نے قدم رکھا تھا۔ معاویہؓ اپنے بھائی کے ساتھ تھے اور بہت سی لڑائیوں میں شریک بھی ہوئے مگر کوئی خاص شہرت نہیں پائی۔ فتح دمشق کے بعد جب امین الامتہ ابو عبیدہؓ سپہ سالار اسلام بلاد ساحل کی فتح کیلئے آگے بڑھے تو مفتوحہ علاقہ پر یزید کو حاکم مقرر کر گئے اور معاویہؓ بھی اپنے بھائی کے پاس رہے۔ اس عرصہ میں انہوں نے صیدا، عرقہ، جبل اور بیروت وغیرہ فتح کر لئے۔ سیدنا عثمانؓ کی خلافت کی ابتدا میں ان مفتوحہ شہروں میں سے بعض پر

روم نے پھر قبضہ کر لیا تھا۔ مگر حضرت معاویہؓ نے بہت جلد ان کو وہاں سے نکال دیا۔

آغاز حکومت: یزید بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے ۲۰ھ تک امیر دمشق رہ کر وفات پائی۔ سیدنا فاروقؓ نے ان کے بھائی معاویہؓ کو ان کا جانشین مقرر کر دیا۔ عمر فاروقؓ کے آخری چار سال خلافت میں ان کے متعلق صرف ضلع دمشق تھا لیکن حضرت عثمانؓ کے حکم سے ۲۵ھ میں کل شام کا ملک ان کے ماتحت کر دیا گیا۔ اور اسی سال حضرت معاویہؓ نے ایشیائے کوچک پر لشکر کشی کر کے بروصہ انطاکیہ وطرسوس کے قلعے فتح کر لئے۔

سیدنا عثمانؓ کی خلافت میں جب لوگوں کی شکایات عمال کے متعلق روز بروز بڑھنے لگیں اور ان میں گستاخی کی جھلک بھی نظر آنے لگی تو معاویہؓ بھی مدینہ پہنچے اور خلیفہ کو اپنے ارادہ میں ثابت قدم و مستقل مزاج رہنے کی جرات دلا کر کہا کہ شکائت کرنیوالے معدودے چند ہیں۔ معاویہؓ بیٹھے ہوئے تھے کہ سیدنا علی مرتضیٰ وطلحہ وزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آپہونچے اس وقت حضرت معاویہؓ نے کھڑے ہو کر یہ تقریر کی۔

"آپ لوگ آنحضرتؐ کے صحابی، بہترین خلق اور اس امت کے والی ہیں۔ تمہارے سوا اور کوئی شخص حکومت کا خیال نہیں کر سکتا۔ تم نے عثمانؓ کو اپنی مرضی سے بلا کسی دباؤ یا طمع کے خلیفہ تسلیم کیا تھا۔ اور اب یہ بوڑھے بھی ہو گئے ہیں۔ اور اگر تم ان کی ضعیفی کی وجہ سے ان کی موت کا بھی انتظار کرو تو وہ بھی کچھ دور نہیں (گو میری آرزو ہے کہ خدا ان کو دیر پا رکھے) یہ جھگڑے جو تمہارے سامنے اٹھ رہے ہیں تم نے ان پر نار ضگی کا کچھ اظہار نہیں کیا۔ حالانکہ ایسا ہونا ضروری تھا۔ تاکہ حکومت کیلئے عوام بھی طمع نہ کر سکیں۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر عوام کے حوصلہ بھی کھل گئے تو تم پیٹھ ہی دکھلانی پڑیگی۔"

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ گفتگو نہائت ہی ناگوار گذری وہ اس کا کوئی سبب ہی نہ سمجھے۔ انہوں نے معاویہؓ سے کہا "تیری ماں نہو۔ یہ کیسی گفتگو ہے" معاویہؓ نے کہا "خیر آپ میری ماں کو تو کچھ نہ کہیں کیونکہ وہ تمہاری ماؤں سے کچھ بری نہ تھی۔ کیونکہ وہ مسلمان ہوئی اور بیعت نبوی ﷺ کا شرف اس نے پایا۔ ہاں میری بات کا جواب دیجئے"۔

اس کے بعد ان سادات نے خلیفہ سے چند معاملات میں گفتگو کی اور ان کو اپنی منشاء کے موافق طے کرا کر خوش خوش چلے گئے اور معاویہؓ باقی رہ گئے۔ انہوں نے سیدنا عثمانؓ سے کہا "میرے ساتھ شام کو چلو وہ تمام علاقہ مطیع ہے۔ اب چلنے کا وقت ہے۔ ورنہ کسی آفت آنے کا اندیشہ ہے"۔ انہوں نے قرب نبوی ﷺ چھوڑ کر شام جانے سے انکار کر دیا۔ معاویہؓ شام کا قصد کر کے باہر نکلے۔ ان کو مہاجرین کی ایک جماعت (جن میں سیدنا علی و طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے) ملی معاویہؓ ان کو عثمانؓ کی پیرانہ سالی پر توجہ دلاتے ہوئے ان کے ساتھ اچھے سلوک کی وصیت کرتے گئے۔

ان کے شام چلے جانے کے کچھ عرصہ بعد مصری وغیرہ جمع ہو کر مدینہ میں آگئے اور خلیفہ کو محصور کر لیا۔ محاصرہ چالیس یوم تک رہا۔ سیدنا علی مرتضیٰؓ نے درمیان میں پڑ کر انہیں روکنا بھی چاہا مگر باغیوں نے کچھ نہ سنا۔ محاصرہ میں پانی بھی ان پر روک دیا گیا تھا آخر مصری لوگوں نے دروازہ توڑ کر اور سقیفہ کو آگ لگا کر اندر جانے کا راستہ کر لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت سورہ طٰہٰ پڑھ رہے تھے۔ باغیوں کا محاصرہ توڑ کر اندر آجانا بھی ان کی تلاوت کلام اللہ میں فرق نہ ڈال سکا۔ چند صحابہؓ کے لڑکے (جن میں سیدا شباب اہل الجنتہ حسنینؓ بھی تھے۔ یا صرف امام حسنؓ مجتبیٰ) خلیفہ کی حفاظت کیلئے اندر موجود تھے لیکن انہیں حضرت عثمانؓ شہید نے قسم دیکر خونریزی سے روک دیا۔ اور وہ باہر چلے گئے۔ باغی آگے بڑھے اور انہوں نے خلیفہ پر تلوار کا وار کیا جو

تلاوت قرآن میں کمال استقلال کے ساتھ محو تھے۔ خون قرآن مجید پر گرا۔ حضرت کی بیوی نائلہؓ نے وار ہوتا ہوا دیکھ کر شوہر کے بچاؤ کیلئے اپنے ہاتھ آگے کر دیئے تھے۔ تلوار ان کی انگلیوں کو بھی کاٹ گئی۔

حضرت معاویہؓ کو ان واقعات کی بالتفصیل خبر پہنچ گئی تھی۔ جب اہل مدینہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مبارک ہاتھوں پر بیعت کر لی تو معاویہؓ نے بیعت نہ کی۔ بلکہ قصاص عثمانؓ شہید کا دعویدار ہو کر خلیفہ کا خون آلود کرتہ اور نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں جامع مسجد کے منبر پر رکھ کر لوگوں کو قصاص کیلئے بھڑکایا اور یہ بھی کہہ دیا "علی انکا قاتل ہے"

عمرو بن العاصؓ جو حکومت مصر سے معزول ہو چکے تھے۔ وہ بھی معاویہؓ سے آملے اور انہوں نے خلیفہ برحق امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی صفین کی متواتر لڑائیوں اور فیصلہ حکم کے بعد (جس کی تفصیل میں اسلامی تواریخ کے سینکڑوں اوراق موجود ہیں) اپنی حکومت کو مستقل کیا تاہم یہ حکومت شام پر ہی محدود تھی۔ مصر پر سیدنا علیؓ کی طرف سے قیس بن سعد والی تھے۔ قیس بن سعد کو پہلے تو معاویہؓ نے اپنے ساتھ شامل کر لینا چاہا مگر جب وہ ثابت قدم رہے تو ایک خط قیس کیجانب سے بنام معاویہؓ شائع ہوا۔ جس میں لکھا تھا کہ قیس بھی قصاص طلبی عثمانؓ میں ان کا شریک ہے۔

مضمون ہذا سے حضرت علی مرتضیٰؓ نے خبر پا کر قیس کو معزول اور محمد بن ابو بکر کو والی مصر مقرر کر دیا۔ امیر معاویہؓ نے سمجھ لیا تھا کہ فتح مصر کے بغیر وہ عراق اور مصر کے دو طرفہ حملہ کی زد میں ہیں۔ اس لئے عمرو بن العاصؓ اول فاتح مصر کو بھاری لشکر دیکر روانہ کیا۔ انہوں نے سرحد عبور کرنے کے بعد محمد بن ابی بکر کو لکھ بھیجا کہ تم خود ہی حکومت سے علیحدہ ہو جاؤ کیونکہ میں تم کو کوئی صدمہ نہیں

پہونچانا چاہتا۔ محمد نے اصل خط حضرت علیؓ مرتضٰی کی خدمت میں بھجدیا اور کمک کے لئے درخواست کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہنوز کمک روانہ کرنے بھی نہ پائے تھے کہ عمرو بن العاصؓ نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ اور محمد بن ابوبکر بری طرح سے قتل کئے گئے اور لے جا کر راکھ کا ڈھیر بنائے گئے اور شام و مصر کا کل ملک حضرت معاویہؓ کے ماتحت ہو گیا۔

۴۱ھ کو امیر المومنین حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امام حسن مجتبیٰ کی خلافت کی بیعت کوفہ میں ہوئی۔ ان کو خبر لگی کہ معاویہؓ ایک بھاری لشکر لے کر شام سے چل پڑے ہیں۔ امام عالیؓ مقام بھی چالیس ہزار فوج (جو حضرت علی مرتضٰیؓ کے مبارک ہاتھ پر جنگ کیلئے بیعت کر چکی تھی) لیکر کوفہ سے مدائن کو چل پڑے لیکن ان کو جلد معلوم ہو گیا کہ ان کا لشکر فوج شام سے مقابلہ کرنے میں کمزور ہے۔ رحمتہ للعالمینؐ کے نواسہ نے خونریزی امت کو پسند نہ کر کے خلافت چھوڑ کر ملک حضرت معاویہؓ کے سپرد کر دیا اور انہوں نے کوفہ میں داخل ہو کر سب سے اپنی بیعت لے لی۔ اس وقت سے وہ تمام بلاد اسلام پر بلا شرکت غیرے امیر ہو گئے۔ اور ۱۹ سال ۴۱ھ سے ۶۰ھ تک مستقل امیر رہے اور ہمیشہ توسیع دائرہ مملکت میں کوشاں رہے شام مصر اور عراق و فارس پر ان کا اقتدار کامل تھا۔ ۴۹ھ میں فتح قسطنطنیہ کے لئے لشکر کشی ہوئی۔ سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس جنگ میں شہید ہوئے تھے۔

اس لشکر کا سپہ سالار سفیان بن عوف تھا اور یزید بھی ساتھ بھیجا گیا۔ لشکر کی کثرت، راہ کی دوری اور خرابی کیوجہ سے لشکر کو فاقہ و تکالیف شاقہ کا مقابلہ کرنا پڑا۔ یزید نے راستہ میں ہی ہمت ہار دی اور فوج کو اس کی وجہ سے اپنی رفتار کو سست کرنا پڑا۔

امیر معاویہؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے یزید کو کہہ بھیجا کہ تجھے ضرور ساتھ جانا ہوگا پھر اس کی تقویت کیلئے امرائے عرب کو بحری لشکر دیکر بھی روانہ کر دیا۔ ان امراء میں ابن عباس' ابن عمر' ابن زبیر اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم تھے۔ جنگی کشتیاں بلا کسی مقابلہ کے ڈارڈ نیلز کو عبور کرتی ہوئی قسطنطنیہ کے غربی جانب قلعہ ہفت بروج کے پاس پہنچ گئیں۔ فوج خشکی پر اتری اور بری فوج کے آجانے پر محاصرہ شروع ہو گیا۔ مسلمان منجنیق چلاتے لمبے نیزوں کے ساتھ حملے کرتے تھے اور محصورین ان پر آگ برساتے تھے۔ جس سے مسلمانوں اور ان کے کمپ کا بھاری نقصان ہوا کرتا تھا۔ طول محاصرہ سے مسلمانوں کی کمیابی تکلیف دہ ثابت ہونے لگی۔ جس کو گردونواح کے دیہات میں چھوٹے چھوٹے دستہ بھیجتے رہنے اور لوٹنے سے پورا کر لیا جاتا تھا۔ چونکہ موسم سرما بھی آنے والا تھا اس لئے مسلمان دور اندیشی کر کے ایشیائے کوچک کے جزیرہ قیز یکوس میں رسد کے ذخیرے فراہم کرنے لگ گئے۔ چنانچہ سرما کے شروع ہوتے ہی لشکر اس جزیرہ کو جو ۸۰ میل پر تھا قسطنطنیہ سے چلے گئے اور گرمی کے شروع ہوتے ہی پھر محاصرہ کیا گیا۔ سات برس تک یہی حال رہا تمام موسم گرما میں محاصرہ اور جدوجہد سے مقابلہ کیا جاتا۔ سرما اس جزیرے میں بسر ہوتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو ہنوز یونانیوں کی کمزور سلطنت کے تاج کو خاک بسر کرنا منظور نہ تھا اس لئے ہفت سالہ مساعی کے بعد مسلمانوں کی فوج میں وبا پڑ گئی۔ جس سے لاچار ہو کر ان کو محاصرہ سے دست بردار اور وطن کو واپس جانا پڑا۔ اس عرصہ میں ۲۰ ہزار مسلمان شہید ہو چکے تھے۔ جن میں ابو ایوب انصاریؓ بھی تھے۔ یہ صحابی اکابر صحابہؓ میں سے تھے رسول کریمؐ کے ساتھ بدر واحد وغیرہ غزوات میں حاضر تھے اور خلافت مرتضوی کی لڑائیوں میں حضرت علی مرتضےٰؓ کے ہمرکاب تھے۔ ان کے جنازہ کی نماز ایسی شان و شوکت کیساتھ ادا کی گئی کہ محصورین بھی مدافعت چھوڑ کر محو تماشا ہو گئے۔ ان کو دیوار کے نیچے دفنایا گیا اور زمین کو ہموار

کر دیا گیا۔ سلطان محمد فاتح نے فتح قسطنطنیہ کے بعد اس پر مقبرہ اور جامع مسجد تعمیر کرا دی۔

مسلمان گو فتح سے ناکامیاب واپس ہوئے تھے۔ مگر جرات و استقلال اور مردانگی و ثبات کی ایسی مثال چھوڑ گئے تھے کہ قیصر کو ان کی آئندہ یورش و کامیابی میں کوئی شبہ نہ رہ گیا تھا۔ اس نے ایک خاص سفیر شام کو روانہ کیا جس کو عزت و اکرام کیساتھ قبول کیا گیا۔ امیر معاویہؓ نے صلح یا عارضی صلح کے متعلق اپنے دربار میں مشورہ کیا۔ آخر یہ رائے قرار پائی کہ تین سال کے لئے صلح کی جائے اور قیصر ہر سال پچاس عمدہ گھوڑے، ۳ ہزار سونے کے ٹکڑے اور پچاس غلام خراج میں دیتا رہے۔

افریقہ میں بھی عقبہ بن نافع سردار نے بہت فتوحات حاصل کیں اور شہر قیروان ان کے حکم سے آباد کیا گیا۔ ہشتاد سالہ عمر نے امیر معاویہؓ کو پیر ہرم اور اپنی وفات کے قریب تر ہونے کے لئے امیدوار کر دیا تھا کہ مرض نے بھی غلبہ پالیا۔ اس وقت یزید کو بلا کر بدین الفاظ وصیت کی:

"پیارے بیٹے میں نے تیری کوششوں کی کوئی ضرورت نہیں رہنے دی۔ بلکہ جملہ امور تیرے لئے درست کر دیئے۔ تیرے اعداء کو ذلیل کر دیا ہے اور عرب کی گردنیں تیرے سامنے جھکا دی ہیں اور مجموعی طور پر تجھے وہ کچھ حاصل ہے جو پہلے کسی کو نہ تھا۔ اہل حجاز کے بارہ میں خیال رکھنا کیونکہ تیری اصل اصول وہی ہیں۔ ان میں سے جو کوئی تیرے سامنے آجائے اس کی عزت کرنا اور جو غائب ہو اس کی پرورش رکھنا۔ اہل عراق کی دلداری رکھنا۔ اگر وہ تجھ سے ہر روز نیا عامل تبدیل کراتے رہیں تو ان کے منشا کو پورا کرتے رہنا۔ عامل کا معزول کر دینا آسان ہے اور ایک لاکھ تلوار کی جھنکار کا سننا سخت۔ اہل شام کو اپنا دلی دوست اور اصلی رازدار سمجھنا اور جب کسی دشمن سے لڑائی کی ضرورت ہو تو انہی کی فوج روانہ کرنا کیونکہ باہر رہنے سے ان کے اخلاق میں تغیر آ

جانیکا اندیشہ ہے۔ سلطنت کے بارہ میں تیرے مد مقابل ہونیکا اندیشہ مجھے صرف چار شخصوں سے ہے۔ حسین بن علیؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ (رضی اللہ عنہم)۔ ابن عمرؓ تو سراپا عبادت میں لگا ہوا ہے اور جب سب لوگ بیعت کر لینگے تو وہ بھی ضرور بیعت کر لیگا۔ حسین بن علیؓ ایک نو عمر آدمی ہے۔ اہل عراق اسے مقابل کئے بغیر رہنے نہ دینگے۔ پس اگر اس نے مقابلہ کیا اور تو اس پر غالب رہا۔ تو اسے معاف کر دینا کیونکہ اسے قرابت قریبہ اور حق عظیم حاصل ہے۔ اور نیز وہ محمد ﷺ سے بھی نزدیک تر ہے۔ البتہ شیر کی طرح جم کر لڑنے والا اور لومڑی کی طرح چال چلنے والا اور موقعہ پر جست لگانے والا ابن زبیرؓ ہے۔ اگر اس نے تیرا مقابلہ کیا اور تجھے اس پر فتح ملی تو اس کے ٹکڑے اڑا دینا۔ لیکن جہانتک ممکن ہو سکے اپنی قوم کے خون کی حفاظت رکھنا اور خونریزی سے بیزار رہنا''

مرنے سے پیشتر انہیں یہ خیال ہوا کہ میری بیماری کا حال سنکر ملک میں بدامنی نہ ہو جائے۔ پس اپنے مرض کو چھپانے کیلئے آنکھوں میں سرمہ اور بالوں میں تیل ڈالکر مسند کے سہارے بیٹھ گئے اور لوگوں کو سامنے آکر سلام کرنے کی اجازت دی۔ لوگ آتے تھے۔ اور سلام کرتے ہوئے چلے جاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ امیر تندرست ہے جب وہ چلے گئے تو امیر نے یہ شعر پڑھے ۔

و تجلدی للشامتین اراھم انی لریب الدھر لا اتضعضع

واذا المنیة الثیت اغفارھا الفیت کل تمیمتہ لا تنفع

اور اسی روز وفات پائی۔ وفات سے پہلے کہا کہ ایک روز رسول خدا ﷺ نے مجھے قمیص عطا فرمایا تھا جسے میں نے بحفاظت رکھ چھوڑا ہے۔ ایک روز آنحضرت ﷺ نے ناخن مبارک تراشے تھے۔ ان کا تراشہ بھی محفوظ رکھ چھوڑا ہے۔ تکفین کیوقت مجھے وہ قمیص پہنا دینا اور تراشہ ناخن کو گھس کر میرے چہرہ و دست و چشم پر لگا دینا کہ ان

کی برکت سے خدا مجھ پر رحم فرمائے۔ پھر حکم دیا کہ نصف مال بیت المال میں داخل کیا جائے اور نصف رہنے دیا جائے۔ دمشق میں ہی وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

صفات واخلاق:۔ خوشرو، ابیض البشرہ، باہیبت وو قار، ہنسی کیوقت لب زیرین الٹ جایا کرتے تھا۔ داڑھی کو خضاب کیا کرتے تھے۔ نہائت ذکی، معاملہ فہم، مدبرین اور سیاسین میں نہائت مشہور تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم قیصر وکسریٰ کی دانائی وسیاست کا ذکر کیا کرتے ہو مگر دیکھو کہ معاویہؓ ان سے بھی بڑھ کر تمہارے میں موجود ہے۔ فراست صحیحہ ایسی تھی کہ آدمی کا چہرہ دیکھ کر اس کے خیالات کا پتہ لگا لیتے اور معاملہ کے شروع ہوتے ہی تہہ کو پہنچ جاتے۔

چنانچہ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعریؓ آئے اور السلام علیک یا امین اللہ کہہ کر بیٹھ گئے۔ امیر معاویہؓ نے وعلیک السلام پر ہی اختصار کیا۔ جب وہ چلے گئے تو کہا شیخ اس ارادہ سے آیا تھا کہ میں اسے کسی جگہ کا والی کردوں مگر ایسا کبھی نہ کرونگا۔ ایک دفعہ عمرو بن عاصؓ نے انہیں کہا کہ کیا میں نے لوگوں کو آپ کے بارہ میں درست نہیں کیا۔ کہا ہاں اس لئے آپ اس درجہ تک پہنچ گئے ہیں۔

امیر معاویہؓ کے حالات سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ ان کو ابتدا ہی سے حکومت حاصل کرنیکا شوق تھا۔ وہ خود کہتے ہیں کہ مجھے رسول خدا ﷺ نے فرمایا تھا، ان ولیت فاحسن اگر تو والی ہو جائے تو بھلائی کیجیو۔ مجھے اس روز سے امید حکومت وامارت بندھ گئی تھی۔ رہی قابلیت حکومت، اسکا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ آجتک خلافت راشدہ انتخاب وشوریٰ پر منحصر تھی۔ لیکن انہوں نے اسے اپنی نسل میں محدود کر دیا۔ گو جمہوریت وآزادی جاتی رہی۔ مگر انکا خیال تھا کہ اس طریق سے وہ تمام جھگڑے دب جایا کرتے ہیں جو انتخاب میں پیدا ہونے ضروری ہیں۔ علاوہ اس کے قیصران روم کے قانون سے انہوں نے یہی نتیجہ نکالا۔

روزانہ کاروبار: نماز صبح کے بعد ایک شخص سے متقدمین کے تاریخی حالات سنا کرتے۔ طلوع آفتاب کے بعد ایک پارہ قرآن مجید کا پڑھتے۔ پھر محل میں جا کر ضروری احکام دیکر چار رکعت نماز پڑھتے اور پھر اپنی نشستگاہ میں آکر وزراء و ارکان سلطنت سے ضروری کاروبار کے بارے میں گفتگو کرتے۔ اسی جگہ نہار شکنی کرتے۔ نہاری میں عموماً مرغ یا بیٹر ے کا گوشت ہوا کرتا تھا۔ اس کے بعد باتیں کر کے محل میں چلے جاتے۔ اور وہاں سے نکل کر ایک غلام کو ساتھ لیکر مسجد میں چلے آتے۔ اور دیوار مسجد کیساتھ پشت لگا کر بیٹھ جاتے۔ اس وقت ہر ایک شخص سائل و فریادی تخت پر بیٹھ جاتے اور تمام درباری درجہ دار بیٹھ جاتے۔ اس وقت کہا کرتے کہ اے سرداران دربار تم اس لئے سردار مانے جاتے ہو کہ دربار میں تم کو عزت حاصل ہے۔ اس عزت کا لازمہ یہ ہے کہ رعیت کے حالات اور معذور و مجبور لوگوں کی شکایات میرے پاس عرض کرتے رہو۔ چنانچہ اس وقت جو معاملات پیش ہوتے ان کیلئے ضروری احکام صادر کرتے تو منشی عرضی لے کر سنانا شروع کر دیتا اور سائل کو دستر خوان پر بٹھا لیا جاتا۔ عرضی پر حکم لکھا جاتا تو اس کو اٹھا کر دوسرے سائل کو بلا لیتے۔ اس طرح بسا اوقات ۳۰۔۴۰ آدمی دستر خوان پر بیٹھتے اور اٹھتے جاتے۔ کھانا کھانے کے بعد سب کو رخصت کر کے محل میں چلے جاتے اور اذان ظہر سنکر باہر نکلتے۔ مسجد میں نماز پڑھ کر چار رکعت پھر اپنے مکان پر پڑھتے اور خاص الخاص عہدہ داروں کو بلا لیتے اور ضروری معاملات پر گفتگو جاری کر دیتے۔ اسی وقت پھل منگوایا جاتا۔ موسم گرما ہوتا تو میوہ ہائے تر اور موسم سرما میں میوہ ہائے خشک۔ اذان عصر سن کر اٹھتے اور نماز پڑھتے ہی محل میں چلے جاتے۔ جب دھوپ زرد پڑ جاتی تب باہر نکلتے اور تخت پر بیٹھ جاتے۔ طعام شب منگوایا جاتا اور خاص وزراء کے سوا اور کوئی داخل نہ ہو سکتا۔ اذان مغرب کیساتھ دستر خوان سے اٹھ کر مسجد میں چلے جاتے۔ نماز مغرب کے بعد چار رکعتیں اور پڑھتے

اور ہر ایک رکعت میں پچاس آیتوں کے قریب قیام کرتے۔ قرآت کے بعد وزراء خاص سے گفتگو کیا کرتے اور ملوک عرب و عجم کے حالات' لڑائیوں کے داؤ گھاٹ، نظم و نسق کے متعلق تدابیر تواریخ سے سنا کرتے اور انتخاب تیار کرا کر اپنے ملازمین کو بھی ان کی یادداشت کا حکم دیتے اور نصف شب کے قریب بستر راحت پر آرام کرتے۔

تواریخ کے علاوہ یونانی جنرلوں اور دنیا کے مشہور فاتحوں کی سوانح عمری اور تصنیفات کو بھی خاص دلچسپی سے سنا کرتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ اپنی شان کو اس سے ارفع پاتا ہوں کہ کوئی قصور میرے عفو سے بڑھ کر ہو۔ یا کوئی جہالت میرے علم سے زیادہ یا کوئی بدی میرے احسان سے برتر۔ یا کوئی عیب میری عیب پوشی سے افزوں۔

ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن الحکم کو ان الفاظ میں نصیحت کی تھی۔ "بھتیجے میں دیکھتا ہوں کہ تم شاعری کے شائق ہو مگر ایسی غزل کبھی نہ لکھنا جس سے شریف عورتوں کو عار آئے۔ اور مدح و ہجو کی بھی مشق نہ کرنا۔ ہجو میں ناانصافی ہے اور بیہودہ مدح میں بیحیائی۔ ہاں اپنی قوم کے کارنامے نظم کرو اور ایسی امثال بیان کرو جو تمہارے لئے زینت اور غیر کیلئے ادب کا کام دیں"

ایک دفعہ عبداللہ بن صالح نے ان سے پوچھا کہ تم کو سب سے زیادہ پیارا کون ہے؟ کہا جو سب سے زیادہ میری محبت لوگوں میں پھیلاتا ہے۔ ہرکاروں کی ڈاک سب سے پہلے انہوں نے نکالی اور لفافہ پر مہر کرنیکا طریق نکالا۔ اور مہر شاہی کیلئے علیحدہ عہدہ دار بنایا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حجاج بن یوسف ثقفی

حجاج کی خونریزی ضرب المثل ہے اور اسلامی بادشاہوں میں یہ شخص اپنے ظلم وستم کے عجیب وغریب اطوار میں عدیم المثل ہے۔ اس کی ماں فارعہ بنت ہمام ہے۔ ابن جوزی لکھتا ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات گشت کو نکلے ایک گھر سے گانے کی آواز آئی۔ کان لگا کر سنا تو یہ شعر گایا جاتا تھا:

هل من سبيل الى خمر فاشربها　　امر من سبيل الى نصربن حجاج

کیا شراب حاصل کرنیکا کوئی طریق بھی ہے۔ یا نصر بن حجاج کے ملنے کی کوئی تدبیر بھی ہے۔ اس عورت کا نام متمنیہ رکھا گیا اور دریافت سے معلوم ہوا کہ فارعہ کی والدہ حجاج تھی۔ یہی فارعہ حرث بن کلدہ حکیم عرب کے گھر میں تھی۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ صبح ہی صبح فارعہ دانتوں میں خلال کر رہی ہے۔ حرث نے طلاق نامہ لکھ کر بھیجدیا۔ فارعہ نے پوچھا میرا قصور بھی بتلاؤ کہا اگر تو نے صبح اٹھتے ہی کچھ کھایا ہے اور اس لئے خلال کی ضرورت پڑی ہے، تب تو بڑی چٹیل اور کھاؤ ہے۔ اور اگر رات کا کھانا کھا کر صبح کو خلال کرتی ہے تو نہائت بد تمیز ہے اس نے کہا۔ دونوں صورتیں نہ تھیں۔ مسواک کے ریشے دانتوں میں پھنس گئے تھے۔ خلال سے نکال دیئے۔ غرض حرث کے بعد یوسف ثقفی نے فارعہ کیساتھ نکاح کیا۔ اور حجاج اس سے پیدا ہوا۔ جب پیدا ہوا تو مقعد کا سوراخ نہ تھا۔ سوئے کے ساتھ سوراخ کھولا گیا۔ پھر یہ مشکل ہوئی کے ماں کی چھاتی منہ میں نہ لیتا۔ کسی نے بتلایا کہ سیاہ بکری لیکر ذبح کرو اور اس کا خون اس کے ہونٹ پر لگاؤ

دوسرے روز بھی ایسا ہی کرو۔ تیسرے روز سیاہ بکرے کا خون منہ سے لگاؤ۔ چوتھے روز سیاہ سانپ کا خون منہ سے لگاؤ۔ اور سارے چہرہ پر بھی مل دو۔ اس ترکیب کے بعد دودھ پینے لگے گا۔ اسی کی تدبیر کے موافق عمل کیا گیا اور چوتھے روز حجاج دودھ پینے لگا۔

کہتے ہیں کہ جو خون پیدا ہوتے ہی منہ کو لگا تھا اس کی لذت عمر بھر نہ بھولا۔ نسل انسانی کو قتل کراتا اور خوش ہوا کرتا تھا اور خونریزی کے بغیر اسے چین ہی نہ آتا تھا۔ خود اس کا بیان ہے کہ سب سے بڑھ کر مجھے خونریزی میں لذت آتی ہے۔

ابتدائی حال میں باپ کیساتھ مکتب پڑھانے میں شریک ہوا لیکن تھوڑے دن کے بعد ہی عبد الملک کے وزیر روح بن زنباع کی خدمت میں رہنا سہنا اختیار کیا۔ وزیر نے اسے اپنی جائیداد کا انتظام سپرد کر دیا تھا۔

ایک روز عبد الملک نے وزیر کے پاس فوج کے کوچ و مقام کی بیقاعدگی کا ذکر کیا اور افسوس کیا کہ آدھی سے زیادہ فوج پچھلے پڑاؤ پر ہی پڑی رہتی ہے۔ وزیر نے کہا کہ میرے پاس ایک شخص ہے اگر اسے اس خدمت پر مامور کر دیا جائے تو تمام لشکر کا کوچ و مقام باقاعدہ ہو جائے۔ اس شخص کا نام حجاج ہے۔ عبد الملک نے منظور کر لیا جس روز سے حجاج کو یہ خدمت ملی اس نے تمام فوج کو ایک ضابطہ کا پابند کر دیا کہ مقررہ وقت پر کوچ ہو اور مقررہ وقت تک اگلے پڑاؤ پر پہونچ جایا کرے۔

وزیر کے ذاتی ملازمین جو حجاج کو اپنے میں سے ایک سمجھتے تھے۔ ہنوز پہلی عادت کے عادی تھے۔ ایک روز تمام لشکر کوچ کر گیا اور صرف وزیر کا عملہ رہ گیا۔ حجاج نے دیکھا تو وہ ابھی کھانا کھا رہے تھے۔ پوچھا تم لوگ شاہی لشکر کیساتھ روانہ نہیں ہوئے۔ انہوں نے ہنس کر کہا آؤ تم بھی کھانا کھالو۔ حجاج بولا اب وہ وقت گئے اس کے بعد ان سب کو قید کر کے وزیر کے تمام کمپ میں آگ لگوادی۔ وزیر کو خبر ہوئی تو روتے روتے عبد الملک کے پاس گیا اور لمبی چوڑی شکائت کرنے لگا۔ حجاج کو طلب کیا گیا۔

حجاج نے کہا حضور میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ خلیفہ نے پوچھا تو اور کس نے کیا ہے۔ بولا حضور نے۔ کیونکہ میرا ہاتھ حضور کا ہاتھ اور میرا چابک حضور کا چابک ہے۔ حضور کیلئے کچھ بھی دشوار نہیں اگر وزیر صاحب کو ایک خیمہ کے عوض دو خیمہ اور ایک نوکر کے بدلے دو نوکر عطا فرمادیں گے اور مجھے میری خدمت سے معزول نہ کریں۔ عبدالملک نے اس کے جواب کو پسند کیا۔ وزیر کے نقصانات کا معاوضہ دیا گیا اور حجاج کی اس روز سے قدر و منزلت بڑھ گئی۔ حتی کہ عبدالملک نے اسے کل عراق اور خراسان پر گورنر مقرر کردیا۔ عبدالملک کے بعد جب ولید خلیفہ ہوا تو اس کو اس عہدہ پر بحال رکھا۔

عقوبات جسمانی اور قتل و خونریزی کے متعلق اس نے عجیب عجیب ایجادات و اختراع کئے تھے جنکا بیان مفصل تاریخ کی کتابوں سے مل سکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے بعد زیاد بن سمیہ نے (جو حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خلافتوں میں گورنر ایران رہا) حضرت عمرؓ کی تقلید کرنی چاہی مگر حدود سے متجاوز ہو گیا پھر حجاج نے زیاد کی تقلید کرنی چاہی تو بالکل ہی ہلاکت میں گرا۔ زبان میں فصاحت غضب کی تھی۔ اور اہل فصاحت و بلاغت کی قدر بھی کیا کرتا تھا۔ بایں ہمہ سفاکی و بے رحمی بسا اوقات فصاحت کی بدولت اس کی شمشیر سے بے قصور جانیں بچ جاتی تھیں۔ ایک دفعہ خطبہ کیلئے کھڑا ہوا تو کہا لوگو اللہ کے محارم سے صبر کر لینا آسان ہے مگر اللہ کے عذاب پر صبر مشکل۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ تیرے جیسا شوخ دیدہ اور بے حیانہ ہوگا (کہ عمل وہ اور قول یہ) حجاج نے قید کا حکم دیا اور جب نماز سے فارغ ہو کر آیا تو اسے طلب کیا۔ پوچھا تو نے ہمارے سامنے کیوں ایسی گستاخی کی۔ کہا تو خدا کے حضور میں گستاخی کرتا ہے اور اسے برا نہیں سمجھتا۔ لیکن میں نے جب تیرے سامنے گستاخی کی تو اسے کیوں ناپسند جانتا ہے۔ حجاج نے شرمندہ ہو کر اسے چھوڑ دیا۔

اس کے وقت میں اگر کوئی نیک کام ہوا تو یہ کہ نصر بن عاصم نے اس کے حکم سے قرآن مجید کے الفاظ معجمہ پر نقطے لگائے اور تصحیف کیلئے ایک سہولت نکالدی۔ اس کی لطیفہ گوئی کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ جامع مسجد کا ایک دروازہ اس نے تیار کرایا اور ایک عبدالملک نے۔ کچھ عرصہ کے بعد خلیفہ کے بنوائے ہوئے دروازہ پر تجلی گری۔ دروازہ منہدم ہو گیا بادشاہ کو نہائت گراں گزرا۔ حجاج نے خط میں لکھا کہ حضور میری اور آپکی مثال آدم علیہ السلام کے دو فرزندوں (ہابیل قابیل) کی سی ہے۔ قربانی دونوں نے پیش کی تھی۔ لیکن قبولیت صرف ایک کو نصیب ہوئی۔ قبولیت قربانی کی علامت تجلی کا قربانی کو جلا دینا تھا۔ بادشاہ یہ پڑھ کر خوش ہو گیا۔ ایک دفعہ اس نے خواب دیکھا کہ اس کی آنکھیں نکال لی گئی ہیں۔ صبح اٹھ کر خواب کو نو عروس بیوی کی بد فالی سے منسوب کیا اور اس کو طلاق دیدی۔ تھوڑے دن کے بعد اس کا بیٹا محمد مر گیا۔ اور جس دن وہ مرا اسی دن حجاج کے بھائی محمد کی لاش بھی یمن سے پہنچ گئی۔ بولا یہی میرے خواب کی تعبیر تھی۔ کیا کوئی شاعر اس بارہ میں کچھ کہہ سکتا ہے۔ فرزدق نے اس وقت یہ قطعہ پڑھا ؎

ان الرزية لارذية مثلها　　　فقدان مثل محمد و محمد

ملكان قد خلت المنابر منهما　　　اخذالحمام عليهما بالمرصد

یہ ایسی مصیبت ہے جس کی نظیر کوئی نہیں ہو سکتی۔ یہ محمد جیسا شخص اور دوسرے محمد جیسا مرد ہم میں سے گم ہو جاویں۔ یہ دونوں بادشاہ تخت کو خالی کر گئے اور موت نے گھات میں سے نکل کر ان کو پکڑ لیا۔

کہتے ہیں جب بستر مرگ پر دراز ہوا اور مرض الموت میں گرفتار تو ایک نجومی سے دریافت کیا کہ اس سال کسی حکمران کی موت بھی تیرے زائچہ میں نظر آتی ہے۔ کہا ہاں۔ لیکن آپ تو یقیناً وہ نہیں۔ کیونکہ میرے زائچہ میں ایک شخص کلیب نامی

بادشاہ کی موت معلوم ہوتی ہے۔ حجاج نے کہا۔ بخدا میں وہی ہوں۔ کیونکہ پہلے میری ماں نے میرا نام کلیب ہی تجویز کیا تھا۔

جس موت میں یہ مرا ہے اس میں لرزہ اور سردی اسے از حد ستاتی تھی۔ انگاروں سے دھکتی ہوئی انگیٹھیاں جسم سے ایسی قریب کر دیتے کہ جلد بھی جل جاتی۔ تاہم حجاج سردی کی شکائت کئے جاتا۔ حجاج نے تنگ آ کر حضرت امام حسن بصریؒ کے پاس کہلا بھیجا کہ کچھ دعا کرو۔ انہوں نے فرمایا کہ تجھے پہلے ہی ظلم و ستم کرنے، بیگناہوں کو ستانے اور ناکردہ قصور شخصوں کے قتل کرنے سے روکا تھا۔ حجاج نے کہا کہ میں صحت نہیں چاہتا بلکہ صرف یہ چاہتا ہوں خدا مجھے جلد اٹھالے اور عذاب زمہریر سے نجات دے۔ امام حسنؒ یہ سنکر رونے لگے کہ اللہ اکبر جس نے دنیا پر سطوت و جباری سے حکومت کی ہے، اب کیسی درماندگی و لاچاری کے ساتھ دم توڑ رہا ہے۔

خلیفہ ولید کے پاس اپنے الوداعی اشعار لکھ کر بھیجے۔

اذا مالقيت الله عنى راضيا	جب آپ مجھ سے راضی ہیں تو میرے لئے بڑے
فان سرور النفس فى ماهنالك	اطمینان کا موجب ہے۔
حسبى حياة الله من كل ميت	سب مر جانیوالے ہیں تو میرے لئے اللہ پاک کا
وحى بقاء الله من كل هالك	زندہ اور باقی رہنا کافی ہے۔
لقد ذاق هذا الموت من كان قبلنا	جو ہم سے پہلے آئے تھے وہ موت کا پہلے مزا چکھ
و نحن نذوق الموت من بعد ذلك	چکے۔ اب ہم انکے بعد چکھتے ہیں۔

آخری وقت یہ شعر اکثر پڑھتا رہتا تھا جس میں اپنے گذشتہ افعال کو قبول کر کے ندامت کا اظہار نیز استغفار کرتا ہے ؎

يارب قد خلف الا عداء واجتهدوا	ايمانهم اننى من ساكن النار
ايحلفون على عمياء و يحهم	ماظنهم بعظيم العفو غفار

خداوندا میرے دشمنوں نے یقین کر لیا ہے اور قسمیں کھا رہے ہیں کہ میں ضرور ہی جہنمی ہوں افسوس یہ لوگ اندھے پن کیسا تھ قسم کھا رہے ہیں اور پاک پروردگار پر جو بخش دینے والا اور عظیم العفو ہے کیسا گمان کر رہے ہیں۔

پندرہ روز کی سخت بیماری و لاچاری کے بعد رمضان ۹۵ھ کو ۵۴ سال کی عمر میں وفات پائی اور شہر واسطہ میں جسے بصرہ و کوفہ کے درمیان ۸۷ھ میں اس نے خود آباد کیا تھا دفن کیا گیا۔

امام حسن بصریؒ نے اس کی خبر وفات سنی تو سجدہ میں شکر کیا اور دعا کی۔ ''الٰہی اسے وفات دی ہے تو اس کے طور و طریق کو بھی وفات دیدے۔'' اس کے بیگناہ مقتولوں کی تعداد ستر ہزار اور بعض نے ایک لاکھ کئی ہزار تحریر کی ہے جس میں صحابہ و تابعین اور آئمہ مجتہدین بھی بکثرت شامل ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔



معتمد علی اللہ آخر ملوک حیرہ

معتمد علی اللہ قرطبہ واشبیلہ کا والی تھا اور قریباً جزیرہ اندلس کے بڑے حصہ پر اسی کا فرمان جاری تھا۔ ایک شاعر نے معتمد اور اس کے باپ معتضد کی تعریف میں کہا ہے۔

من بنی المنذروهو انتساب　　زادني فخر هم بنو عباد

فتية لم تلد سوا ها المعالی　　والمعالی قليلة الا ولاد

اور نعمان بن منذر کی اولاد سے ہیں اور اس نسب کے فخر کو عباد بن عمر کی نسل میں ہونے نے اور بھی بڑھا دیا ہے۔ یہ ایسے جوان ہیں کہ مادر اجلال نے ان کے سوا اور کوئی نہیں جنا۔ بیشک اجلال بہت کم بچوں کی ماں ہے۔

اس کا دادا ابو طاہر محمد اشبیلہ کا قاضی تھا اور اپنی منصفانہ طبیعت کیوجہ سے تمام ملک میں مشہور تھا۔ اس وقت یحییٰ بن علی بادشاہ قرطبہ تھا۔ تمام ملک اس کے جور و ستم سے تنگ آگیا آخر سرداران ملک نے قاضی ابو طاہر کے پاس جمع ہو کر کہا کہ اگر آپ مخلوق خدا کو اس عذاب سے نجات دلا دیں تو ہم آپ کو بادشاہ بنالیں۔ قاضی موصوف نے مان لیا۔ اور فوج کشی کی گئی۔ یحییٰ بن علی قرطبہ کے محل پر بد مست و بے خود پڑا ہوا تھا۔ حملہ آور فوج نے گرفتار کر لیا اور قتل ہوا۔ قاضی ابو طاہر کو بادشاہ بنایا گیا۔ اس عرصہ میں ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میں ہشام بن الحکم بادشاہ اندلس ہوں جو ۲۳ سال ہوئے مفقود الخبر ہو چکا تھا۔ قاضی نے اسے مان لیا اور تاج و تخت اسی کو سونپ کر خود بطور وزارت کام کرتا رہا اور جب دعویٰ کرنے والا مر گیا تب مکرر باستقلال بادشاہ بن

گیا۔ زبردست عالم وادیب تھااور سیاست ملک وملک داری کا بہت بڑا ملکہ اسے حاصل تھا۔اس کی وفات پر معتضد باللہ اس کا بیٹا تخت نشین ہواجو اگرچہ صافی الذہن اور زکی الطبع ادیب و فاضل تھا مگر درشت خو سخت مزاج ۴۶۱ھ ہجری میں اس کی وفات کے بعد معتمد علی اللہ جس کا ہم حال لکھ رہے ہیں تخت نشین ہوا۔

ابو احسن کتاب ملح الملح میں اس کی نسبت لکھتا ہے کہ معتمد جملہ بادشاہان اندلس سے وسعت اخلاق و سخاوت و فضائل میں بڑھا ہوا تھا۔ شعراء و فضلا اس کے آستان پر جمع ہو گئے تھے اور اہل ہنر و فضیلت دور دور سے چلے آتے تھے حتی کہ اس کے دربار سے بڑھ کر اس زمانہ میں اور کہیں اتنے فاضل موجود نہ تھے۔

معتمد خود بھی شاعر تھا۔اس کے شعر میں پھولوں کی سی نزاکت و لطافت اور موتیوں کی سی رعنائی اور چمک پائی جاتی ہے۔ہجر و وصال کے مضمون پر کہتا ہے ؎

اکشرت ھجرك غیر انک ربما　　عظفتک احیانا علی امور

نکانما زمن التھا جر بیننا　　لیل وساعات الوصال بدور

یعنی جدائی کے لمبے زمانہ میں کبھی کبھی جب تو مل لیتا ہے تو یہ کہنا ٹھیک ہے کہ جدائی کا زمانہ تو راتوں سے مشابہ ہے اور وصل کا زمانہ پور نماشی چاند سے۔

ایک دفعہ بیگمات کو قرطبہ سے اشبیلہ روانہ کیا روانگی رات کی تھی۔ معتمد تھوڑی دور تک ساتھ گیا اور پو پھٹنے کیوقت ان سے جدا ہوا۔اسی پر یہ قطعہ لکھا۔

سائیرتھم والیل المقل ثوبه　　حتی تبدی للنوا ذل علماء

توفقت ثم مود عاو تسلمت　　من یدالا صباح تلک الانجماء

جبکہ رات نے چاروں طرف اپنے سیاہ پردے چھوڑ رکھے تھے میں ان کے ساتھ ساتھ چلا گیا اور جب صبح کا گلکار عباس نظر آنے لگا تب میں ٹھہر گیا اور ان سے وداع ہو کر ان چمکتے ہوئے تاروں کے ہاتھ صبح کے ہاتھ میں دیکر چلا آیا۔وداع پر ہی

ایک اور قطعہ ہے ؂

ولما و قضنا الوداع غذیۃ　　　　و قد خففت فی ساحت القصر رایات

بکینا دما حتی کان عیوننا　　　　یجری الدموع الحمر منھا جراحات

صبح کیوقت (جبکہ روانہ ہونے والے جھنڈے محل کے صحن میں لہرا رہے تھے) ہم وداع کے لئے کھڑے ہوئے اور لہو کے آنسوؤں سے روئے۔ گویا جن آنکھوں سے وہ لہو گر رہا تھا آنکھیں نہیں بلکہ بھرا ہوا پھوڑا تھیں۔

اپنے مصاحبین کو جو صبح کیوقت قصر زہرا میں تھے طلب کرتا ہے۔

حسد القصر فیکمہ الزھراء　　　　و لعمری و عمر کم ماا ساء

قد طلعتم بھا شموسا نھارا　　　　فاطلعوا عندنا بد ورا مساء

قصر زہرا کو بھی تم پر حسد ہے اور یہ حسد کچھ ناموزوں بھی نہیں۔ دن میں تم وہاں سورج ہو کر چمکے ہو تو شام کو یہاں چاند بن کر طلوع کرو۔

قصر زہرا جس کا ذکر اس قطعہ میں ہے دنیا کے عجائبات میں سے ہے۔ اسے عبدالرحمٰن اموی نے قرطبہ سے چار پانچ میل پر اپنی بیگم زہراء کے نام پر ۳۲۵ھ ہجری میں تعمیر کرایا تھا۔ قصر کا طول دو ہزار سات سو گز اور عرض ایک ہزار پانچ سو گز تھا۔ قصر کی سقف کو چار ہزار تین سو ستون سر پر اٹھائے ہوئے تھے۔ جس وقت یہ قصر تعمیر کیا گیا ہے اس وقت اندلس کا محاصل اراضیات پانچ کروڑ چار لاکھ اسی ہزار دینار اور محاصل متفرقہ سات لاکھ پینسٹھ ہزار دینار تھے۔ عبدالرحمٰن کل آمدنی کا ایک ثلث فوج پر، ایک ثلث دیگر اخراجات سلطنت پر اور ایک ثلث اس عمارت پر صرف کیا کرتا تھا۔

معتمد کے عہد میں کل ملک اندلس پر شاہانہ اور اعلیٰ طاقت کے ساتھ ایک عیسائی بادشاہ از تونش نامی مسلط تھا اور تمام اسلامی ریاستیں اسے خراج ادا کیا کرتیں ۴۷۸ھ ہجری میں اس عیسائی بادشاہ نے طلیطلہ فتح کیا اس سال جو خراج معتمد علی اللہ

نے اس کو بھیجا وہ قبول نہ کیا بلکہ کہلا بھیجا کہ تم تمام جنگی قلعہ جات چھوڑ کر صرف ہموار سطح پر اپنا قبضہ رکھو۔ معتمد نے سفیر کو قتل کرادیا۔ اذ قونش یہ سنکر نہائت طیش میں آیا اور اسی بہانہ پر لڑائی کی تیاری کا حکم دیا۔ جب علماء و فقہاء کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے ایک انجمن میں جمع ہو کر مشورہ کیا۔ کہا ہماری چھوٹی چھوٹی ریاستیں باہمی جنگ و جدل میں مصروف ہیں اور نصاریٰ یکے بعد دیگرے اسلامی حکومتوں کو خاک میں ملا رہے ہیں اگر یہی حالت رہی تو اسلامی حکومتوں کا خاتمہ ہو جائیگا۔ آخر قاضی عبداللہ کی رائے یہ ٹھیری کہ یوسف بن تاشفین بادشاہ مراکو سے مدد حاصل کرنا چاہئے۔ معتمد علی اللہ نے اس رائے کو پسند کیا اور یوسف بن تاشفین بخدمت میں خط روانہ کیا گیا وہ فوراً دس ہزار جنگ آزما فوج لیکر مقابلہ میں آیا اذ قونش نے لمبے چوڑے خط لکھ کر امیر یوسف کو ڈرانا چاہا۔ جس کے جواب میں یوسف نے صرف یہ لکھ بھیجا کہ جو ہونا ہے اسے تم جلد دیکھ لو گے۔ اگلے روز جنگ شروع ہوئی۔ صرف اذ قونش چند نفروں سمیت جان بچا کر بھاگ سکا۔ باقی تمام عیسائی فوج وہیں کام آئی۔ معتمد علی اللہ نے بھی لڑائی میں ایسی سعی و کوشش اور جرات و شجاعت دکھلائی کہ سراپا زخموں سے چور ہو گیا۔

امیر یوسف اس فتح کے بعد اپنے دارالسلطنت کو لوٹ کر چلا گیا۔ دوسرے سال پھر آیا اور معتمد کو ساتھ لیکر اہل فرنگ کے ایک قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن جب قلعہ فتح نہ ہوا تو غرناطہ کی سیر کرتا ہوا واپس چلا گیا غرناطہ کی سیر کیا کی وہاں کی نفاست و لطافت مال وزر، تجارت و صنعت میوہ جات، اور ترکاریاں محلات و باغات، بازار اور چراگاہیں دیکھ کر حیران ہو گیا۔ مراکو میں یہ سامان خواب و خیال میں بھی نہ تھے۔ امراء و مصاحبین بھی اس ملک کے شیفتہ ہو گئے۔ امیر کو ترغیب دینے لگے کہ اس ملک پر تو خود قبضہ کر لینا چاہیئے۔ اسی ضمن میں معتمد علی اللہ کی نسبت ایسی ایسی باتیں بنا کر سناتے رہے۔ جن سے امیر کا مزاج برگشتہ ہو جائے آخر اراکین دربار کا فریب چل گیا اور امیر

نے اشبیلہ فوج کشی کا حکم دیا سخت محاصرہ کے بعد شہر فتح ہو گیا۔ تمام باشندگان بیَک بینی ودو گوش کہ ستر عورت کیلئے بھی بدن پر دھجی نہ تھی، باہر نکالے گئے۔ معتمد علی اللہ قید کر لیا گیا۔ شاہی کنبہ کے تمام مرد وزن ایک رسی سے بندھے ہوئے اور ایک دوسرے پر اوندھے پڑے ہوئے تھے۔ سب کو ایک کشتی میں ڈالا گیا اور امیر کخدمت میں بھیجد یا گیا۔ عبدالجبار شاعر نے کشتی کو روانہ ہوتے دیکھ کر ایک قصیدہ لکھا جسکا ایک شعر یہ ہے۔

رفعت لسانی بالقیامتہ قداتت فھدای الجبال الراسیات تسیر

میری زبان سے بے اختیار نکل گیا کہ لو قیامت آگئی۔ دیکھ لو یہ بڑے بڑے پہاڑ چل رہے ہیں۔ عربی شاعر عظیم المرتبت شخص کو پہاڑ سے تشبیہہ دیا کرتا ہے۔

جب یہ قیدی امیر یوسف کے سامنے کئے گئے تو اس نے معتمد کو شہر اغمات میں طوق و سلاسل کے ساتھ قید رکھنے کا حکم دیا جہاں یہ نیک بادشاہ اپنی زندگی کے آخری سانس تک رہا۔

اللہ اکبر کیا عبرت کا مقام ہے کہ چار روز پہلے جس کا ملک میں سکہ و خطبہ جاری تھا۔ جو سنہری تخت پر ناز سے قدم رکھتا تھا جس کے حضور میں بڑے بڑے گردن کش حاضر ہوتے ہوئے تھراتے تھے۔ وہ کیسی گمنامی کیساتھ فرش خاک پر طوق و سلاسل کے شکنجہ میں پڑا ہوا ہے اور کس طرح ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم کی مہربانی کیلئے التجا کرتا ہے۔

ایک شاعر نے جو نمک پروردہ بھی تھا اپنے آقا کی اس رلا دینے والی حالت پر قصیدہ لکھا ہے۔ عربی دماغ کے خیالات معلوم کرا دینے کیلئے بعض اشعار درج کرتا ہوں۔

و قل لی مجازا ان عدمت حقیقتہ لملک فی نعم و قد کنت منعما

گو حقیقۃً نہیں لیکن مجھ سے مجازاً ہی بتلا دیجئے کہ کیا آپ نعمتوں میں ہیں۔ شاید ایسا ہی ہو کیونکہ قدیم سے آپ نعمت پروردہ تھے۔

افکرفی عصر مضی لک مشرقا فیر جع ضواء الصبح عندی مظلما

میں جب آپکے پچھلے روشن زمانہ کو یاد کرتا ہوں تو صبح کی روشنی میری آنکھوں میں تاریک نظر آتی ہے۔

و اعجب من افق لمجرۃ اذری کسونک شمساکیف الطلع انجما

میں تو پیروین کو دیکھ دیکھ کر حیران ہوں کہ جب بڑے سے آفتاب کو گہناتے ہوئے دیکھ چکا ہے تو اب ستارہ ہو کر کس طرح چمکتا ہے۔

صبا حھم کنا حھم تحمدالسریٰ فلما عدمناھم سرینا علی عمیٰ

ان کے عہد میں ہم صبح کے خواب شیریں میں تھے لیکن جب وہ نہ رہے تو ہم اندھے رہ گئے۔

وکنا وعینا العزحول حماھم فقد اجدب المرعیٰ و قد اقصر الحمیٰ

عزت واقبال ان کے سبزہ زار کار کھوالا تھا مگر اب وہ سبزہ ہی خشک ہو گیا وہ پٹیر ہی کلر شور بن گیا۔

سینجیک من نجی من الجب یوسفا و یو ویک من اوی المسیح ابن مریما

تجھے وہ پاک پروردگار نجات دیگا جس نے یوسف کو چاہ سے نکالا تھا۔ تجھے وہ مالک امن گاہ تک پہنچائیگا جس نے مسیح کو بچایا تھا۔

وفا و مروت میں جو لوگ ثابت قدم تھے وہ زنداں میں بھی جا کر معتمد سے ملا کرتے اور پہلے کی سی تعظیم وآداب کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ابو بکر شاعر اسے ملنے کیواسطے گیا تو معتمد نے ۲۰ دینار ایک چوغہ قلمکار اس کے پاس بھیجا اور یہ قطعہ بھی لکھا۔

الیک النذرمن کشف الاسیر فان تقبل تکن عین الشکور

تقبل مایکون له حیاء وان عذرته احوال الفقیر

یہ تمہاری نظر ہے جو قیدی پیش کرتا ہے۔ اگر تم نے اسے منظور کیا۔ تو مشکوری کا باعث ہے گو فقیرانہ حالت نے مجھے معذور کر رکھا ہے۔ تاہم مجھے اس تھوڑی سے چیز پر شرم آتی ہے۔ بہر حال تم اسے منظور ہی کر لو۔

عید کا دن تھا اور شہر میں چہل پہل ہو رہی تھی۔ اتنے میں معتمد کی دو بیٹیاں وہ ناز پروردہ شہزادیاں اپنے باپ کو دیکھنے کیلئے زنداں میں آئیں۔ یہ لڑکیاں گلی بازار میں لوگوں کو گیت سنا کر بھیک مانگ کر گذران کرتی تھیں۔ زنداں میں ایک عہدہ دار بھی موجود تھا پہلے معتمد کا ملازم اور ادنٰے چاکر رہ چکا تھا۔ شہزادیوں کو دیکھ کر دل بھر آیا اور بے ساختہ یہ شعر پڑھنے لگا۔

فیما مضٰی کنت بالاعیاد مسرورا فساء ك العیدفی اغمات ماسورا

آج سے پہلے عید کے دنوں میں تو آپ خوش و خرم ہوتے تھے لیکن اغمات کی عید میں بھی اسیر پڑے ہو۔

ترٰی بناتک فی الا ظمار جائعته یغزلن للناس لا یملکن قطمیرا

تو اپنی بیٹیوں کو ایسی حالت میں دیکھ رہا ہے کہ پیٹ سے بھوکی اور بدن سے ننگی ہیں۔ لوگوں کے سامنے گیت گاتی ہیں اور کوڑی پاس نہیں۔

بزرن نحوك للتسلیم خاشعته بصارهن حیرات مکا سیرا

لڑکیاں تجھے مودبانہ سلام کرنے کیلئے آئی ہیں اور انکی نگاہ سے حسرت و شکستگی ٹپک رہی ہے۔

من بات بعدك فی ملک یسربه فانما بات بالا حلام مغرورا

آپکے بعد جو حکومت پر خوش ہو گا اس کی وہی مثال ہے جو خواب و خیال پر خوش ہوتا ہے۔

ایک دن معتمد کا بیٹا ابو ہاشم زنداں میں اپنے باپ کو دیکھنے گیا۔ دیکھا لوہے میں جکڑا ہوا ہے کہ کروٹ لینا بھی دشوار ہے آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی ایسی جاری

ہے کہ بند نہیں ہوتی۔ فرزند کو دیکھ کر اور بھی دل بھر آیا اور ذیل کے اشعار پڑھنے لگا۔

قیدی امالعلمنی مسلما	اے! قید تو مجھے مسلمان نہیں سمجھتی۔
ابیت ان تشفق وور ترحما	کہ رحم و شفقت میرے لئے جائز نہیں سمجھی گئی۔
دمی شراب لک و اللحم قد	میرا لہو پی لیا گوشت کھا لیا۔
اکلته لا تهشم الا عظما	اور ہڈیوں کو چور چور بنا دیا۔
یبصرنی منک ابو ہاشم	ابو ہاشم میری خبر لینے آیا ہے مگر اے قید مجھے تیرے
فیشنی و القلب قد هشما	ساتھ دیکھ کر اس کا دل ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔
ارحم طفیلا طایش لبه	نادان بے تمیز گم کردہ ہوش و حواس بچے پر ہی رحم
لم یخشی ان یاتیک مترحا	کر جو تیرے سامنے رحم کی درخواست کرنے سے نہیں جھجکتا۔
وارحم اخیات له مثله	اس بچہ کی بہنوں پر ہی رحم کر جن کو اس بچہ کے ساتھ ہی
جرعتهن السم و العلقما	تو نے حنظل و زہر کا گھونٹ پلا دیا ہے۔
منهن من یفهم شیئا فقد	لڑکیوں میں سے کوئی تو اس عمر کی ہے جو اس مصیبت کو سمجھ سکتی ہے؟
خفنا علیه للبکاء العمیٰ	سو وہ اتنا رو رہی ہے کہ اسکے اندھا ہو جانیکا ڈر ہے
والغیر لا یفهم شیئا	کوئی لڑکی ایسی ہے جو کچھ بھی نہیں جانتی۔ وہ صرف
یفتح الا لرضاع فما	چھاتی چوسنے کیلئے منہ کا کھولنا جانتی ہے۔

ابو بکر جو دربار معتمد کا شاعر خاص تھا ایک دفعہ اس نے معتمد کے پوتے کو دیکھا کہ رنگریزی کی دکان کر رکھی ہے اور فخر الدولہ کہلائے جانے کے بعد پیسہ پیسہ پر کپڑے رنگ رہا ہے۔ یہ قطعہ لکھ کر اس کے سامنے پیش کیا اور اپنی نمک حلالی کا ثبوت دیا۔

شکاتنافیک یا فخر العلاء عظمت والرزء یعظم فیمن قدرہ عظما

اے فخر العلاء تیرے بارے میں ہم کو بہت بڑا افسوس ہے بیشک عظیم الشان کی مصیبت بھی عظیم ہی ہوا کرتی ہے۔

طوقت من نائبات الدھر عنقته ضاقت علیه وکم طوقتنا النعما

یا تو ہماری گردنوں میں قیمتی گلوبند پہنایا کرتا تھا۔ یا زمانہ نے تیرے گلو میں سانس کو بند کر دینے والے طوق ڈال دیئے۔

صرفت فی آلة الصورغ انملة لم تدرالا الندی والسیف والقلما

تو نے ان انگلیوں کو رنگریزی میں ڈال رکھا ہے جو زرپاشی، سفیرائی۔ قلمگیری کے سوا کچھ نہیں جانتی تھیں۔

تدعھد تک للتقبیل تبسطھا فنتقل الثریا ان تکون فما

وہ ہاتھ اگر تو اسے بوسہ دہی کیلئے پھیلا دیتا تو ثریا سراپا دہن ہو کر آگے بڑھتا۔

معتمد علی اللہ ۴۳۱ھ میں پیدا ہوا ۴۸۸ھ میں جیل خانہ کے اندر وفات پائی صاحب تخت و تاج اور مالک سکہ و خطبہ ہوئیے بعد گمنامی کیساتھ دفن ہوا۔ اس کے مرنے کے بعد بھی شاعروں نے دردناک الفاظ میں مرثیے لکھے۔ اور مدتوں تک پرانے نمکخوار قبر کے مجاور بنے رہے۔ ایک روز چند شاعر اکٹھے ہو کر قبر پر پہنچے عبدالصمد جو خاص شاعر تا وہ آگے بڑھا اور قطعہ ذیل پڑھا۔

ملک الملوك اسامع فانادی ام قدعدتک عن السماع عوادی

اے شہنشاہ کیا آپ سنیں گے میں کچھ عرض کروں۔ یا آپ فریاد سننے سے بیزار ہیں۔

لمانقلت عن القصورو لم تکن فیھا کما قد کنت فی لا عیاء

جب ان محلوں سے (دنداں۔ سے مراد ہے) جہاں آپ کچھ زیادہ خوش نہ تھے چلے آئے۔

اقبلت فی ھذا الثریٰ لک حاضرا وجعلت قبرک موضع الانشاد

تو میں بھی خاک گور بر ادب و تواضع کیساتھ حاضر ہو گیا ہوں۔ آپ کی قبر کو بھی نہیں قصیدہ خوانی کی جگہ سمجھ لیا ہے۔

اتنا پڑھتے ہی زمین پر گر پڑا۔ قبر پر لوٹتا تھا اور اپنے چہرہ پر خاک گور ملتا جاتا تھا۔ خود بھی رویا اور دوسروں کو بھی رلایا۔

پیارے قارئین اس تمام دردناک داستان سے عبرت پکڑو اور چند سبق حاصل کرو۔

۱۔ ہم کو ایسے علماء کی ضرورت ہے جو قوم کے اسباب تنزل پر غور کرنے اور وجوہ ترقی پر عمل کرنے کیلئے بادشاہ وقت کو مشورہ دینے والے ہوں جیسے کہ اذ قونش کے حملہ پر علماء عہد نے معتمد کو دیا تھا۔

۲۔ خواہ کوئی کیسا ہی عالی خاندان کیوں نہ ہو اور کیسے ہی اعلیٰ عہدہ پر کیوں نہ رہ چکا ہو مصیبت پڑنے کے بعد اسکو ادنیٰ سے ادنیٰ پیشہ اختیار کرنے اور وجہ حلال سے شکم پری کا طریق نکالنے میں تامل نہ کرنا چاہئیے جیسے فخر الدولہ نے رنگریزی اختیار کرنے میں اپنی اعلیٰ جوانمردی کا ثبوت دیا۔

۳۔ محسن کے احسانات کو ہمیشہ یاد رکھو اور اگر وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے تب جہاں تک ممکن ہو ثبات واستقلال کے ساتھ اس کی محبت میں رہو۔ جیسا کہ معتمد کے اکثر ملازموں اور شاعروں نے کیا۔

۴۔ خیال کرو کہ کیونکر پہلی سلطنتیں عروج پاتی اور ہبوط میں گرتی رہی ہیں۔



ملک شاہ سلجوقی

ابوالفتح کنیت 'ملک شاہ نام ہے۔ الپ ارسلاں سلجوقی اس کا باپ تھا۔ الپ ارسلان سفر میں تھا کہ بستر مرگ پر بیمار ہو کر پڑا۔ ملک شاہ ساتھ تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے سفر میں بھی باپ کیساتھ ہوتا تھا۔ باپ نے بیٹے کو بلایا۔ اپنے سامنے بادشاہ بنایا۔ پھر ارا کین سلطنت اور سرداران فوج کو بلا کر اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا حلف لیا۔ پھر نظام الملک وزیر اعظم کو بلا کر سمجھایا کہ فلاں فلاں اضلاع دوسرے بیٹوں کو تقسیم کر کے دیدے اور وہ سب اپنے بڑے بھائی کی اطاعت میں رہیں۔ الپ ارسلاں مر گیا اور ملک شاہ دارالسلطنت کو روانہ ہوا۔ آگے چل کر معلوم ہوا کہ چچا مخالف ہو کر باغی بن گیا ہے۔ نظام الملک فوج لیکر آگے بڑھا۔ اسے شکست ہوئی اور گرفتار کر کے ملک شاہ کے سامنے لایا گیا۔ چچا نے معافی کی درخواست کی لیکن شاہ نے پذیرائی نہ کی۔ اس نے جیب سے ایک خریطہ نکالا جس میں سینکڑوں خطوط تھے۔ کہا جبتک میرے پاس آپکے سرداروں اہلکاروں کے اسقدر خطوط نہ پہنچے 'اس وقت تک میں نے بغاوت نہیں کی۔ پس قصور صرف میرا ہی نہیں۔ شاہ نے نظام الملک کو بلایا۔ خریطہ دیکر کہا کہ ان سب کو پڑھو اور دیکھو کس کس نے کیا کیا لکھا تھا۔ نظام الملک نے خریطہ ہاتھ میں لے لیا کمرہ میں انگیٹھی خوب روشن ہو رہی تھی۔ جھٹ اس کو انگیٹھی میں ڈالدیا۔

جس وقت سے بادشاہ کے ہاتھ میں منافق سرداروں کے وہ خطوط آگئے تھے ان میں عجب طرح کی کھلبلی اور بے چینی پھیل گئی تھی سب کو مجسم موت نظر آنے لگی

تھی۔ اور دل میں سب ٹھانے بیٹھے تھے کہ اگر شاہ نے قتل کا حکم دیا تو دو دو ہاتھ کئے بغیر ہم بھی اپنی جان نہ دینگے۔ لیکن جب نظام الملک نے سب خطوط کو آگ میں ہی ڈالدیا تو سب کی تسکین ہوگئی اور ہر ایک نے یہی چاہا کہ سب سے زیادہ وفاداری اور خدمت گذاری کا وہی اظہار کرے تاکہ احتمالی طور پر بھی ان پر شبہ نہ ہوسکے۔ پس یہی ایک سادہ اور پر معنی تدبیر تھی۔ جس سے ملک شاہ کی حکومت مستحکم ہوگئی اور آئندہ فتوحات بھی اس قدر بادشاہ کو حاصل ہوئیں کہ خلفائے متقدمین کے بعد کسی بادشاہ کو نصیب نہ ہوئی تھیں۔ اس کی حدود سلطنت کاشغر سے لیکر بیت المقدس تک اور قسطنطنیہ سے لیکر بلاد خزر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ خاص بغداد بھی اس کی زیر حکومت تھا اور خلیفہ صرف نام کا رہ گیا تھا۔ جیسے اکبر ثانی وغیرہ شاہان دہلی پنشن خواری کی حالت میں بھی بادشاہ کہلاتے تھے۔ اتنی بڑی سلطنت میں امن وامان ایسا تھا کہ ماوراء النہر سے لیکر شام کی انتہائی سرحد تک قافلے بلا روک ٹوک آتے جاتے تھے اور ان کے ساتھ ایک سپاہی بھی حفاظت کیلئے نہ ہوتا تھا۔ اکادکا آدمی ہزاروں کا مال لیکر لمبے لمبے سفر کیا کرتا تھا اور اسے بدامنی کا کوئی ہراس نہ ہوتا تھا۔

بادشاہ ایسا فتح نصیب تھا کہ جتنی لڑائیوں میں خود شامل ہوا یا فوج بھیجی سب مظفر و منصور واپس ہوئی جسقدر فتح کا خیال تھا۔ اسی قدر آبادی ملک کا بھی دھیان رکھتا تھا۔ تمام ملکوں میں نہروں کا جال بچھادیا۔ اور ہر ایک بڑے شہر کی فصیل تیار کرادی تھی اور جابجا شاہراہوں پر پل بنوادیئے تھے۔ بغداد کی جامع سلطان کا بانی بھی یہی ہے۔ مکہ مکرمہ کی راہ میں بیسیوں مہمانسرائیں تیار کرادیں اور ان پر بہت زیادہ روپیہ صرف کیا۔ شکار کا تو عاشق تھا جب فرصت ملتی شکار کو چلا جاتا۔ ایک دفعہ حکم دیا کہ جتنے جانور ہم نے شکار کئے ہیں ان کا شمار کیا جاوے۔ بھول چوک چھوڑ کر دس ہزار گنتی میں آئے۔ بادشاہ نے دس ہزار دینار خیرات کئے کہا میں خدا سے عفو چاہتا ہوں کہ بہت سے ایسے

مارے گئے جو کھائے نہیں گئے اس کے بعد جو شکار کرتا ایک دینار صدقہ دیتا۔

طبیعت میں تواضع اور انکسار اسقدر تھا کہ ایک دفعہ حاجیوں کو رخصت کرنے کیلئے کوفہ سے نکلا تو کئی کوس تک ان کے ساتھ پا پیادہ ہی چلا گیا۔ جب بیٹر میں پہنچا تو وہاں ایک بہت بڑا گور خرمل گیا حکم دیا کہ جس قدر جانور ہم شکار کر چکے ان کے سب کے کھر اور سینگ اکھٹے کر کے اس جگہ ایک مینار تیار کر دیا جائے جسے دیکھ کر وحشی بھاگ جایا کریں۔

خبر آئی کہ حقیقی بھائی باغی ہو گیا۔ لشکر لے کر چلا۔ راستہ میں امام علی بن موسیٰ رضاؒ کا مشہد آیا۔ نظام الملک کو لیکر روضہ میں چلا گیا۔ ایک گوشہ میں نماز پڑھی اور دونوں نے دعا مانگی۔ باہر آ کر نظام الملک سے پوچھا کہ تم نے یہاں کیا دعا مانگی کہا حضور کی فتح و نصرت کی۔ کہا میں نے تو یہ دعا مانگی ہے کہ خداوند کریم ہم دونوں بھائیوں میں سے جو رعیت کو زیادہ نفع پہنچانیوالا اور مسلمانوں کی حالت کو زیادہ درست رکھنے والا ہو اس کو فتح دے۔

ایک دفعہ ایک واعظ سے وعظ سننے لگا۔ واعظ نے بیان کرتے ہوئے یہ حکائت سنائی اکاسرہ (فارس کے آتش پرست بادشاہوں) میں ایک شکار میں تنہا رہ گیا اور ایک باغ میں جا پہنچا۔ ایک چھوٹی سی لڑکی وہاں موجود تھی اس نے پانی مانگا۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد شربت اور برآب کا گلاس لے آئی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ مٹھاس کس چیز کی ہے۔ کہا باغ میں نہائت عمدہ قسم کے پودے ہیں ہاتھ سے ذرا دباؤ تو رس نکل پڑتا ہے۔ اس پانی میں ڈالکر میں نے شربت بنا لیا ہے۔ کہا اچھا ایک گلاس اور لا۔ لڑکی چلی گئی۔ بادشاہ نے دل میں کہا کہ ایسا باغ ہمارے پاس ہونا چاہئیے۔ ان کو معاوضہ میں کوئی باغ دے کر شاہی قبضہ کر لونگا۔ لڑکی دیر کے بعد رونی شکل بنا کر آئی۔ کہا ہمارے بادشاہ کی نیت میں اس وقت فرق آ گیا۔ بادشاہ نے کہا کیونکر۔ کہا اب کی دفعہ بڑی دقت اور زور

سے رس نکلا ہے اور وہ بھی کم۔ بادشاہ نے دل میں کہا کہ اس کی آزمائش کرنی چاہئیے۔ میں اپنے ارادہ کو فسخ کرتا ہوں۔ کہا اچھا ایک گلاس اور لے آ۔ لڑکی جلدی آگئی اور ہنستی ہوئی آئی۔ کہا شکر ہے کہ بادشاہ کی نیت درست ہوگئی اور پودے پہلے جیسے بن گئے۔

ملک شاہ نے یہ سنکر واعظ کو کہا کہ اس کے ساتھ وہ قصہ بھی تو لوگوں کو سنا دینا چاہئیے کہ نوشیروان نے ایک باغبان سے (جو بادشاہ کو پہچانتا نہ تھا) انگور کا ایک خوشہ مانگا۔ باغبان نے کہا کہ بادشاہ نے ابھی بٹائی نہیں لی، اس لئے میں خیانت نہیں کر سکتا۔ مجلس وعظ کے حاضرین حیران رہ گئے کہ واعظ نے جس درجہ کی کہانی سنائی تھی جس سے بادشاہ کا رعیت پر حق نکلتا ہے۔ بیشک دونوں کو اپنے اپنے حقوق کی کامل نگہداشت کرنی چاہئیے۔ ہمدانی لکھتا ہے کہ ایک دفعہ ایک حبشی روتا ہوا بادشاہ کے پاس آیا۔ کہا میں ایک تربوز خرید کر لایا تھا۔ دو تین فوجی ترک سامنے آئے چھین کر لیگئے۔ بادشاہ نے کہا ہمارے خیمہ میں خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ۔ پھر خادم کو بلایا۔ کہا کہ میرا دل تربوز کھانیکو چاہتا ہے کہیں سے لاؤ۔ اس نے کمپ میں تلاش کرائی۔ وہی تربوز ایک سردار کے پاس مل گیا جب اسے خبر ہوئی کہ بادشاہ کھانا چاہتا ہے تو خود لیکر حاضر ہوا۔ بادشاہ نے کہا یہ کہاں سے آیا۔ کہا چند سپاہی میرے پاس تحفۃً لائے تھے کہا ان کو حاضر کرو۔ سردار سمجھ گیا کہ ان کو سزا ملیگی۔ آکر کہہ دیا۔ حضور وہ تو اس وقت کمپ سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ بادشاہ نے حبشی کو بلایا۔ کہا اس سردار کو ہم تیرا غلام بناتے ہیں۔ جبتک یہ تجھے خوش نہ کرے۔ تیرا غلام ہے۔ امیر نے خیمہ سے باہر جاکر اسے تین سو روپیہ دیکر خوش کیا اور اپنا پیچھا چھڑایا۔ کہتے ہیں کہ رسد رسانی افواج کا انتظام ایسا عمدہ تھا کہ جس شہر یا قصبہ میں بادشاہ جاکر اترتا وہاں کا نرخ روزمرہ کی نسبت اور سستا ہو جاتا کیونکہ بعض مواقع پر عام لوگ کم ریٹ سے ضروریات زندگی خرید کر سکتے تھے۔ ہمدانی لکھتا ہے کہ رے میں ایک مغنیہ نہائت حسین و جمیلہ تھی۔ بادشاہ نے اسے راگ سننے کیلئے بلایا۔ مگر صورت

دیکھتے ہی مفتون ہو گیا۔ جب اپنا ارادہ اس پر ظاہر کیا تو کہا حضور مجھے غیرت آتی ہے کہ خدا نے مجھے ایسی صورت شکل عطا فرمائی ہے اور میں اس کو جہنم کا ایندھن بناؤں۔ حضور جانتے ہیں کہ حلال و حرام میں صرف ایک کلمہ کا فرق ہے اور جب حلال ایسی آسانی سے میسر آسکتا ہو تو حرام سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ بادشاہ نے کہا سچ کہتی ہو۔ اس وقت قاضی کو بلوا کر نکاح پڑھوا لیا۔

کہتے ہیں کہ بادشاہ نے اپنی بیٹی کا نکاح خلیفہ مقتدی باللہ کے ساتھ کر دیا تھا۔ اس کے شکم سے ابوالفضل جعفر پیدا ہوا۔ ولادت کی خوشی میں تمام شہر بغداد کی آئینہ بندی اور چراغاں کی گئی۔ ملک شاہ کو اب یہ خیال پیدا ہوا کہ خلیفہ پر یہ زور ڈالے کہ جعفر کو اپنا ولیعہد قرار دے۔ خلیفہ ایسا کرنا نہ چاہتا تھا کیونکہ وہ اپنے بڑے بیٹے مستظہر کو ولی عہد بنا چکا تھا۔ خلیفہ نے پہلے انکار کر دیا۔ لیکن جب ملک شاہ نے خود بغداد میں آکر اس پر بہت زور ڈالا تو خلیفہ نے دس یوم کی مہلت غور کرنے کیلئے طلب کی۔ بادشاہ شکار کو چلا گیا۔ شکار میں اس نے کیا گورخر مارا۔ اس کے کباب بنا کر کھائے اور کھاتے ہی بیمار ہو گیا۔ بغداد میں واپس لایا گیا۔ دو روز بیمار رہ کر مر گیا۔ کہتے ہیں کہ خلیفہ نے دس یوم کی مہلت لیکر روزہ رکھنا شروع کیا اور زمین پر اپنا بستر بچھا لیا افطار کیوقت دعا مانگتا کہ الٰہی مجھے شاہ کے تقاضا سے نجات دے۔ چنانچہ بادشاہ اس دس یوم کے اندر بیمار ہو کر مر گیا تھا۔ اس کے مرنے پر کسی قسم کا جزع و فزع اور اظہار ماتم نہیں ہوا۔ دستور تھا کہ ماتم شاہ میں سوار اپنے گھوڑوں کی دمیں کاٹ ڈالتے تھے۔ یہ رسم بھی نہیں کی گئی۔ نہائت سہولت کیساتھ بغداد سے جنازہ اصفہان لایا گیا اور مدرسہ عظیمہ میں دفن کیا گیا۔

ولادت ۹ جمادی الاول ۴۴۷ھ۔ وفات ۱۶ شوال ۴۸۵ھ۔ مدت سلطنت ۲۰ برس۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

طغرل بک بانی خاندان سلجوقیہ

سلجوقی دراصل ترک ہیں اور صاحب ملک و حکومت ہونے سے پیشتر یہ قوم بخارا اور ماوراء النہر کے درمیان بود و باش رکھتی تھی۔ وہ کسی سلطنت کو خراج نہ دیتے تھے۔ اگر کوئی سلطنت ان پر حملہ بھی کرتی تو بھاگ جاتے یا محصور ہو کر مقابلہ میں حملہ آور فوج کو شکست دے کر نکال دیتے۔ سلطان محمود غزنوی نے ان کی طاقت و شجاعت اور کثرت تعداد و آزادی کو خوفناک سمجھ کر سردار قوم کو اپنی طرح طرح کی مہربانیوں سے گرویدہ بنالیا اور اس کی آمد و رفت دربار میں ہو گئی۔ ایک دفعہ موقعہ مل جانے پر اسے قید کر دیا گیا اور قوم کے افراد بھی اسیر کر لئے گئے۔ اراکین دربار میں سے کسی کی رائے تھی کہ ان کو جیحون میں غرق کر دیا جائے۔ کوئی کہتا تھا کہ صرف نر انگشت کاٹی جائے تاکہ نہ تیر چلا سکیں اور نہ ہتھیار اٹھا سکیں۔ لیکن سلطان محمود نے ان کو دریائے جیحون سے پار اتار کر چھوٹی چھوٹی بستیوں کو متفرق کر دیا اور ہلکا سا خراج بھی مقرر کر دیا۔ کچھ عرصہ تک یہ لوگ امن و امان سے آباد رہے لیکن پنجہ حکومت کے مضبوط ہو جانے پر عمال کی سخت گیری و زیادہ ستانی ان کو تنگ کرنے لگی۔ ایک ہزار گھر یہاں سے اجڑ کر علاقہ کرمان کو چلے گئے۔ بہاؤ اللہ بن عضد الدولہ وہاں کا حاکم تھا اس نے چودہریوں کو خلعت دیکر سب کو اطمینان دلایا اور اپنے زیر سایہ آباد ہونیکا ارشاد فرمایا۔ اس کا منشا ان سے فوجی خدمت لینے کا تھا۔ لیکن دس دن گذرے تھے کہ بہاؤ الدولہ مر گیا اور یہ مہاجر قوم ویلم سے ڈر کر اصفہان کو چلی گئی۔ یہاں کا حاکم علاء الدولہ تھا اس نے بھی ان لوگوں

سے مدارات ہی کی اور فوج میں داخل کر لینے کا ارادہ کیا لیکن اتنے میں سلطان محمود کا مراسلہ پہنچ گیا۔ جس میں ان لوگوں کو ملک سے خارج یا قتل کر دینے کیلئے تاکید کی گئی تھی۔ سخت خونریزی کے بعد بچے کھچے سلجوقی آذربیجان کو روانہ ہو گئے۔ ان کے جو گھر خراسان میں ہی رہ گئے تھے سلطان نے ان پر لشکر کشی کا حکم دے دیا۔ وہ خوارزم کی متصلہ پہاڑیوں میں پناہ گزیں ہو کر دو سال غزنوی فوج کا مقابلہ کرتے رہے آخر محمود نے خود حملہ کیا اور پہاڑوں کی آڑ سے نکال اپنے حلقہ حکومت سے خارج کر دیا۔ سلطان محمود اس سے تھوڑا عرصہ بعد ہی راہ روئے ملک جاودانی ہو گئے۔ سلطان مسعود کو تقویت لشکر کیلئے بہادر اشخاص کی ضرورت محسوس ہوئی اس نے ان سلجوقیوں کو جو آذربیجان چلے گئے، طلب کیا ایک ہزار مرد جنگی وہاں سے مل گئے پھر خراسان کے متصل متفرق پراگندہ سلجوقیوں کو جمع کرایا۔ اور سب سے اطاعت کا حلف لیکر سابقہ وظیفہ جو شروع شروع میں محمود نے دینا تجویز کیا تھا جاری کر دیا۔ طغرل بک اور اس کا بھائی ہنوز ماوراء نہر کی جانب ہی تھے اور ملک شاہ صاحب بخارا سے چند لڑائیاں لڑ کر بہت کمزور ہو چلے تھے۔ اس وقت انہوں نے سلطان مسعود کو پہلے تو ان لوگوں کی سرکوبی کا حکم دیا لیکن چند لڑائیوں کے بعد طغرل بک کو معافی دیدی اور شرط یہ ٹھیری کہ خوارزم کو فتح کر کے سلطان مسعود کی حکومت میں شامل کر دیں گے۔ اس وقت ان کی درخواست پر وہ بوڑھا چودھری یا سردار بھی جسے سلطان محمود نے شروع میں قید کیا تھا چھوڑ دیا گیا۔ سلطان مسعود کی طرف سے جنگی طاقت کے بڑھانے کی گویا اجازت ہی تھی۔ اس لئے ایک بھاری لشکر لیکر حکومت خراسان کی طرف انہوں نے رخ کیا۔ طوس رے، نیشا پور کو طغرل بک نے اور بلخ کو داؤد نے جلد فتح کر لیا۔ ابتدا میں تو یہ لوگ سلطان مسعود کے نام کا ہی خطبہ پڑھتے اور اسی کو اپنا بادشاہ ظاہر کرتے رہے۔ لیکن طاقت پذیر ہوتے رہنے کیساتھ طغرل بک مستقل بادشاہ ہو گیا اور خلیفہ قائم بامر اللہ والی بغداد نے

ان کو آزاد بادشاہ تسلیم کر لیا اور تھوڑے عرصہ میں ہی ان کی سلطنت تمام عراق پر چھا گئی۔ شہر بغداد بھی دائرہ حکومت میں آ گیا۔ طغرل بک ہمیشہ افراد قوم کو عدل و تقویٰ اور احسان کی تاکید کرتا تھا اور خود بھی ان اوصاف سے متحلی تھا۔ وہ پنجگانہ نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنے کا پابند تھا اور ہفتہ میں دو شنبہ و پنجشنبہ کو روزہ رکھا کرتا۔ صدقہ و خیرات بکثرت کرتا اور جگہ جگہ مساجد تعمیر کرایا کرتا۔ وہ کہا کرتا تھا مجھے شرم آتی ہے کہ اپنے لئے تو مکان تعمیر کراؤں اور خدا کیلئے اس کے پہلو میں گھر نہ بنواؤں۔ ایک نیک کام طغرل بک نے یہ کیا کہ قسطنطنیہ میں جو ہنوز یونانیوں کے قبضہ میں تھا، نماز باجماعت اور جمعہ کی اجازت مسلمانوں کیلئے ملکہ سے حاصل کر لی۔ جمعہ کے دن خطبہ میں خلیفہ قائم باللہ کا نام پڑھا گیا۔ مستنصر العبیدی خلیفہ مصر کا سفیر بھی قسطنطینہ میں موجود تھا۔ جو اس بات سے چڑ گیا اور قسطنطنیہ کے ساتھ ان کی عداوت ہو گئی۔ قبضہ بغداد کے بعد طغرل بک خود بغداد میں داخل ہوا اور خلیفہ سے اس کی بیٹی کو اپنے نکاح کیلئے طلب کیا۔ خلیفہ نے انکار کیا۔ لیکن بہت سی خط و کتابت کے بعد اس درخواست کو منظور کر لیا گیا۔ نکاح کے بعد شاہزادی ایک سنہری تخت پر جلوہ آرا ہوئی۔ طغرل بک نے اول ملاقات میں سامنے جا کر نہائت ادب سے سلام کیا اور ایسے قیمتی تحفے پیش کئے جسے دیکھ کر شاہزادی بھی چکاچوند میں آ گئی۔ طغرل بک اس کے بعد پھر مودبانہ سلام کر کے چلا آیا۔ اور شہزادی کے منہ سے نقاب تک بھی نہ اٹھایا۔ وہ اس رشتہ سے نہائت ہی مسرور اور نہایت مفتخر تھا۔ شہزادی کی پہلو نشینی کا فخر اسے چھ ماہ حاصل رہا اور پھر اسے رانڈ کر گیا۔

یہ نیک اور نامور سلطان ستر برس کی عمر میں بمقام رے ۴۵۵ھ کو اس دنیا سے سدہار اور ایسے خاندان کی بنا ڈال گیا جو عظمت و سطوت سلطنت کے علاوہ علم دوستی اور عمدہ اوصاف کیلئے بھی آج تک مشہور ہے۔ مرض الموت میں اس نے بیان کیا کہ

ایک دفعہ میں نے خواب دیکھا کہ مجھے آسمان کی طرف اٹھا کر لے چلے۔ کہر اور دھند کیوجہ سے نظر کچھ کام نہ کرتی تھی۔ ہاں خوشبو نہائت پاکیزہ آرہی تھی کسی شخص نے کہا کہ اب تو رب العالمین سے قریب تر ہے جو مانگنا ہو مانگ لے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ درازی عمر کا سوال کروں۔ چنانچہ میں نے یہی کہا۔ آواز آئی کہ تیری عمر ستر برس کی ہے میں نے کہا یہ تو کافی نہیں آواز آئی کہ عمر تو ستر برس کی ہی ہے۔ اسی طرح تیسری دفعہ بھی کہا میری مثال تو اس بھیڑ کی سی ہے۔ جسے اون اتارنے کیلئے پچھاڑا گیا تو وہ سمجھی کہ ذبح کرینگے۔ اور ذبح کرنے کیلئے گرایا تو وہ سمجھی کہ اون اتارینگے۔

طغرل بک کا فرزند نرینہ کوئی نہ تھا۔ الپ ارسلاں بن داؤد جو اس کا بھتیجا تھا اس کے بعد مسند آرا ہوا۔ طغرل بک نیز دنیا بھر کے ہر ایک بانی سلطنت کی عمر کی سوانح اگرچہ جزئیات میں مختلف ہوں لیکن ان سب کی ترقی کی کلید صرف ایک اصول تھا۔ اور آئندہ بھی ہر ایک ترقی کرنے والے کو اسی اصول کا پابند ہونا پڑیگا۔ یعنی مردانگی و ہمت جب قوم میں مردانگی نہ رہے اور ہمت جاتی رہے تو زبانی لقلقے کسی کام نہیں آسکتے۔

آجکل ہندوستان میں مسلمان بھی انگریزوں کی شائستگی اور ہندوؤں کی دولتمندی کو دیکھ کر آرزو کرنے لگے ہیں کہ ہم بھی دولتمندی اور شائستگی میں اوروں کے برابر بلکہ بڑھ چڑھ کر ہو جاویں۔ لیکن کیا محض یہ آرزو جب تک اس کے ساتھ عمل بھی نہ ہو ہم کو کسی بلندی پر پہنچا سکتی ہے۔ عمل کرنے کے لئے نہ لیکچروں کے دینے اور سننے کی ضرورت ہے اور نہ کسی انجمن کے قیام اور اسکا ممبر بننے کی۔ بلکہ ہر شخص پہلے اپنی ذات سے شروع کر سکتا ہے اور اپنے کنبہ و خاندان میں آہستہ آہستہ اسے پھیلا سکتا ہے۔ فقرہ بالا سے میرا یہ مطلب نہ سمجھنا چاہیئے کہ میں لیکچروں اور انجمنوں کے خلاف ہوں۔ نہیں میں تو اسکا موید ہوں۔ لیکن میرا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کچھ کرنا چاہتا ہے وہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ گو اسباب ظاہری موجود ہوں یا نہ ہوں۔ بلکہ اس کے

مخالف بھی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوۃ والسلام کو جو تن واحد تھے امت یعنی گروہ عظیم قرار دیا ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ انہوں نے اکیلے وہ کچھ کیا تھا جو سینکڑوں اور ہزاروں کے کرنے کے کام تھے۔ ہم کو بھی اسی خلیل کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور ایسی ہی ہمت و مردانگی کیلئے کمر بستہ ہونیکا جسے دیکھنے والے ہمارے حوصلہ و طاقت سے افزوں سمجھتے ہوں۔ یادرکھنا چاہیئے کہ ترقی خواہ ذہنی ودماغی ہو یا مالی و مادی ہو مردانگی کے بغیر کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔



ابن تومرت مہدی الہرعی

ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ تومرت مغرب الاقصیٰ کے جبل سوس میں پیدا ہوا اور طلب علم کیلئے شام و عراق کا سفر کیا۔ امام غزالی۔ کیا ہراشی' طرطوسی وغیرہ مشہور فاضلوں سے استفادہ کیا اور جب علم شریعت حدیث و فقہ و اصول میں دستگاہ حاصل ہو گئی تو مکہ شریف کو ہوتا ہوا افریقہ لوٹ گیا۔

نہائت پرہیزگار' عابد' عربی اور مغربی زبان کا فصیح اور چہرہ ہر وقت تبسم ریز شجاع و دلیر تھا جب کوئی امر خلاف شرع دیکھ لیتا تو فوراً اس پر انکار کرتا اور اس بارے میں خواہ کتنی تکلیف برداشت کرنی پڑتی، اسے خوشی خوشی گوارا کر لیتا۔ مکہ شریف میں بھی اسے اسی نیک عادت کیوجہ سے اذیت اٹھانی پڑی۔ یہاں سے نکل کر وہ مصر چلا گیا۔ اور خلاف شرع اموار کا برابر انکار کرتا رہا۔ جہاں اسے یقین ہو جاتا کہ مار پیٹ کا سامنا ہے وہاں دیوانہ بن جاتا اور دیوانہ کی بڑ کی طرح اصل مطلب (ہدائت) کیساتھ بے ربط مہمل جملے بھی زبان سے نکالنے لگتا۔ مصر سے وہ اسکندریہ پہنچا اور اسکندریہ سے بحری راستہ سے افریقہ کو چلا۔ جہاز پر جتنے آدمی تھے سب کو نماز کا پابند کر دیا۔ جہاز سے وہ شہر مہدویہ میں اترا۔ جہاں کا بادشاہ یحییٰ بن تمیم تھا۔ یہاں سر راہ ایک مسجد تھی۔ اس میں فروکش ہوا۔ مسجد کی فصیل پر بازار کی جانب منہ کر کے اتر تا اور انہیں توڑ ڈالتا۔ لوگوں میں شور ڈالتا۔ لوگوں میں شور پڑ گیا۔ سینکڑوں اسے دیکھنے کیلئے آیا کرے۔ جب معلوم ہوا کہ اہل علم ہے تو طلبہ بھی جمع ہو گئے اور مسجد میں درس شروع ہو گیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی۔ فقہا کو دربار میں بلایا۔ اور ابن تومرت کو ان کے سامنے طلب کیا جب اس کا شستہ

ورفتہ کلام سنا تو بادشاہ نے تعظیم واکرام کیا۔ اور التماس دعا بھی کی۔ ابن تومرت نے اصلحک اللہ لرعیتک پر اکتفا کیا یعنی خدا تم کو رعایا کے حق میں اچھا حاکم بنائے۔ اس کے بعد ابن تومرت بجایہ اور وہاں سے املالہ پہنچا۔ یہاں اس کو عبدالمومن مل گیا۔ عبدالمومن کون تھا یہ قارئین کو آگے چل کر معلوم ہو جائیگا۔

مورخین کا بیان ہے کہ جب ابن تومرت عراق میں پڑھ رہا تھا۔ اس نے خواب میں دو دفعہ یہ دیکھا کہ تمام سمندروں کا پانی میں پی گیا ہوں۔ اس خواب کی تعبیر اس نے یہ سمجھی کہ دنیا پر وہ ایک بڑی شان سے ظاہر ہو گا۔ انہی ایام میں اسے ایک جفر کی کتاب مل گئی جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ پانچویں صدی کے بعد مسجد الاقصیٰ کی پہاڑیوں میں ایک شخص پیدا ہو گا۔ وہ دعوت الی اللہ کریگا اور اس کا قیام و مدفن ایسی جگہ ہو گا جس کے نام میں ت۔ ی۔ ن۔ م۔ ل۔ حروف آتے ہیں۔ اس شخص کو ایسے شخص سے جس کے نام میں ع ب د م و م ن حروف ہونگے تمکن واستقامت حاصل ہو گی۔ ابن تومرت کا زمانہ پانچویں صدی کے بعد ہی تھا۔ وہ خود جبل سوس کا پیدا شدہ تھا اور دعوت الی اللہ پر جو شوق و شغف اسے تھا وہ ظاہر ہی تھا۔ اس لئے اس نے خیال کیا یہ بشارت میرے حق میں ہی ہونی چاہیئے مگر اب ان حروف کے شخص اور مقام کو تلاش کرنا چاہیے کتاب جفر میں ع ب د م و م ن کا حلیہ بھی درج تھا۔ ابن تومرت نے حلیہ نقل کر لیا تھا اور اسی تلاش میں مشرق سے مغرب الاقصیٰ پہنچا تھا۔

ملالہ کے بازار میں یہ چلا جا رہا تھا کہ عبدالمومن بھی بازار سے گذرا۔ ابن تومرت کو دیکھتے ہی حلیہ یاد آ گیا۔ آواز دیکر اسے ٹھیرایا۔ جب نام دریافت کیا تو اس نے عبدالمومن بتلایا۔ جس میں تمام حروف موجود تھے۔ اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ حلیہ کے ساتھ مطابقت کی گئی تو ہو بہو ویسا ہی نکلا۔ ابن تومرت نے کہا میں تو تیری تلاش میں ہی ہزاروں میل کا سفر کر رہا ہوں۔ اس نے کہا میں تو طلب علم کیلئے عراق

جاتا ہوں۔ ابن تومرت بولا کہ جو علم پڑھنا ہو میں پڑھاؤنگا لیکن اب تم کو جانے نہ دونگا۔ اب اس کے سامنے اپنا سارا راز ظاہر کر دیا اور اسے متفق بنا لیا۔ ایک شخص عبداللہ ابو تشریسی نامی ابن مرتوت کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ یہ شخص بھی حسین و جمیل و فصیح و بلیغ تھا۔ ملکی زبان اور عربی ادب پہ مہارت تامہ رکھتا تھا۔ یہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا اور یہ قرار دیا گیا کہ عبداللہ بالکل جاہل بنا رہے اور اس کے علم و فضیلت' فصاحت و صداقت سے کسی موقعہ ضرورت پر بطور اعجاز کے کام لیا جائے۔ اس کے بعد چھ شخص آہنی بازو شیر پنجہ اور شامل کر لئے اور یہ مختصر جماعت مراکش پہنچی۔ مراکش (مراکو) میں ابن تومرت نے اپنی عادت کے مطابق خلاف شریعت امور پر اخذ و اعتراض و انکار شروع کیا اور خاص بادشاہ کے بیٹے پر بھی کھلم کھلا اعتراضات کرنے لگا۔

یہاں کا بادشاہ ابوالحسن علی جو امیر تاشفین کا پوتا تھا نہائت عادل و متواضع تھا۔ بادشاہ نے دربار میں اسے حاضر کرنیکا حکم دیا اور علمائے شہر کو مباحثہ کیلئے مقرر فرمایا۔ قاضی شہر نے گفتگو اس طرح پر شروع کی۔ ہم نے سنا ہے کہ آپ ہمارے عادل و حلیم بادشاہ کی نسبت جو مطیع حق ہے اور اطاعت الٰہی کو اپنے نفس پر بھی مقدم رکھتا ہے ناشائستہ الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے اور یہ خبر کہاں تک صحیح ہے۔ ابن تومرت نے کہا کہ جو اقوال میری جانب منسوب کئے جاتے ہیں وہ بیشک میں نے کئے ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی کہنا چاہتا ہوں۔ لیکن تم یہ بتلاؤ کہ تم نے جو ابھی بادشاہ کی صفت میں یہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ "وہ مطیع حق ہے اور اطاعت الٰہی کو اپنے نفس پر مقدم رکھتا ہے" یہ کہاں تک صحیح ہے۔ میں تو جانتا ہوں کہ تم لوگ ایسے الفاظ سے ہی بادشاہ کو مغرور بناتے اور غلطی میں ڈالتے رہتے ہو۔ حالانکہ تمام بار گناہ بادشاہ کے سر پر رکھا جائیگا۔ قاضی صاحب! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ شراب کی دوکانیں کھلی ہوئی ہیں اور خنزیر مسلمانوں کے گھروں میں جا گھستے ہیں یتیموں کا مال چھین لیا جاتا ہے

وغیرہ۔بادشاہ نے جب یہ تقریر سنی تو اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا اور ندامت و حیا سے گردن کو جھکا لیا۔

حاضرین دربار اگرچہ ابن تومرت کے اوصاف و اطوار کو دیکھ کر یہ فتویٰ لگا چکے تھے کہ یہ شخص اپنے لئے سلطنت و حکومت کا خواستگار ہے لیکن جب انہوں نے بادشاہ پر اس کی جادو کلامی کا اثر دیکھا تو سب خاموش رہ گئے۔مالک بن وہب نامی بادشاہ کا منہ چڑھا مصاحب تھا۔اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں حضور کو اس وقت ایک نصیحت کی بات کہنا چاہتا ہوں آپ نے اسے مان لیا تو انجام کار اسکی عمدگی ظاہر ہو جاویگی۔اور اگر منظور نہ فرمایا تو اس کے برے نتائج بھی تھوڑی دیر میں نظر آجائینگے۔بادشاہ نے کہا بتلاؤ ۔کہا مجھے اس شخص میں آثار بغاوت نظر آتے ہیں۔بہتر ہے کہ اس کا ایک دینار روزانہ مقرر کر دیا جائے۔اس جماعت کو زیر نگرانی رکھا جائے اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو ایک وقت سارا خزانہ بھی صرف کرنیکے بعد انتظام نہ ہو سکے گا۔بادشاہ نے اس رائے کو پسند کر لیا لیکن وزیر نے اس کے خلاف کیا۔کہا یہ مناسب نہیں کہ ابھی آپ جس کے وعظ پر آنسو بہا رہے تھے۔اس کو اسیر بنانیکا حکم دیں۔اور ذرا خیال تو فرمائیں کہ یہ شخص حضور کی اتنی بڑی سلطنت کا کر بھی کیا سکتا ہے۔بادشاہ اس تقریر سے دب گیا اور ابن تومرت کو واپس جانے کی اجازت دی گئی۔

ابن تومرت وہاں سے نکلا تو جہاں تک بادشاہ نظر آتا رہا۔اس کی جانب پیٹھ نہیں کی۔ہمراہیوں نے پوچھا کہ آپ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔کہا نہیں میں نے چاہا کہ آخر وقت تک حق باطل کو تاڑتا رہے۔واپس آکر ابن تومرت نے ہمراہیوں سے کہا کہ جب تک دربار میں ابن وہب موجود ہے ہم خاص مراکو میں کچھ نہیں کر سکیں گے۔ یہاں سے وہ شہر مراغات میں پہنچے اور وہاں ایک شخص عبدالحق ابن ابراہیم کو ہمراز بنا لیا۔ اس نے مشورہ دیا کہ یہانسے ایک دن کی مسافت پر تینمل پہاڑ ہے وہاں جاکر تم خوب

قدم جما سکتے ہو اور محفوظ بھی رہ سکتے ہو۔

ابن تومرت کے دل میں وہی حرف ت ی ن م ل خوب نقش ہو رہے تھے تینمل پہاڑ کا نام سن کر اچھل پڑا اور اگلے روز وہاں جا پہنچا۔ لوگوں نے طالب علمانہ حیثیت دیکھ کر سر آنکھوں پر بٹھلایا اور مسجد میں مقیم کر دیا۔ ابن تومرت نے بہت سے حیلے نکالے اور تدبیریں بنائیں لیکن رعایاء کو اطاعت شاہی سے منحرف نہ کر سکا۔

قریب تھا کہ وہ اپنی کامیابی کے تصور میں گھل کر مر جاتا کہ اس کی نگاہ پہاڑی لوگوں کی اولاد پر پڑی۔ دیکھا کہ پہاڑی تو سانولے اور گندم گون میش چشم ہیں مگر ان کے بعضے بعضے بچے خوب سرخ و سفید اور گربہ چشم ہیں۔ پوچھا اس کا سبب کیا ہے۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ تومرت نے سمجھا کہ اسی پر زور دینا چاہیئے۔ جب اصرار حد درجہ کو پہنچ گیا تو لوگوں نے بتلایا کہ شاہی عہدہ دار جو خراج لینے کیلئے آتے ہیں، رات کو ہمارے گھروں میں رہتے ہیں اور عورتوں کو آلودہ کر دیتے ہیں۔ ہم کو اپنے گھروں میں بھی اس شب ٹھہرنا نہیں ملتا۔ یہ ساری خرابی اس ظلم کی ہے۔

ابن تومرت نے اس پر سخت لعنت ملامت شروع کی اور انکی حرارت و حمیت کو اکسانے لگا۔ لوگوں نے کہا کہ کوئی ہمارا حامی مددگار پیدا ہو تو ہم اس کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ لیکن ہم خود کچھ نہیں کر سکتے۔ بولا میں تمہارا ساتھ دونگا اور تمہارے پر اپنی جان قربان کر ڈالوں گا اور تم دیکھ لو گے کہ شاہی فوج تمہارا کچھ نہ کر سکے گی۔

اب تومرت کے سب لوگ مطیع و منقاد ہو گئے اور تجویز یہ قرار پائی کہ جب شاہی سپاہی آجاویں تو ان کو خوب شراب پلاویں اور جب وہ نشہ میں بدمست ہو کر گر پڑیں۔ تو ابن تومرت کو اطلاع دیجاوے۔ اسی تجویز پر عمل کیا گیا اور سب سپاہی قتل کر دیئے گئے صرف ایک بچ نکلا جس نے مراکو جا کر اطلاع کر دی۔ اس وقت بادشاہ سمجھا کہ ابن وہب نے جو مشورہ اس روز دیا تھا وہ صحیح تھا۔ آخر فوج کشی ہوئی۔ فوج اگرچہ بہت

تھی لیکن پہاڑی راستے ایسے دشوار گذار، کٹھن اور تنگ تھے کہ ایک آدمی سے زیادہ چل نہ سکتا تھا۔ ابن تومرت کو پہلے توقع تھی کہ شاہی فوج انتقام کیلئے آئے گی۔ اس نے ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ جب فوج نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا، اوپر سے علاقہ والوں نے پتھروں کی بارش برسادی۔ صبح سے شام تک فوج نے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ باوجود نقصان اٹھانے کے بھی کچھ کارگر نہ ہوئی۔ آخر محاصرہ اٹھالیا گیا اور ابن تومرت نے سمجھا کہ ابو تشریسی کے علم و فضل کو بطور معجزہ ظاہر کردینے کا یہی وقت ہے۔

قرارداد کے مطابق نماز صبح کے بعد جب کہ تمام اشخاص مسجد میں ہی موجود تھے۔ ابو تشریسی آگے بڑھا اور جاہلانہ لہجہ میں اور ٹوٹے پھوٹے لکنت لئے الفاظ میں (جیسا کہ اس نے عادت بنا رکھی تھی) بیان کرنا شروع کیا کہ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے آسمان سے اترے انہوں نے میرے دل کو نکال کر چیر ڈالا۔ پھر دھو دھا کر علم و حکمت و قرآن اس میں بھر دیا۔ اب میں اپنے اندر تمام علوم کو موجود پاتا ہوں۔ یہاں پہنچ کر اس کی تقریر نہائت فصیح و بلیغ و دلنشین و مردم فریب ہو گئی۔

ابن تومرت خوشی خوشی اٹھا۔ اس کے پاس آکر کہا کہ آپ ہم کو جلد بشارت دیں کہ آیا ہم نیک راہ پر ہیں یا غلط پر پڑے ہوئے ہیں۔ سعید ہیں یا شقی ہیں۔ کہا اے ابن مرتوت آپ تو مہدی القائم بامر اللہ ہیں۔ آپکے تابعدار اہل سعادت اور آپکے مخالف اہل شقاوت ہیں۔ تم مجھے اپنے رفیق ایک ایک آدمی کر کے دکھلاؤ۔ میں بتلاؤنگا۔ کہ ان میں بہشتی کون ہے اور دوزخی کون۔ اس بہانہ سے ایک ایک آدمی طلب کیا گیا۔ جو اشخاص ابن تومرت سے آجتک مخالفانہ رائے رکھتے تھے یا مخل انتظام خیال ہو سکتے تھے وہ قتل کر دیئے گئے۔

اس کے بعد دس ہزار پیادہ و سوار کا ایک لشکر جرار تیار کیا گیا اور عبدالمومن و ابو تشریسی کی ماتحتی میں مراکش پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ ایک ماہ کے محاصرہ کے

بعد اس فوج کو اس شکست فاش نصیب ہوئی۔ عبد المومن بچ رہا۔ ابو تشریسی مارا گیا۔ جس وقت ابن تومرت کو اس شکست کی خبر پہنچی۔ وہ بستر مرگ پر پڑا ہوا تھا۔ اس وقت بھی اس کے استقلال میں ذرہ فرق نہ آیا۔ بلکہ سب کو جمع کیا اور آئندہ کے لئے تدابیر کے متعلق وصیت کرتا رہا اور ہر روز حتمی الفاظ میں کہتا رہا کہ تم ضرور فتحیاب ہو گے۔ تمہاری حکومت وسیع اور تعداد کثیر ہو جاویگی۔ تمکو ذرا گھبرانا نہیں چاہئیے۔ ایسی ہی وصیت کرتا ہوا دنیا سے چل بسا اور اس کے بعد عبد المومن جانشین ہوا۔

ابن تومرت میں جو قابل تعریف وصف تھا۔ وہ زہد فی الدنیا تھا جس تنگی کے ساتھ طالب علمی میں گذران کرتا تھا۔ وہی چال آخر تک چلی۔ کہتے ہیں کہ بہن کات لیتی تھی اسی پر دونوں گذارہ کر لیتے تھے۔ روٹی کے ساتھ کبھی سرکہ ہوتا کبھی زیتون کا روغن۔ ایک دفعہ مال غنیمت بہت آیا اور لوگوں نے تقسیم کیلئے ابن تومرت کو تنگ کرنا شروع کیا۔ اس نے سب کو آگ لگادی اور بلند آواز سے کہدیا کہ جو شخص محض دنیا کمانے کی غرض سے میرے ساتھ ہوا ہے۔ اسے ہمیشہ کیلئے مایوس ہو جانا چاہئیے۔

اس شخص کے تمام واقعات میں اگر کوئی کھٹکتا ہے تو ابو تشریسی والی چال اور دعوٰی مہدویت ہے۔ کل حالات پر غور کرنے سے ہر ایک شخص صحیح نتیجہ نکال سکتا ہے۔ اس کا حلیہ صاحب کتاب "المغرب فی اخبار اہل المغرب" نے ان الفاظ میں لکھا ہے۔ میانہ قد' گندمی گون' بزرگ سر تیز نظر۔ ثرٰی پر قدم ثریا پر نگاہ۔ ابو مسلم اس کی تدابیر کے سامنے ہیچ تھا۔ شعر ذیل اکثر پڑھا کرتا تھا۔ ؎

تجرد عن الدنیا فانک انما خرجت من الدنیا و انت مجرد

اشعار ذیل خود اس کی اپنی تصنیف ہیں۔

اخذت باعضا و هم اذناوا و خلفک القوم اذو دعوا
فکم انت تنتهی و لا تنتهی و تسمع و عظاولا تسمع

فیا حجرالسن حتے متے　　تسن الحدید ولا تقطع

متنبی کے ان اشعار کو اکثر پڑھا کرتا تھا۔

انما مرت فی شرف مرد م　　فلا تقنع بما دون النجوم

فطعم الموت فی امر حقیر　　کطعم الموت فی امر عظیم

افسوس کہ ابن تومرت اپنی کامیابی کو مکمل نہ دیکھ سکا۔ البتہ عبدالمومن کیلئے وہ سڑک بنا گیا اور اس نے کامرانی کے ساتھ حکومت اعلیٰ پر دسترس حاصل کی۔

قارئین ان حالات کو پڑھیں اور دیکھیں کہ مہدی کے نام سے دنیا میں بالخصوص دنیائے اسلام میں کیا کچھ ہو چکا ہے۔ مجھے اس مقام پر اس قدر لکھ دینا چاہیئے کہ ظہور مہدی کے متعلق اگرچہ روایات بکثرت ہیں جن کا شمار درجنوں پر ہے مگر ایسی حدیث ایک بھی نہیں جو محدثین کے مسلمہ اصول تنقید کے مطابق صحیح مسند مرفوع کا درجہ رکھتی ہو۔ العلم عند اللہ

عبدالمومن بن علی کا باپ کوزہ گر تھا۔ ابن تومرت کے بعد عبدالمومن کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا حتی کہ وہ تخت مراکش کا زینت آرا ہوا اور ۳۳ سال کے بعد ۱۰ جمادی الآخر ۵۵۸ھ کو فوت ہوا۔ اس نے مندرجہ شعر پر ایک شاعر کو ایک ہزار پونڈ کا انعام دیا تھا۔

ما منخلیفته بین البیض و لاسل　　مثل الخلیفة عبدالمومن بن علی

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ضحاک بن قیس احنف

احنف جو علم و بردباری میں تمام عرب کے اندر ایسے ہی ضرب المثل ہیں۔ جیسا کہ حاتم طائی جود و سخاوت میں سادات تابعین میں سے ہیں۔ انہوں نے عہد نبوی ﷺ بھی پایا مگر صرف صحبت سے مشرف نہیں ہوئے۔

ابن قتیبہ کہتا ہے کہ جب قبیلہ بنی تمیم تک دعوت نبوی پہنچی تو احنف نے اپنے قبیلہ کو کہا کہ یہ شخص مکارم اخلاق کی طرف رغبت دلاتا اور ذمائم عادات سے منع کرتا ہے۔ مناسب ہے کہ مسلمان ہو جانا چاہیئے۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہو گئے۔ مدینہ منورہ میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آئے اور حضرت عمرؓ و عثمانؓ کے زمانہ میں علاقہ خراسان کی بعض فتوحات میں لشکر اسلام کے ساتھ شامل رہے۔ واقعہ جمل میں فریقین میں سے کسی طرف بھی نہ ہوئے لیکن جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے لشکر میں حاضر ہو کر جوہر مردانگی دکھلاتے رہے۔

امام حسنؓ نے جب خلافت کو ترک کر دیا اور امیر معاویہؓ باستقلال سریر آرائے مملکت ہو گئے۔ تو احنف کی آمدورفت امیر معاویہؓ کے دربار میں شروع ہو گئی۔ ایک روز امیر معاویہؓ نے کہا کہ جب مجھے جنگ صفین یاد آ جاتا ہے تو تمہیں دیکھ کر ایک کانٹا سا میرے دل میں چبھ جاتا ہے۔ احنف نے کہا۔ معاویہ! جن عداوت سے بھرے ہوئے دلوں کے ساتھ ہم جھگڑتے تھے۔ وہ تو سینہ کے اندر پنہاں ہیں اور جن تلواروں کے ساتھ ہم لڑتے تھے۔ وہ نیام کے اندر چھپی ہوئی ہیں۔ اب اگر تم لڑائی سے نزدیک ہونا

چاہتے ہو تو ہم بھی اسے منظور کرینگے اور اگر اس سے دور ہو گئے تو ہم بھی دور رہیں گے۔ اتنا کہہ کر باہر چلے گئے۔

امیر معاویہؓ کی بہن پس پردہ سے یہ گفتگو سن رہی تھی۔ احنف چلا گیا تو اس نے پوچھا بھائی یہ کون تھا۔ جو دھمکاتا بھی ہے۔ اور بھروسہ بھی دلاتا ہے۔ کہا یہ وہ ہے کہ اگر بگڑ جائے تو بنی تمیم کے ایک لاکھ جوان فوراً بگڑ جاوینگے اور وجہ فساد کو کبھی دریافت کرنا بھی نہ چاہیں گے۔

احنف بصرہ میں رہا کرتے تھے۔ اور زیاد اپنے زمانہ گورنری عراقین میں ان کی اور حارثہ کی بہت عزت کیا کرتا تھا۔ جب عبید اللہ بن زیاد اپنے باپ کی وفات کے بعد گورنر عراقین ہوا تو اس نے حارثہ کو بلا کر کہا کہ آپ شراب خواری کی عادت چھوڑ دیں اور پھر بدستور میرے مصاحب رہیں۔ اس نے کہا کہ میں تمہارے والد کے سامنے بھی پیا کرتا تھا اور وہ میری دیگر قابلیتوں پر لحاظ کر کے میرے اس عیب سے درگذر کرتا تھا اس لئے تم کو بھی درگذر کرنا چاہیئے۔ عبید اللہ نے کہا کہ میرے والد کی پرہیزگاری اور مستقل مزاجی مسلمہ تھی۔ اس لئے نہ ان کو تمہاری مصاحبت سے نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اور نہ وہ مطعون ہو سکتے تھے۔ لیکن میں ہنوز ناتجربہ کار ہوں اور ممکن ہے کہ تمہاری بری عادت کیساتھ بھی لوگوں میں بدنام ہو جاؤں۔

حارثہ نے کہا شراب تو چھٹ نہیں سکتی۔ ہاں دربار میں آنا چھوڑ دونگا۔ عبید اللہ نے کہا نہیں۔ آپ مفصلات میں کوئی عہدہ اپنے لئے پسند کریں۔ کہا ضلع مسرق میں بھیجدو۔ میں نے وہاں کی شراب کی توصیف سنی ہے۔ غرض حارثہ تو عبید اللہ سے یوں علیحدہ ہو گیا۔ رہا احنف۔ عبید اللہ نے اسکی کچھ زیادہ عزت و توقیر نہ کی۔ بلکہ اور لوگوں سے بھی کم توجہی اور بے اعتنائی کا برتاؤ شروع کر دیا۔ سال کے شروع پر عبید اللہ سرداران عراق کو ساتھ لیکر امیر معاویہؓ کے سلام کو دمشق گیا۔

امیر معاویہؓ نے ان کی ملاقات کیلئے دربار لگایا اور عبیداللہ کو حکم دیا کہ درجہ وار ہر ایک کو ہمارے سامنے لاؤ۔ عبیداللہ نے ایسا ہی کیا۔ سب سے پیچھے جو سردار دربار میں آیا وہ احنف تھا (گویا عبیداللہ ان کا درجہ سب سے کم جانتا تھا) امیر معاویہؓ تو انہیں بذات خود جانتے اور ان کی سیادت و طاقت سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ دیکھتے ہی بول اٹھے کہ ابو الخیر ادھر تشریف لایئے۔ یہ کہہ کر اپنی مسند پر اپنے پاس بٹھلا لیا۔ جب تمام لوگ اپنی اپنی جگہ متمکن ہو چکے تو سرداران عراق نے اپنے گورنر عبیداللہ کی صفت و ثنا شروع کی۔ احنف خاموش بیٹھے رہے۔

امیر معاویہؓ نے کہا کہ تم کیوں نہیں کچھ کہتے۔ کہا اگر میں کچھ کہوں گا تو ان کے خلاف ہوگا۔ یہ سنتے ہی امیر معاویہؓ نے سرداران عراق سے فرمایا کہ میں عبیداللہ کو معزول کرتا ہوں اور تم کو تین روز کی مہلت دیتا ہوں کہ اس عرصہ میں اپنے لئے کسی لائق شخص کو گورنری کے لئے انتخاب کر لو۔ سردار باہر نکلے اور اپنے اپنے خیال کے مطابق انتخاب کرنے لگے۔ اکثر تو اپنی ذات خاص کے واسطے عہدہ کے جویاں ہوئے اور ارا کین سلطنت کے ساتھ پٹس لڑانے لگے اور اکثر نے کسی کسی شخص کو نامزد کیا۔ چوتھے روز پھر دربار ہوا اور سب نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ احنف اب بھی خاموش تھے۔ امیر معاویہؓ نے سب کی رائے سن کر کہا کہ احنف تم بھی تو کچھ کہو۔ کہا اگر تم اپنے خاندان میں کسی کو مقرر کرنا چاہتے ہو تب تو عبیداللہ سے بڑھ کر اور کوئی شخص موزون تر نہیں۔ لیکن اگر اپنے خاندان میں سے کسی کو یہ عہدہ دینا نہیں چاہتے۔ تب جسے آپ پسند کریں۔ امیر معاویہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ میں عبیداللہ کو اس کے عہدہ پر بحال کرتا ہوں۔

سرداران عراق یہ سن کر نہائت پشیمان ہوئے اور افسوس کرتے تھے کہ میں نے بھی کیوں عبیداللہ کیلئے ہی رائے نہ دی۔ دربار برخاست ہوا تو امیر معاویہؓ نے

عبید اللہ کو بلا کر کہا کہ تم ایسے شخص کی عزت کس لئے نہیں کرتے جو فقرہ میں تم کو معزول اور ایک فقرہ میں بحال کرا سکتا ہے اور ایسے لوگوں پر اعتماد کرتے ہو جو فائدہ تو کچھ نہیں پہنچا سکتے اور نقصان رسائی میں حصہ لینے کو تیار ہیں۔ عبید اللہ کو اس روز سے ان کی وقعت معلوم ہوئی اور پھر ہمیشہ ان کی تعظیم و اکرام کرتا رہا۔

مروی ہے کہ جب امیر معاویہؓ نے یزید کو ولی عہد بنایا۔ اور باضابطہ اشتہار ولائت کیلئے دربار کیا تو لوگ آتے تھے پہلے امیر معاویہؓ کو سلام کرتے اور پھر یزید کی طرف جھک جاتے تھے۔ ایک شخص آیا۔ اس نے امیر معاویہؓ کو سلام کر کے کہا کہ اگر آپ یزید کو اپنا ولیعہد نہ بناتے تو مسلمانوں کا کام بگڑ ہی جاتا۔ احنف امیر معاویہؓ کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ کہا احنف تم بھی تو کچھ کہو۔ کہا جھوٹ بولتا ہوں تو اللہ کا خوف ہے اور سچ کہتا ہوں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ امیر معاویہؓ نے کہا کہ خدا تمہیں اس اطاعت کی جزائے خیر دے۔ پھر اس شخص کو کئی ہزار روپے انعام دیئے۔ جب دربار برخاست ہوا تو وہی شخص احنف کو ملا۔ کہا جناب یوں تو میں جانتا ہوں کہ بدترین خلق ہمارا امیر اور اس کا فرزند ہے لیکن ان لوگوں نے زر و مال پر قفل لگا رکھے ہیں اور وہ قفل ایسے ہی فقرات سے کھل سکتے ہیں۔ احنف بولے کم بخت چپ رہ دورویہ شخص کبھی اللہ تعالےٰ کے ہاں عزت نہیں پا سکتا۔

احنف کا قول ہے کہ مجھ میں تین خصلتیں ہیں ان کا اظہار اس لئے کرتا ہوں کہ شاید کوئی سبق سیکھ لے۔

(۱) میں نے کبھی کسی دو شخصوں کے درمیان دخل نہیں دیا جب تک انہوں نے مجھے شریک نہیں بنایا۔

(۲) حکام اور امراء کے دروازہ پر میں کبھی نہیں گیا جب تک کہ انہوں نے خود مجھ کو طلب نہیں کیا۔

(۳) جن چیزوں کیلئے لوگ دوڑتے پھرتے ہیں میں نے ان کے لئے کروٹ نہیں لی۔
آپ ہی کا قول ہے کہ سراپا نفع کی چیز جس میں کچھ نقصان نہیں خوش خلقی اور بدی سے بچنا ہے۔ بدترین مرض جسکا کچھ علاج نہیں بد خلقی اور بد زبانی ہے۔
انہی کا قول ہے کہ شریف کبھی خائن نہ ہو گا۔ اور عاقل کبھی جھوٹ نہ بولے گا اور مومن کبھی غیبت نہ کریگا۔
ان کا مقولہ ہے کہ سب سے بڑی دولت جسے باپ اپنے بیٹے کو وراثت میں دے سکتا ہے وہ اہل فضل و کمال کیساتھ احسان اور مروت کرنے کی عادت سکھلا دینا ہے۔
کہا کرتے تھے کہ زیادہ ہنسنے سے ہیبت و وقار جاتا رہتا ہے اور ہنسی و مذاق بکثرت کرتے رہنے سے مروت جاتی رہتی ہے۔
ایک شخص کہہ رہا تھا کہ مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ خواہ کوئی میری تعریف کرے خواہ ہجو۔ احنف نے سن کر کہا کہ تم ان مشکلات سے بچ نکلے جو مدبرین کو لاحق حال رہتی ہیں۔ کہا کرتے تھے کہ میرے سامنے عورتوں اور کھانے پینے کا ذکر نہ کیا کرو۔ میں تو اس شخص کو بہت ہی برا سمجھتا ہوں جو اپنے پیٹ اور اپنے ستر کا وصف گو ہے۔
ایک دفعہ ایک خون کے مقدمہ میں ان کو حکم بنایا گیا۔ وارثان مقتول نے کہا کہ ہم دو چند دیت لینگے۔ احنف بولے بہتر جیسا تم چاہتے ہو میں بھی ویسا ہی فیصلہ کر دونگا لیکن یہ سوچ لو کہ خدا نے ایک دیت کا حکم دیا ہے اور رسول خدا نے بھی ایک دیت پر فیصلہ کیا ہے۔ آج گو تم مدعی ہو لیکن میں ڈرتا ہوں کہ کسی وقت میں ایسے ہی مقدمہ میں تم مدعا علیہ بھی بن جاؤ۔ غور کرو کہ اس وقت تمہارے لئے بھی وہ دو چند کا فیصلہ ہو گا۔ وارثوں نے سوچ کر جواب دیا کہ سچ کہتے ہو۔ معمولی خون بہا دلا دو۔
ان سے سوال کیا گیا کہ مروت کسے کہتے ہیں۔ کہا جب خوب بھوک لگی ہوئی

ہواس وقت اپنا کھانا دوسرے کو دیدینے کا نام مروت ہے۔

کسی نے حلم کے معنے ان سے پوچھے۔ کہا صبر جس کے ساتھ ذلت ملی ہوئی ہو۔ لوگوں نے کہا آپ تو حد درجہ بردبار ہیں۔ کہا تکلیف تو مجھے ہوتی ہے۔ لیکن صرف اتنا فرق ہے کہ میں صبر کر لیتا ہوں۔

کہا کرتے تھے کہ حلم اور بردباری نے مجھے اتنا کام دیا ہے کہ فوج نے نہیں دیا۔ کہا کرتے تھے کہ میں نے بردباری کی تعلیم قیس بن عاصم سے پائی ہے۔ ان کے برادرزادہ نے ان کے فرزند کو ماڈالا لوگ قاتل کو مشکین دیکر قیس کے پاس لے آئے۔ قیس نے پہلے تو لوگوں کو کہا کہ تم نے لڑکے کے ساتھ بہت ہی سختی کی ہے اور اسے بہت ہی ڈرایا۔ پھر قاتل کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ لڑکے تو نے برا کیا کہ اپنی تعداد کو گھٹایا۔ اپنے بازو کو کمزور بنایا۔ اعداء کو ہنسایا اور قوم کو رلایا۔ لوگو! اسے چھوڑ دو اور قاتل کی طرف سے مقتول کی ماں کو میری جیب سے خون بہا ادا کر دو۔ قاتل چھوڑ دیا گیا اور لوگ رخصت ہو گئے۔ اس قضیئہ کے وقت نہ قیس کے ابرو میں بل پڑا اور نہ اس نے نشست میں اپنے پہلو کو بدلا۔

غرض احنف اکابر تابعین میں سے ہیں۔ قبیلہ بنی تمیم کے سردار تھے اور کل عرب میں عقل و تدبیر۔ علم و حلم کے ساتھ موصوف و ممدوح۔ حضرت عمر فاروقؓ و عثمان غنیؓ و علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے روایات بیان کی ہیں۔ حسن بصریؒ اور دیگر اہل بصرہ سے روائت کرتے ہیں۔ مصعب بن زبیر کے زمانہ میں ان کا انتقال ۷۲ھ کو کوفہ میں ہوا۔

عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ لحد میں ان کا جنازہ رکھنے کیلئے میں بھی قبر میں اترا تھا۔ جس وقت میں نے لحد میں جنازہ رکھدیا۔ تو کیا دیکھا ہوں کہ جہان تک میری نگاہ پہنچتی ہے۔ لحد وہاں تک فراخ ہو گئی ہے۔ میں نے اپنے دوسرے ساتھی سے ذکر کیا۔

اس نے کہا مجھے تو معمولی لحد کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ ان کا ایک بیٹا تھا۔ جس میں باپ کی کوئی صفت بھی نہ تھی۔ کہا کرتا تھا کہ مجھے سستی اور غفلت نے اپنے باپ کے اوصاف سے محروم رکھا۔

احنف کے مذکورہ حال سے ہم بہت سے قیمتی سبق لے سکتے ہیں اور ان کے بہت سے گرانقدر اقوال کو اپنی زندگی کا رہبر قرار دے سکتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر ابن احنف کے اس فقرہ سے پوری عبرت پا سکتے ہیں کہ مسلمان کے لوبار کے اسباب وجوہ خواہ سینکڑوں یا ہزاروں بیان کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن اگر ان سب کا خلاصہ ایک لفظ میں کرنا چاہو تو وہ سستی و غفلت ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کے دماغ نفع و نقصان کو سوچ نہیں سکتے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ نیک و بد میں تمیز نہیں کر سکتی؟ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے کان آفرین و نفرین کی صداؤں اور نرم و کرخت آوازوں کو نہیں پہچان سکتے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ قدرت نے اپنی وسیع رحمت سے اکتساب خیر اور اجتناب شر کی جو قوتیں اور طاقتیں بالعموم ہر فرد بشر کو عطا فرمائی ہیں، کل مسلمان قوم ان سے محروم و عاری ہے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ اولوالعزمی اور عالی حوصلگی کا مادہ ان میں بالقوہ موجود نہیں؟ نہیں ہرگز نہیں لیکن بایں ہمہ مسلمانوں کے ادبار و تنزل، پستی و افلاس کا سبب صرف ان کی سستی و غفلت ہے اور بس۔

کہتے ہیں کہ ایک قسم کا سانپ زہریلا ہوتا ہے کہ جب کسی جاندار کی اس سے چار آنکھیں ہوئیں وہیں قوت رفتار اس کی سلب ہوئی۔ انسان دیکھتا ہے کہ سانپ ہے اور میری جانب چلا آتا ہے اور تھوڑی دیر میں آکر ڈس لیگا۔ مجھے اپنی پیاری زندگی سے دست بردار ہونا پڑیگا۔ لیکن پھر بھی اس کی مقناطیسی حیوانی کشش کا ایسا مغلوب ہو جاتا ہے کہ ادہر ادہر ذرا نہیں سرکتا۔ اور کامل سکوت کیساتھ اپنے آپ کو نشانہ ہلاکت بنائے ہوئے کھڑا رہتا ہے۔

یہی حال اس زمانے کے مسلمانوں کا ہے جو افیٔ غفلت کی کشش مقناطیسی کے مغلوب بن گئے ہیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے اسی غفلت دستی کی بدولت بیسیوں دولتیں لٹ گئیں۔ بیسیوں حکومتیں خاک میں مل گئیں بیسیوں تاجدار سر خاک مذلت پر گرے ہوئے دیکھے گئے۔ بیسیوں خانوادہ علم و کمال کے چشم و چراغ جہال کی صف نعال میں نظر آئے۔ لیکن جو غفلت چھائی ہوئی تھی اس کے تہ بہ تہ بادل اسی طرح آفاق کو گھیرے ہوئے ہیں۔ جس طرح گھن لکڑی کو اور زنگ لوہے کو کھا جاتا ہے اس طرح غفلت انسانی قابلیتوں کا ناس کر دیتی ہے۔ جس طرح ٹھیرا ہوا پانی سڑ جاتا ہے اس طرح بیکار شخص کا دماغ اور اس کی دماغی قوتیں متعفن ہو جاتی ہیں۔

توریت میں لکھا ہے کہ جب آدم علیہ السلام کو بہشت سے دنیا پر بھیجا گیا تو انہیں کہا گیا تھا کہ تو اپنی پیشانی کا پسینہ بہا کر روٹی کھائیگا۔ اب جو شخص بیکاری کے ساتھ روٹی کھانا پسند کرتا ہے وہ خدلوند کے حکم کے خلاف کرتا ہے اور اپنے ابوالاباء کی راہ کو چھوڑتا ہے۔ ایک معمولی شعر ہے جو عوام کی زبان پر مذاق اور ہنسی میں مستعمل ہوتا ہے ؎

بیکار مباش کچھ کیا کر کپڑے ہی ادھیڑ کر سیا کر

میں کہتا ہوں کہ شاعر نے انسانی فطرت کی فلاسفی اس شعر میں بھر دی ہے اور بیکاری کی خوفناک تصویر پوری کھینچ کر دکھلا دی ہے۔ سئیے ہوئے کپڑے کو ادھیڑنا اور پھر سینا تحصیل لا حاصل اور بیہودہ کام معلوم ہوتا ہے۔ مگر شاعر بیکاری کو اس سے بھی بدتر بتلاتا ہے۔ بیشک ہم کہہ سکتے ہیں کہ کپڑا ادھیڑ کر سینے سے اس کا ہاتھ ہی رواں ہو جائیگا۔ لیکن بیکار بیٹھنے سے بتلاؤ کہ کیا فائدہ نکلے گا۔

قوم کو ترقی کی راہیں بتلانا فضول ہے اور تعلیم یا صنعت و حرفت یا تجارت وغیرہ پر توجہ دلانا بھی عبث۔ ان کو صرف ایک سبق دینا چاہیئے کہ سستی چھوڑ دو۔ کام

کرنے کی عادت ہو جانے سے انسان بہت کچھ کر سکتا ہے۔ اور کاہل بن کر بیٹھے رہنے سے کچھ بھی نہیں۔

قرآن مجید کے نزول کا آغاز جس سب سے پہلے سورہ سے ہوتا ہے اسی کے الفاظ کو دیکھو کہ کس قدر ہمت و جرآت کی تعلیم دلاتا اور کس قدر اسباب و تدابیر پر عمل کرنے کی ہدائت فرماتا ہے یاایھا المدثر قم فانذر وربک فکبر و ثیابک فطہر و الرجز فاھجر مبارک ہیں وہ لوگ جو قرآن مجید کے رموز سے مستفید ہوتے اور اپنی مساعی کیلئے سلف صالحین کی ترقیات کو نمونہ قرار دیتے ہیں۔

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم — کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ابن کلس وزیر

ابو الفرح کنیت یعقوب بن یوسف نام ۔ عزیز مصر کا وزیر تھا۔ اپنے آپ کو ہارون علیہ السلام کی نسل سے بتایا کرتا تھا اور ابتدائے حال میں یہودی المذہب تھا۔ بغداد میں پیدا ہوا اور اسی جگہ ادب وانشاء وحساب میں تکمیل کر کے اپنے باپ کیساتھ بغداد سے شام اور وہاں سے مصر پہنچا۔ استاد کافور رخشیدی کے ایک مصاحب کے پاس جارہا تھا کافور محل بنوا رہا تھا پہلے داروغۂ عمارت ہوا۔ پھر خاص عہدہ مل گیا۔ رفتہ رفتہ جب کافور کو اس کی نجابت وشہامت اور صیانت ونزاہت کے اوصاف معلوم ہوئے تو دیوان خاص میں کام کرنے لگا۔ ملکی ومالی معاملات کو ایسی خوبی کے ساتھ طے کیا کرتا کہ روز بروز اس کا وقار بڑھتا گیا حتیٰ کہ حجاب اور معزز ارکین دربار اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوا کرتے تھے۔ بایں ہمہ تنخواہ کا کبھی روادار نہ ہوا۔ کافور نے گر کبھی کچھ دیا بھی تو اس میں سے صرف بقدر ضرورت رکھ لیا اور باقی واپس کر دیا۔ یہاں تک کے کافور نے حکم دے دیا کہ خزانہ سے کوئی رقم ابن کلس کے دستخط بغیر برآمد نہ ہو۔ اس وقت تک یہ یہودی ہی تھا۔

۸ شعبان ۳۶۶ھ کو اظہار اسلام کیا اور تلاوت قرآن مجید وپابندی جماعت نماز پر لزوم کر لیا اور ایک عالم قاری حافظ نحوی کو علوم شرع میں مہارت حاصل کرنے کی غرض سے اپنے پاس رکھ لیا۔

ابن الصیرفی لکھتا ہے کہ ابن کلس کی ترقی اور اعتماد کی وجہ یہ ہوئی کہ کافور کے پاس رپورٹ ہوئی کہ رملہ میں ایک سوداگر لاوارث مر گیا ہے جس کے مکان میں

۲۰ ہزار دینار مدفون ہیں اور خبر دہندہ وہ جگہ بتا سکتا ہے۔ کافور نے ابن کلس کو یہ روپیہ برآمد کرا کر خزانہ میں داخل کرنے پر مامور کیا۔ ابن کلس جب چلا تو اسے معلوم ہوا کہ فرماء میں بھی ایک سوداگر لاوارث مر گیا اور قیمتی اسباب چھوڑ گیا ہے ابن کلس نے اس اسباب پر قبضہ کرنیکی بھی اجازت منگوالی۔ رملہ میں ۲۰ ہزار کی جگہ ۳۰ ہزار دینا برآمد ہوئے اور فرماء کا اسباب بھی ۲۰ ہزار دینار کو فروخت ہوا۔ کافور نے یقین کر لیا کہ یہ شخص نہائت متدین اور بہت بابرکت ہے۔ جب تک کافور زندہ رہا، ابن کلس کا جاہ وجلال بنا رہا۔ اس کے مرتے ہی وزیر ابن الفرات نے حساب فہمی میں اس کو گرفتار کر لیا۔ یہاں سے منت وسماجت سعی وکوشش کے بعد رہائی ملی۔ رہا ہو کر اپنے بھائی سے قرض لیا اور افریقہ کو چل دیا۔ راہ میں اسے معزالعبیدی کا غلام القائد جوہر ملا جو دیار مصر پر تصرف وتملک کیلئے آرہا تھا۔ ابن کلس اس سے ملا اس نے اپنی عرضداشت کے ذریعے اپنے آقا معز کے پاس روانہ کر دیا جس نے دیار مصریہ میں ہی اسے مامور کر دیا۔ جب معز کے بعد اس کا بیٹا عزیز تخت نشین ہوا تو عہدہ وزارت اس کو مل گیا۔ وزیر ہو کر نہائت عمدہ اصول حکمرانی قائم کئے اور اہل علم وہنر کی خوب قدردانی کی۔ ہر ہفتہ شب جمعہ کو مجلس مرتب کرتا اور فقہاو قراء نحاۃ وشعراء قضاۃ کو جمع کرتا اور ہر ایک علم سے متعلق بحث وتکرارِ علمیہ کا دور شروع ہو جاتا۔

اپنے ذاتی صرف سے اپنے گھر پر کاتبان قرآن کریم، کاتبان حدیث فقہ وادب، طب وکلام نوکر رکھ چھوڑے تھے جو ہمیشہ کتب مفیدہ کی کتابت کرتے اور نشر علوم میں ساعی رہتے۔ خوان کرم ایسا وسیع تھا اراکین سلطنت واعیان دولت، اہل فضل وکمال، مسافرین وسائلین کے لئے جداگانہ مطبخ علاقہ کے اندر تھا کہ ہر ایک جنس ہر ایک چیز کے بازار اس کے اندر بسے ہوئے تھے اور بیرونی جانب سے ایک جنگی قلعہ کے برابر مستحکم وحصین تھا۔ مرنے سے چند روز پیشتر اسے ایک کاغذ مسند پر گرا ہوا ملا۔ اٹھا کر

دیکھا تو یہ اشعار لکھے ہوئے تھے۔

احز روامن حوادث الازمان و تو قواطوارق الحدثان

قد امنتم من الزمان و تمتم رب خوف مکمن فی امان

خلاصہ یہ ہے کہ خوف امن کے اندر سے ہی نکل آتا ہے حادثات زمانہ سے غافل وایمن نہ ہونا چاہیئے۔

ابن کلس لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھ کر رہ گیا۔

اس سے تھوڑے دن بعد ہی بیمار ہو گیا۔ نزع سے کچھ پہلے بادشاہ عیادت کیلئے آیا۔ اس کی خراب حالت دیکھ کر نہائت متاسف ہوا۔ کہا کاش اگر تیری زندگی قیمتاً مل سکتی تو میں سلطنت کو دے کر بھی خرید لیتا اور اگر تیرے لئے فدیہ منظور ہو سکتا تو میں اپنے بیٹے کو بھی تجھ پر فدا کر دیتا۔ اب جو وصیت تو کرنا چاہے اس پر میں عمل کرونگا۔ ابن کلس نے کہا حضور اپنے پسماندگان کیلئے کچھ عرض کرنا نہیں چاہتا کیونکہ الطاف شاہی میرے حال پر اس قدر مبذول ہیں کہ اس سے بڑھ کر اور توجہ دلانا ممکن نہیں البتہ میں ملکی معاملات کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) روم کے ساتھ کبھی نہ بگاڑنا۔ اور جب تک وہ سلامت روی سے رہیں ان سے جنگ کا جویانہ ہونا۔

(۲) اہل ہمدان میں اگر حضور کا خطبہ و سکہ قائم رہے تو اسی پر قناعت فرمانا۔ اس سے بڑھ کر اگر ان سے کچھ چاہا گیا تو نتیجہ خوب نہ ہوگا۔

بادشاہ بذات خود تجہیز و تکفین میں شریک ہوا اور اپنے ہاتھ سے لحد میں اسے رکھا۔ اس روز اپنے سر پر چتر بھی نہ لگایا۔ حالانکہ چتر شاہی کے بغیر وہ کبھی سوار نہ ہوا کرتا تھا۔ تمام بازار اور عدالتیں ماتم میں بند رہیں۔

اس کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ ۲ لاکھ دینار سالانہ کی جاگیر ذاتی کا مالک تھا

اور ۴ ہزار غلام اس کے گھر کی معتبر خدمات پر مامور تھے۔ ۵ لاکھ دینار کا قیمتی کپڑا اور ۴ لاکھ دینار کے جواہرات گھر میں تھے۔ سوداگروں کا ۱۲ ہزار قرض دینا نکلا۔ جس کو بادشاہ نے خزانہ سے ادا کر دیا اور کفن و دفن پر دس ہزار دینار جو صرف میں آئے تھے وہ بھی سلطنت نے دیئے۔ سو سے زیادہ شاعروں نے مرثیے لکھے اور وہ سب ایک جگہ جمع کئے جا کر کتاب کی صورت میں مرتب کئے گئے۔

اس کی شاعرانہ نازک خیالی کے متعلق ایک قصہ مشہور ہے کہ بادشاہ اور وزیر کے پاس ایک ہی جنس کے عمدہ عمدہ پرندے تھے۔ ایک دفعہ ان کو پرواز کیلئے چھوڑا گیا۔ وزیر کا پرندہ آگے نکل گیا۔ بادشاہ کو نہائت ناگوار گذرا اور حاسدین کو کہنے کا موقع مل گیا کہ حضور کیلئے تمام اشیاء و اسباب گھٹیا اور ادنیٰ درجہ کا آتا ہے اور جو چیز اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے اسے وزیر اپنے گھر میں رکھتا ہے۔ ابن کلس کو بھی خبر ہو گئی اس نے ذیل کا قطعہ بادشاہ کے پاس لکھ بھیجا۔

قل لامیر المومنین الذی — له العلاو النسب الثاقب

طائر السابق لکنهه — جاء و فی خدمته الحاجب

ترجمہ۔ امیر المومنین سے جن کا نسب اور درجہ بلند ہے۔ عرض یہ ہے کہ پرندہ تو حضور کا ہی بڑھا ہوا تھا لیکن اس کے آگے آگے چوبدار کا ہونا ضروری تھا۔

بادشاہ نے اسے بہت پسند کیا اور مسرور ہو گیا۔ ابن کلس کا سال ولادت ۳۱۸ھ اور سال وفات ۳۸۰ھ ہے۔ بعض شخصوں نے اس کے اسلام پر شک کیا ہے اور بتلایا ہے کہ دل سے یہودی ہی تھا ان ظاہر بینوں کو دل پر حکم لگاتے ہوئے ذرا خوف نہیں آتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ شخص حسن الاسلام تھا۔ اور معتقدات یہود کے متعلق نہائت شرح و بسط سے رد کیا کرتا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ابو الطاہر محمد بن بقیہ وزیر

ابو الطاہر محمد بن بقیہ الملقب نصیر الدولہ 'عزالدولہ بختیار بن معزالدولہ بن بویہ کا وزیر تھا۔ پہلے معزالدولہ کا باورچی تھا۔ جب عزالدولہ اپنے باپ کی جگہ مسند نشین ہوا تو ابن بقیہ منظور نظر عنائت ہو گیا اور رفتہ رفتہ ترقی پاتا ہوا درجہ وزارت تک پہنچ گیا۔ اگرچہ شروع شروع میں لوگوں کو ایک ایسے شخص کا جو پہلے کہیں باورچی رہ چکا ہو وزیر بن جانا ناگوار گزرا مگر ابن بقیہ کے جود و سخا اور کرم و عطا نے اس کے تمام عیوب پر پردہ ڈال دیا۔ کہتے ہیں کہ بیس روز میں اس نے بیس ہزار خلعت لوگوں کو عطا کئے تھے۔

ابو اسحٰق کہتا ہے کہ ایک شب جلسہ میں میں بھی موجود تھا۔ ابن بقیہ نے دو سو دفعہ پوشاک بدلی پہلی پوشاک اتار کر انعام میں دے دیتا۔ ایک گویا لونڈی دیکھ کر بولی کہ حضور ان پوشاکوں میں شاید بھڑیں ہونگی جو بدن پر کپڑے رہنے نہیں دیتیں۔ ابن بقیہ یہ سنکر ہنس پڑا۔ اس کی امارت یا اسراف کا اندازہ کرنے کیلئے دوسری روائت یہ ہے۔ کہ موم بتی کا خرچ اس کے ہاں دو ہزار اشرفی ماہوار کا تھا۔

اس کے عہد وزارت میں عزالدولہ کی اپنے چچیرے بھائی عضد الدولہ شاہ اہواز کے ساتھ جنگ شروع ہوئی۔ پچاس دن کے محاربہ کے بعد عزالدولہ کو شکست ہوئی۔ چونکہ جنگ کا مشورہ ابن بقیہ ہی نے دیا تھا اس لئے بادشاہ نے شکست کا غصہ اسی پر نکالا اور اسے گرفتار کر کے عضد الدولہ کے پاس بھجدیا کہ بھائیوں میں پھوٹ ڈالنے والا یہی مایہ فساد تھا۔

عضد الدولہ جنگ سے پہلے بھی اس کے خون کا پیاسا تھا کیونکہ ابن بقیہ ہمیشہ

عضد الدولہ کو برے الفاظ میں یاد کیا کرتا اور بھرے دربار میں حقارت آمیز فقرات اس کے لئے استعمال کیا کرتا تھا اور اس کو ترہ فروش کہا کرتا۔ اس وقت تو ایسے الفاظ و فقرات سے ابن بقیہ کی غرض اپنے آقا عزالدولہ کو خوش کرنا ہوتا تھا مگر یہ کیا معلوم تھا کہ ان کا خمیازہ بھی کبھی اٹھانا پڑے گا۔ عضد الدولہ نے پہلے تو اسے تمام شہر میں تشہیر کرایا اور پھر مست ہاتھی کے پاؤں میں ڈالکر کچلوایا اور پھر بیرون دروازہ شہر پھانسی پر لٹکوا دیا۔ الوالحسن محمد انباری وزیر کا احسان پروردہ وصلہ خوردہ تھا۔ اس نے نہائت دردانگیز مرثیہ لکھا۔ چند اشعار شاعرانہ حیثیت سے ایسے عجیب ہیں کہ انہی کیوجہ سے میں نے ابن بقیہ کا حال انتخاب کیا۔ وہ کہتا ہے اور پھانسی پر کھلی ہوئی لاش کا سماں مدح کے پیرایہ میں دکھلاتا ہے۔

علو فی الحیٰوۃ و فی الممات لحق انت احدی المعجزت	زندگی میں تھی تو بلند تھا۔ اور مرنے کے بعد بھی بلند ہی رہا حق تو یہ ہے کہ تو بھی گویا ایک معجزہ ہے۔
کان الناس حولک حین قالوا و فود نداك ایام الصلاۃ	لوگ جو تیرے گرد کھڑے ہیں ایسے معلوم دیتے ہیں کہ تجھسے انعامات و عطیات لینے کیلئے حاضر ہوئے ہیں۔
کانک قائم فیھم خطیبا و کلھم قیام للصلوٰۃ	تو درمیان میں ایستادہ ہے اور لوگ بھی کھڑے ہوئے ہیں اس سے ایسا نظر آتا ہے کہ تو خطیب ہے اور لوگ نماز کیلئے کھڑے ہیں۔
مددت بدیک نحوھم احتفالا کمدھما الیھم بالھبات	تو نے اپنے ہاتھونکو لوگو نکیطرف پھیلار کھا ہے غالباً انکے بلانے کیلئے ہے اور اس طرح تو اپنے ہاتھونکو سخاوت کیلئے پھیلایا کرتا تھا۔

و لما ضاق بطن الاض عن ان
تضم علال من بعد الممات

جب موت کے بعد بھی زمین تیری برتری پر مٹی نہ ڈال سکی۔

اصاروالجو قبرل و استنابوا
عن الا کفان ثوب السافنات

تو تجھے خلا میں دفنا دیا گیا۔ اور کفن کی جگہ مرگ کے کپڑوں سے کفنایا گیا۔

لعظمک فی النفوس تبیت ترعی
بحفاظ و جراس تقات

چونکہ آپکی عظمت دلوں میں جمی ہوئی ہے اس لئے آپ سو رہے ہیں اور معتبر چوکیدار دربان پہرہ دے رہے ہیں۔

و تشعل عنذل النیران لیلا
کذلک کنت ایام الحیٰوۃ

جسطرح زندگی میں آپکے باورچی خانہ کی آگ ہمیشہ روشن رہتی تھی اس طرح اب بھی تمام رات آپکے قریب آگ روشن رہتی ہے۔

رکبت مطیته من قبل زیدؓ
علاھافی اسنین الماضیات

جس سواری پر گذشتہ زمانہ میں حضرت زید بن زین العابدینؒ سوار ہوئے تھے آپ بھی اسی پر سوار ہوئے ہیں۔

ولم ار قبل جذعک قط جدعا
تمکن من عناق المکرمات

آپکی لاش سے پہلے میں نے کوئی ایسی لاش نہیں دیکھی جس نے بزرگیوں کیساتھ یوں معانقے کئے ہوں

شاعر نے یہ مرثیہ بغداد کی گلیوں میں متفرق کاغذات پر لکھ کر پھیلا دیا۔ شدہ شدہ عضد الدولہ تک بھی یہ اشعار پہنچ گئے۔ اس نے حکم دیا کہ اس کا مصنف معلوم کیا جائے۔ سال بھر تک تلاش ہوتی رہی۔ آخر صاحب ابن عباد کو جو حاکم رے تھا پتہ لگ گیا۔ اس نے مصنف کو وعدہ امن دے کر طلب کیا۔ جب ابو الحسن انباری سامنے آیا تو کہا کہ مرثیہ تو میں دیکھ چکا ہوں مگر مصنف کے منہ سے سننے کی آرزو ہے۔ انباری نے پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے پڑھتے جب ولم ارقبل جذعک قط جذعا۔ پر پہنچا

تو حاکم نے اٹھ کر منہ کو چوم لیا اور پھر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ وہ رات کیوقت بادشاہ کے سامنے پیش ہوا۔ عضد الدولہ نے کہا کہ ایسا مرثیہ لکھنے کی جرات تجھے کیونکر پیدا ہوئی کہا، مرحوم کے سابقہ احسانات اور دریا عنایات نے میرے کلیجہ میں آگ بھڑکا رکھی تھی۔ چند شعر کہہ کر میں نے اسے ٹھنڈا کر لیا۔ بادشاہ جس کے سامنے شمع ہائے بلورین روشن تھے، بولا کہ شمع کے بارہ میں بھی کوئی شعر یاد ہے انباری نے کہا ہاں!

کان الشموع و قدا ظهرت من النار فی کل راسا سنانا

اصابع اعدائک الخائفین تضرع تطلب منک الا مانا

ہر ایک شمع جس کے سر پر آتش بار سنان ہے، گویا تیرے خائف و ترساں دشمنوں کی انگلیاں ہیں۔ جو گڑگڑاتی ہوئی تجھ سے امان کی خواہاں ہیں۔

بادشاہ سن کر خوش ہوا۔ ایک کیسہ زر ایک خلعت دیکر رخصت کر دیا۔ ابن بقیہ کی لاش جب تک عضد الدولہ زندہ رہا پھانسی پر ہی لٹکتی رہی۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد اتار کر دفنائی گئی۔ انباری نے اس بارہ میں بھی چند اشعار کہے۔

لم یلحقوا بک عارا فصلبت بلی باوا باتمک ثم استرجعواند ما

پھانسی پر لٹکائے جانے سے تجھے کوئی عیب نہیں لگ گیا۔ بلکہ انہوں نے ایک گناہ کیا اور خود ہی ندامت اٹھا کر اس سے رجوع کرنا پڑا۔

لئن بلیت فلا یبل نداك و لا تنسى و کم هالک ینسى اذاقدما

گو آپ پر مصیبت آئی مگر آپ کی سخاوت کو تو کوئی صدمہ نہیں پہنچا اور نہ بھلائی جا سکتی ہے حالانکہ بہت سے اشخاص ایسے ہیں کہ مرنے کے بعد انہیں کوئی جانتا بھی نہیں۔

تقاسم الناس حسن لتذکر فیک کما مازال مالک بین الناس منقسما

لوگوں میں آپ کی تعریف اب اس طرح پر تقسیم ہو رہی ہے جس طرح کبھی آپ کا عطا کردہ زر و مال تقسیم ہوا کرتا تھا۔

ابن بقیہ کا واقعہ شوال ۳۶۷ھ کو ہوا۔ اس وقت اس کی عمر پچاس ساٹھ کے درمیان تھی۔ ابن بقیہ کا قصہ سبق دے رہا ہے کہ غلط مشورے دینا' اقارب کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کی سعی کرنا اور ناشائستہ الفاظ کا استعمال کبھی نہ کبھی ضرور برے انجام پر ختم ہوتے ہیں۔ انباری شاعر کا واقعہ ظاہر کر رہا ہے کہ اخلاص ورزی' محسن کی شکر گزاری استقلال ضرور اچھے نتائج پیدا کرتے ہیں۔ دنیا میں گو بہت سے اشخاص ایسے پائے جاتے ہیں جو خود غرضی اور مطلب براری کے سامنے خلوص اور شکر گزاری محسن کو نہائت حقارت سے دیکھا کرتے ہیں اور ان صفات کو کمزور انسانی خیال کیا کرتے ہیں۔ لیکن سچی شرافت اور حقیقی انسانیت ان لوگوں کے ساتھ کبھی اتفاق نہیں کر سکتی۔ انباری نے ابن بقیہ کو پھانسی پر لٹکائے جانے کو حضرت زید بن امام زین العابدینؓ کا مشبہ قرار دیا ہے۔ سو اس بزرگوار سید کو بھی بجرم بغاوت ہشام اموی کے حکم سے حاکم رے نے چند سال تک پھانسی پر لٹکائے رکھا تھا۔ آخر جب معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں اس بارے میں جوش پھیل رہا ہے تو لاش کو جلا کر راکھ دریا میں بہادی تھی۔ بنی امیہ کے بعد عباسیہ کا دور خلافت شروع ہوا اور انہوں نے بنی امیہ کے اس ظلم وستم کا جو فرزندان اہلبیت نبوی ﷺ پر کئے گئے تھے بدلہ لینا شروع کیا۔ مگر اس برے طریق پر کہ قبر میں سے مردہ نکالا اور راکھ کر دیا اور کہا کہ یہ زید شہید رضی اللہ عنہ کا بدلہ ہے۔ اللہ اکبر خود سرانہ حکومت کیسی کیسی خونریزیوں کا سرچشمہ رہی ہے اور مدعیان پیروی مقدس مذہب نے کیسے کیسے افعال کئے ہیں۔ قرآن مجید نے وشاورھم فی الا مر فرما کر دار الشورے کی بنیاد ڈالی اور خلافت راشدہ کے تاباں جواہر نے اس عمارت کی حفاظت کی لیکن ان کے بعد اس حکم سے چشم پوشی و سرتابی کی گئی اور مسلمانوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے وہ کچھ دیکھنا نصیب ہوا کہ اعداء سے بھی ظہور میں آنے کی توقع نہ کیجا سکتی تھی۔

نظام الملک

یہ وہی مدبر اور علم دوست وزیر ہے جس نے اپنے نام پر نظامیہ بغداد کی بنیاد ڈالی اور تین کروڑ روپیہ سالانہ کی جاگیر اس اسلامی یونیورسٹی کیلئے دواماً وقف کی یہ وہی نظامیہ ہے جہاں کے وظیفہ خوار طالب علم ہونے پر سعدی شیراز کو فخر ہے بوستاں میں فرماتے ہیں۔

ماور نظامیہ ادرار بود شب و روز تلقین و تکرار بود

یہ وہی نظامیہ ہے جس میں امام غزالی' امام نووی و فاضل اجل ابن جوزی جیسے پروفیسر تھے۔ نظام الملک بروز جمعہ ۲۴ ذیقعد ۴۰۸ھ کو نوقان ضلع طوس میں پیدا ہوئے۔ نام حسن بن علی بن اسحٰق بن عباس کنیت ابو علی' لقب نظام الملک قوام الدین ہے۔ لیکن مشہور صرف نظام الملک ہوا اور نام کنیت پر بھی غالب آگیا۔

ان کا باپ ایک معمولی زمیندار تھا مگر بیٹے کو حدیث وفقہ کی تعلیم اعلےٰ درجہ کی دلائی تھی۔ جب نظام الملک سن بلوغ کو پہنچا تو علی بن شاقون حاکم بلخ کے پاس جاکر نوکر رہ گیا۔ لیکن وہ درشت مزاج اور تند خو تھا۔ اس کو بہت جلد مستعفی ہونا پڑا۔ اس کے بعد وہ داؤد بن میکائیل سلجوقی کی خدمت میں رہنے لگا۔ داؤد کو رفتہ رفتہ اس کے جوہر قابلیت دیکھ کر محبت بڑھتی گئی۔ بالآخر اپنے بیٹے الپ ارسلاں کا اتالیق بنادیا اور شاہزادہ کو بلاکر سمجھادیا کہ اسے میرے برابر سمجھنا اور اس کے مشورہ سے کبھی تجاوز نہ کرنا۔

جب الپ ارسلاں نے سر پر تاج رکھا کو تدبیر مہام اور مہارِ انتظام کو نظام

الملک کے ہاتھ میں دے دیا۔ دہ سالہ حکومت کے بعد الپ ارسلاں مر گیا اور ملک شاہ اپنے باپ کی جگہ شاہ مقرر ہوا۔ بادشاہ کے پاس آبادی میں صرف تخت تھا اور جنگل میں شکار۔ باقی سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک نظام الملک ہی تھا۔ اسی جاہ و جلال کے ساتھ اپنی عمر کے آخری بیس سال پورے کئے۔ نظام الملک کی مجلس ہر وقت علماء کبار اور صوفیائے نامدار سے بھری رہتی تھی اور یہ بھی صوفیہ کی خدمت خصوصیت کیساتھ حد سے بڑھ کر کیا کرتا۔ ایک دفعہ اس کا سبب پوچھا گیا۔ کہا ابتدائے عمر کا ذکر ہے میں ایک امیر کی خدمت میں مشغول تھا۔ ایک درویش ادھر آ نکلے۔ فرمایا ایسے شخص کی خدمت کرنی چاہیئے جس سے کچھ منفعت حاصل ہو۔ تو ایسے شخص کی خدمت میں لگا ہوا ہے جس نے کل تک کتوں کا لقمہ بن جانا ہے۔ میں اس وقت اس فقرہ کے معنے نہ سمجھا۔ درویش چلا گیا۔ اس امیر کے ہاں شکاری کتے بہت تھے۔ جو خونخواری و درندگی میں درندوں سے بڑھ کر تھے۔ یہ سب رات کو محل کے گرد چھوڑے جاتے۔ جو کوئی غریب ناواقف محل کے آس پاس مل جاتا اسے پھاڑ ڈالتے۔ رات کو امیر نے شراب پی اور حالت نشہ میں تن تنہا محل سے باہر نکل آیا۔ نہ کتوں نے مالک کو پہچانا اور نہ مالک نے اپنے آپ کو شناخت ہی کرایا۔ کتوں نے اسے اجنبی سمجھا اور چیر ڈالا۔ تب میں سمجھا کہ وہ درویش باخدا اور صاحب باطن اور اہل صفا تھا۔ اب میں اس لئے ہر ایک کی خدمت کرتا ہوں کہ شاید کوئی رسیدہ ملجاوے۔

نظام الملک علما میں سے ابو القاسم قشیری اور امام الحرمین ابو المعالی کی تعظیم و اکرام میں نہائت غلو کیا کرتا تھا اور جب ان دونوں میں سے کوئی صاحب تشریف لے آتے تو مسند چھوڑ کر سامنے دوزانو ہو بیٹھتا۔ اس بندہ صالح کی عادت یہ تھی کہ بانگ نماز سنتے ہی سب کام چھوڑ کر نماز کے لئے کھڑا ہو جاتا۔ کہتے ہیں کہ یونیورسٹی کا بانی سب سے پہلے یہی ہوا۔ اور ہر جگہ اسی کی تقلید کی گئی۔ جس وقت اس نے تین کروڑ سالانہ کی جاگیر نظامیہ کیلئے وقف کر دی تو بعض مصاحبین نے بادشاہ کو بھڑکایا کہ دیکھئے حضور بلا

استمزاج کتنے بڑے حصہ سلطنت کو خزانہ سے علیحدہ کر دیا۔بادشاہ نے نظام الملک کو بلا کر صاف لفظوں میں تو نہ کہا لیکن یہ کہا کہ فوجی مصارف کی بہت ضرورت ہے۔آپ مدارس کے لئے کچھ رقم مقرر کیا کریں تو اس کا لحاظ کر لیا کریں۔نظام الملک نے کہا کہ جو فوج آپ تیار کرتے ہیں وہ دشمنی خروج و بغاوت کے بعد زیر کرتی ہے اور جو فوج میں تیار کر رہا ہوں وہ بغاوت سے پہلے مادہ دشمنی کو خارج کر دیتی ہے آپ کی فوج کے تیر دشمن ارضی کے حملہ کی روک ہیں مگر اس فوج کے تیر دعا آسمانی قضا کو تھام دیتے ہیں۔ پھر کہا۔جان بابا میں تو ضعیف پیر ہرم ہو گیا ہوں۔لیکن تم ماشاء اللہ جوان ہو' ترک ہو' خوب سرخ و سفید۔بھلا اگر تم کو نخاس میں فروخت کیا جائے تو اس تن و توش اور رنگ و روپ پر کیا قیمت پڑے۔یہی ہزار بارہ سو درہم! اس حیثیت خلقی پر خداوند تعالیٰ نے جو اتنے بڑے ملک کا تم کو والی و بادشاہ بنا دیا ہے تو اب تم کو اس کی راہ میں اور علوم الٰہیہ کی ترویج میں صرف تین کروڑ سالانہ دیتے ہوئے بھی درد آتا ہے۔! بادشاہ رو پڑا۔کہا معاف فرمائیے آپ جو کچھ کر رہے ہیں وہ عین مصلحت و صواب ہے۔

نظامیہ کی بنیاد ۴۵۷ھ میں رکھی گئی اور ۴۵۹ھ میں عمارت پوری ہو گئی۔ شیخ ابو اسحٰق شیرازی کو پرنسپلی کیلئے انتخاب کیا گیا اور انہوں نے اس تقرر کو منظور کر لیا۔ افتتاح کے دن نظام الملک تو موجود نہ تھا۔اس کے بیٹے موید الملک نے رسم پوری کی۔ استاد ابو اسحٰق کا نہائت انتظار کیا گیا۔جب نظام الملک کو اطلاع ہوئی تو اس نے بیٹے کو لکھ بھیجا کہ تم نے غلطی کی۔اگر افتتاح کالج میں ایک سال کا وقفہ بھی پڑ جاتا تو کچھ پرواہ نہ تھی مگر ابو اسحٰق کے سوا پرنسپلی کا شایاں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔آخر بیس یوم کے بعد ان کو ہی منت سماجت کر کے رضامند کیا گیا۔

الغرض نظام الملک وہ شخص ہے جو وزیر سلطنت بھی تھا اور عالم دین بھی۔اس کا عمل کثرت علم سے مشید تھا اور اس کا علم مداومت عمل سے مزین تھا۔جا بجا مہمان

سرائیں' پل اور مدارس تعمیر کرادیئے تھے۔ حدیث پاک کے درس میں طالب علمانہ حاضر ہوا کرتا اور گاہے گاہے خود بھی روائت کیا کرتا۔ کہا کرتا تھا میں جانتا ہوں کہ روائت حدیث نبوی ﷺ کی اہلیت مجھ کو نہیں لیکن تمنا ہے کہ راویان حدیث رسول ﷺ میں بروز شمار میرا شمار کیا جاوے۔

ایسے ہی اخلاق حمیدہ اور خصائل جمیلہ کیوجہ سے نظام الملک ایک ایسے ذاتی اعزاز کا مالک ہو گیا تھا جو محض ایک وزیر سلطنت کو ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایک دفعہ خلیفہ مقتدی باللہ کے دربار میں پیش ہوا خلیفہ نے محض اس کے ذاتی اعزاز کیوجہ سے اس کو حضور میں نشست کی اجازت دیکر کہا کہ اے حسن امیر المومنین تجھ سے خوشنود ہے۔ خدا بھی تجھ سے خوش رہے۔

نظام الملک کبھی کبھی خداداد موزونی طبع سے بھی دل بہلایا کرتا اور شعر کہا کرتا تھا۔ ذیل کا قطعہ اسی کا ہے جو حسب حال بھی ہے۔

بعد الثمانین لیس قوۃ قد ذھبت شرۃ الصبوۃ

کاننی والعصاء بکفی موسیٰ ولکن بالا نبوۃ

یعنی ہشتاد سالہ عمر کے بعد قوت نہیں رہتی۔ اور لڑکپن کی امنگوں کا تو نشان بھی نہیں ملتا جب میرے ہاتھ میں عصا موجود ہے تو گویا میں بھی موسیٰ ہوں گو نبوت مجھے حاصل نہیں۔

کہتے ہیں اصفہان کے بادشاہ کے پاس جا رہا تھا۔ جب نہاوند کے قریب پہنچا تو کہا یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بہت سے صحابہؓ شہید ہوئے تھے۔ مبارک ہے جس کو ان کا ساتھ نصیب ہو۔ تھوڑی دور ہی آگے چلے تھے۔ کہ ایک دیلمی لڑکا صوفیانہ لباس پہنے ہوئے سامنے آیا۔ ظاہر کیا کہ عرضی پیش کرنا چاہتا ہے۔ نظام الملک نے قریب بلایا اور ہودج میں سے اٹھ کر عرضی لینے کیلئے ہاتھ

نکالا۔ ظالم لڑکے نے اسی وقت چھری چلائی جو سیدھی دل پر آ لگی۔ اور طائر روح کی پرواز کے لئے قفس کی کھڑکی کھل گئی۔ نظام الملک شہید ہو گیا۔ قاتل بھاگ چلا تھا۔ مگر پکڑا گیا اور اسی وقت قتل کر دیا گیا۔ طناب خیمہ کے ساتھ قاتل کا سر بھی مقتول کی تدفین سے پہلے آویزاں نظر آتا تھا۔

بادشاہ تعزیت کیلئے خود اس کے کمپ میں آیا اور مرحوم کے جملہ ملازمین واقربا کو تسلی وصبر دلاتا رہا۔ بعض کا خیال ہے کہ قاتل نے بادشاہ کے اشارہ سے ہی وار کیا تھا۔ کیونکہ بادشاہ اس کے سامنے محض شاہ شطرنج تھا اور مرحوم کی بست سالہ وزارت کے طول زمانہ نے جہاندیدہ وزیر کو مالک کے دل و دیدہ پر اور بھی زیادہ گراں کر رکھا تھا۔

بعض کا خیال ہے کہ یہ واقعہ تاج الملک ابو الغنائم خسرو کی سازش سے ہوا۔ کیونکہ نظام الملک اور مرزبان میں کچھ چلی ہوئی بھی تھی اور مرحوم کے بعد وزیر بھی وہی ہوا۔ سلمان کے نزدیک یہ سب قیاسات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بندہ صالح کی تمنا کو دیکھا۔ دعا کو سنا۔ صحابہ کرام اور شہدائے عظام کے پہلو میں خواب راحت کی اجازت دی اور اسی مقام پر جہاں جہاد کرتے ہوئے اصحاب نبوی نے جان دی تھی اسے انصاف کرتے ہوئے نعمت شہادت ارزانی فرمائی جو حکومت و وزارت سے بدرجہا ارفع واعلےٰ ہے۔

ابو الہیجا مقاتل بن عطیہ نے مرثیہ میں یہ قطعہ لکھا۔

كان الوزير الملك لولوة تقبسه صاغها الرحمن من شرف

عرت فلم تعرف الايام قيمتها فردها غيرة منه الى الصدف

یعنی نظام الملک وزیر ایک نفیس موتی تھا۔ جسے رحمٰن نے دریائے شرف سے نکالا تھا۔ اس نے دنیا کو اپنی آب و تاب دکھلائی مگر دنیا نے اس کی کچھ قدر و قیمت نہ پہچانی۔ اس لئے غیرت الٰہیہ نے اس کو پھر صدف میں ہی رکھ دیا۔

صدف میں رکھنے کا کنایہ منها خلقنا كم و فيها نعيدكم سے

ہے۔ شہادت کا واقعہ ۷ اماہ رمضان ۵۹۴ھ ہجری کو ہوا۔ بادشاہ بھی اس سے ۳۵ یوم بعد مر گیا۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جعفر برمکی

خلافت عباسیہ کی تاریخ میں جو قدرو منزلت اور عزت و شہرت جعفر اور اس کے خاندان وزارت کو حاصل ہوئی ہے اور جو سبق عبرت اس خاندان سے حکومت و اختیار کے شیدائیوں اور مال و زر کے فدائیوں کو حاصل ہو سکتا ہے' وہ شاید دوسری جگہ سے نہ مل سکے۔

برمک پارسی نژاد شخص تھا۔ آتشکدہ بلخ کا مدت العمر پجاری رہا۔ اس کا بیٹا خالد مسلمان ہوا اور خلیفہ عبداللہ سفاح و خلیفہ منصور کا وزیر اعظم رہ کر اکراد فارس پر فوج کشی کرتا ہوا اپنی موت سے مر گیا۔ اس کا بیٹا یحییٰ ہمیشہ سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز رہا اور آخر میں بادشاہی محلات کا منتظم تھا۔ یحییٰ کے دو بیٹے تھے فضل اور جعفر۔ ہارون رشید کے وقت میں ان دونوں کو جو عروج حاصل ہوا وہ کسی وزیر کو تو کیا شاید بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی حاصل نہیں ہوا۔

ہارون فضل کو ہمیشہ بھائی صاحب اور یحییٰ کو ہمیشہ باوا جان کہہ کر بلایا کرتا تھا۔ اس کی وجہ محبت بھی تھی اور رشتہ رضاعت بھی۔ یعنی ہارون رشید نے فضل کی ماں کا اور فضل نے ہارون رشید کی ماں کا دودھ پیا تھا۔ فضل اور جعفر دونوں بھائی اعلےٰ درجہ کے لائق اور قابل تھے اور اگر ان دونوں میں زیادہ غور کی نگاہ سے فرق و تمیز کیجاتی تو وجہ تمیز یہ تھی کہ فضل کی سخاوت جعفر سے بڑھی ہوئی تھی اور جعفر کی بلاغت فضل کی انشاء پر فضیلت رکھتی تھی۔ پہلے فضل ہارون رشید کا وزیر تھا لیکن پھر اس نے چاہا کہ جعفر کو خلعت وزارت عطاء کرے۔ یحییٰ کو بلایا۔ کہا باوا جان میں جعفر کو فضل کی جگہ

بٹھلانا چاہتا ہوں۔ اس کام کو انجام دیں۔ یحییٰ نے کہا بہتر۔ اس نے وہیں بیٹھے ہوئے فضل کو لکھدیا۔ امیر المومنین کا ارادہ ہے کہ خاتم وزارت کو دست راست سے بدل کر دست چپ میں پہنایا جائے تم کو لازم ہے کہ تعمیل کرو۔ (جعفر فضل سے چھوٹا تھا)۔

الغرض جعفر ہارون رشید کا وزیر تھا اور علو قدر و نفاذ امر جلالت منزلت قدر و عزت کی اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ آج تک وزیر شاید وہ درجہ حاصل نہیں کر سکا۔ کشادہ پیشانی خندہ روئی کے ساتھ فصاحت و بلاغت کا مالک تھا۔ جود و سخاوت کے واقعات آجکل تو کہانیاں معلوم ہوتی ہیں لیکن تاریخی طور پر تفحص کیا جائے تو شاید ایسے شخص کو ابر گہربار کہنا موزوں تشبیہہ ہو۔

کہتے ہیں کہ ہارون رشید کو اپنی بہن عباسہ اور جعفر وزیر کے ساتھ از حد محبت تھی۔ نہ جعفر کے بغیر اسے شکیب تھا اور نہ عباسہ کے بغیر صبر۔ ایک دن جعفر کو کہا۔ کہ مجھے اتنی بڑی سلطنت میں بھی بے غش زندگی حاصل نہیں۔ جب باہر تمہارے پاس ہوتا ہوں تو عباسہ یاد آتی ہے' اندر عباسہ کے پاس ہوتا ہوں تو جعفر کی یاد بے چین رکھتی ہے۔ جعفر میں چاہتا ہو کہ عباسہ کا تیرے ساتھ نکاح کردوں تا کہ تم سامنے ہو سکو۔ مجھے یکبارگی دونوں کے پاس بیٹھنا میسر آئے مگر دیکھ میرے بغیر کبھی تم ایک جگہ جمع نہ ہونا۔ اور باہم گفتگو و کلام نہ کرنا۔ اس حکائت سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ کہاں تک جعفر کی محبت ہارون رشید کو تھی۔ ایک اور حکائت بھی ملتی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ جعفر کو کہاں تک ہارون رشید پر اقتدار حاصل تھا۔

ابراہیم بن مہدی کہتا ہے کہ ایک روز جعفر نے احباب کا جلسہ کیا۔ ہر ایک شریک دعوت کیلئے ریشمی لباس تیار کرایا گیا تھا۔ لباس پہنایا گیا اور سب کو عطر سے بسایا گیا اور حکم دیا کہ عبدالملک بن بحران کو بلاؤ۔ اس کے سوا اور کوئی اندر نہ آئے۔ دربان نے عبدالملک تو سنا اور ابن بحران نہیں سنا۔ وہ جا کر عبدالملک بن صالح ہاشمی کو بلا لایا۔ اور

اندر آکر اطلاع کے وقت بھی صرف یہی کہا کہ عبدالملک آگئے۔ کہا بلاؤ۔ تو دیکھتے کیا ہیں کہ عبدالملک بن صالح جبہ و دستار میں آرہے ہیں۔ جعفر کا منہ سفید ہو گیا۔ کیونکہ ابن صالح نبیذ نہ پیا کرتا تھا۔ اور خاص خلیفہ کو جواب دے چکا تھا جب عبدالملک نے جعفر کا چہرہ دیکھا وہ بھی پہچان گیا۔ جبہ و عمامہ اتار کر اس کے حوالہ کیا اور کہا میرے لئے ایسا ہی لباس لاؤ۔ جو احباب نے پہنا ہوا ہے۔ پھر ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی کھایا اور قدرے نبیذ بھی پی۔ کہا بخدا آج سے پہلے میں نے کبھی اسے منہ نہ لگایا تھا۔ صرف اس لئے کہ تمہاری مجلس مکدر نہ ہو جائے شریک صحبت ہو گیا ہوں۔ پھر تو خوب ہی جلسہ کا رنگ جما اور نہائت مسرت و سرور کے ساتھ جلسہ ختم ہوا۔ جب عبدالملک واپس جانے لگا تو جعفر نے کہا کہ میرے متعلق کچھ کار خدمت ہو تو فرمایئے۔ عبدالملک بولا کہ امیر المومنین کے دل میں میری طرف سے کچھ خلش ہے اسے دفع کر دو۔ بولا کہ ابھی تم سمجھ لو کہ امیر المومنین تم سے نہائت خوش ہیں۔ عبدالملک نے کہا میں نے چار لاکھ درہم قرض دینا ہے۔ جعفر نے کہا یہ لو۔ روپیہ حاضر ہے' اتار دو۔ مگر میں بہتر سمجھتا ہوں کہ یہی روپیہ تم کو امیر المومنین سے دلا دیا جائے تاکہ تم پر ثابت ہو جائے کہ وہ تم سے خوش ہو گئے ہیں۔ اس کے سوا اور کچھ فرماؤ۔ عبدالملک نے کہا میں چاہتا ہوں کہ میرے بیٹے ابراہیم کی شادی شاہی خاندان میں ہو جائے۔ جعفر نے کہا اچھا امیر المومنین کی بیٹی عالیہ کا نکاح اس سے کرایا جاؤیگا۔ عبدالملک نے کہا میں چاہتا ہوں کہ ابراہیم کو صاحب نواء بنایا جاوے راوی کا بیان ہے کہ ہم سب یہ گفتگو سن کر حیران تھے کہ جعفر کیونکر ایسے ایسے امور عظیمہ کی بابت بے دھڑک وعدہ کر رہا ہے۔ تھوڑی سی دیر کے بعد جعفر سوار ہو کر خلیفہ کے پاس گیا۔ چند منٹ تخلیہ کے بعد قاضی ابو یوسف 'امام محمد بن حسن اور ابراہیم بن عبدالملک طلب ہوئے۔ نکاح پڑھا گیا۔ خلعت گورنری مصر عطاء ہوا۔ روپیہ پیچھے پیچھے تھا اور علم آگے آگے۔ ہم یہ سب دیکھ کر حیران ہو گئے۔ ہم نہیں

کہہ سکتے کہ عبدالملک جیسے عفیف وباوفا متشرع کا فوراً ہی بے حجابانہ نبیذ پینا عجب خیز تھا۔ جعفر کا اس سے جملہ امور میں وعدہ کر لینا اس سے بڑھ کر حیرت میں ڈالنے والا تھا۔ یا ہارون رشید کا اتنی جلد سب باتوں کو مان کر فوراً تعمیل کرا دینا دونوں سے بڑھ کر عجیب تھا۔ اس اقتدار و محبت شدید کے بعد خاتمہ یہ ہوا کہ ہارون رشید نے اس سے ناراض ہو کر جعفر کو قتل کرادیا اور فضل کو جسے بھائی کہا کرتا اور یحییٰ کو جسے ابا کہ کر بلاتا دائم الحبس بنایا۔ مورخین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ہارون رشید کسی بات پر جعفر سے ناراض ہوا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ جب عباسہ کا نکاح جعفر سے پڑھا گیا تو جعفر تو ہمیشہ اس سے محترز رہا مگر عباسہ نے اپنی ساس کو کہلا کر بھیجنا شروع کیا کہ کسی طرح میرے شوہر تک مجھ کو پہنچادے ورنہ میں اپنے بھائی کو تم سے برگشتہ کر دوں گی۔ بڑھیا نے مان لیا۔ ایک شب جب جعفر نشہ میں چور تھا۔ عباسہ کو بلا کر اس کے پاس بھیجدیا۔ عباسہ رات بھر وہیں رہی اور چلتے وقت اس سے کہنے لگی کہ وزیر صاحب شہزادیوں کے ہتھکنڈے بھی دیکھے۔ جعفر بولا شہزادی کون۔ کہا میں عباسہ امیر المومنین کی بہن ہوں۔

خدا کی قدرت عباسہ کے ایک لڑکا پیدا ہوا اور وہ اخفائے راز کیلئے مکہ مکرمہ بھیجدیا گیا۔ اسی اثناء میں یحییٰ کی بیگمات سے بگڑ گئی۔ یحییٰ ناظر محلات تھا۔ شروع شام سے ہی آمد و رفت بند کر دیتا تھا۔ اور بیگمات تنگ ہوتی تھیں۔ زبیدہ خاتون نے ہارون رشید سے شکائت کی۔ ہارون نے کہا کہ مجھے یحییٰ کی نسبت کوئی بھی شک نہیں ہو سکتا۔ زبیدہ بولی اگر وہ ایسا معتبر ہے تو اس کا بیٹا جعفر کیا خاک اڑا رہا ہے۔ رشید نے پوچھا کیا۔ کہا عباسہ نے بچہ جنا ہے۔ رشید نے کہا ثبوت۔ بولی مکہ مکرمہ میں خود بچہ موجود ہے۔ رشید سنکر چپ ہو گیا اور چند ماہ کے بعد حج کے بہانہ مکہ مکرمہ کو روانہ ہوا۔ عباسہ نے بچہ کو یمن بھجوادیا۔ مگر رشید کو یہ امر متحقق ہو گیا اور حج سے واپس آکر جعفر کو اسی وجہ سے

قتل کرادیا۔

دوسرا مورخ کہتا ہے کہ ایک علوی نسب کو بغاوت سلطنت کے جرم میں گرفتار کر کے جعفر کے سپرد کیا گیا تھا۔ اس نے جعفر کو کہا کہ تم کیوں میرے نانا محمد ﷺ کو اپنا دشمن بناتے ہو جعفر نے اسے چھوڑ دیا۔ رشید نے کہا کہ اب وہ فتنہ و فساد برپا کریگا۔ کہا نہیں میں نے اطمینان کر لیا تھا۔ خلیفہ نے کہا بہتر تب کچھ مضائقہ نہیں۔ اس گفتگو کے بعد جعفر جب وہاں سے اٹھ کر چلا۔ تو رشید نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور آہستہ سے کہا کہ خدا مجھ کو بھی ہلاک کرے میں تجھ کو قتل نہ کروں۔

تیسرا مورخ سعید بن سالم کا قول نقل کرتا ہے کہ برامکہ کا کچھ قصور نہ تھا۔ بات یہ ہے کہ ان کو حکومت کرتے کرتے ایک زمانہ طویل ہو چلا تھا اور طوالت سے طبیعت کا ملول ہو جانا ایک قدرتی امر ہے۔

چوتھا مورخ کہتا ہے کہ رشید کے ناراض ہونیکی وجہ ایک گمنام شخص کے اشعار ذیل تھے۔

قل لامین الله فی ارضه	خلیفہ سے جس کے ہاتھ میں سب انتظام ہے یہ
ومن الیه الحل و العقد	عرض ہے
هذا ابن یحیییٰ قد غدا مالکا	کہ جعفر یحییٰ تیرے برابر کا مالک بن گیا ہے اور تجھ میں
مثلک مابینکما حد	اور اس میں کچھ فرق نہیں رہا۔
امرك مردودالی امره	آپکا حکم اس کے حکم کے سامنے پھیر دیا جاتا ہے۔
وامره لیس له رد	اور اس کے حکم کو کوئی لوٹا دینے والا نہیں۔

وقد بنی الدارالتی مابنی الفرس	اس نے ایسا محل تعمیر کرایا ہے کہ ہندو فارس میں اس
لها مثلا ولا الهند	کی نظیر نہیں۔
الدروالیا قوت حصباؤها	درویاقوت اس محل کی کنکریاں ہیں اور عنبر و کافور وہاں
و تربها العنبر والذر	کی مٹی ہے۔
و نحن نخشی انه وارث	ہمیں یہ ڈر ہے کہ جس دن آپ لحد میں جا سوئے تو
ملکک ان غیبک اللحد	ملک کا وارث یہی بن جائیگا۔
ولن یباهی العبد اربابه	غلام آقا کی برابری تب ہی کرتا ہے جب وہ نمک حرامی
الا اذاما سطر العبد	کرنے لگے۔

رشید کے دل میں اشعار پڑھ کر برامکہ کی طرف سے بدی بیٹھ گئی۔

ابن بدرون کہتا ہے کہ علیہ بنت مہدی نے ایک روز رشید سے پوچھا کہ میں دیکھ رہی ہوں کہ جب سے برامکہ تباہ کئے گئے ہیں حضور کامل خوش نظر نہیں آئے۔ بدیں صورت ان کے بگاڑنے کیوجہ کیا تھی۔ بولا عزیزاز جان اگر میں سمجھ لوں کہ اس کی اصلیت میری قمیص کو معلوم ہو گئی ہے تو اسے چاک کر ڈالوں۔ واقدی لکھتے ہیں کہ حج سے واپس ہو کر رشید برامکہ سے بگڑا۔ صفر کی پہلی تاریخ تھی کہ جعفر کو قتل کیا گیا جس پر بغداد کے ایک طرف اس کا دھڑ اور دوسری جانب اس کا سر آویزاں کیا گیا تھا۔

سندی بن شاہک کا بیان ہے کہ میں رات کو کوتوالی میں سویا پڑا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ جعفر بن یحییٰ سرلپا سرخ لباس پہنے ہوئے سامنے کھڑا ہے اور یہ اشعار پڑھ رہا ہے۔

کان لم یکن بین لاحجون الی الصفاء انیس ولم یسمر بمکة سامر

گویا حجون اور صفا (مکہ کے دو مقامات) کے درمیان میں کوئی انیس بھی نہ تھا اور نہ کوئی داستان گو (جو داستان کے طور پر ہی ہمارا ذکر کرے)۔

بلی نحن کنا اهلها فاباء نا صروف اللیالی و الجدود العواثر

ہاں! ہم اسی جگہ کے رہنے والے ہیں لیکن زمانہ کی گردش اور ہلاکت کی راہوں نے ہم کو وہاں سے نکال دیا۔

خواب دیکھتے ہی میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے ایک دوست سے ذکر کیا۔ بولا بیہودہ خواب و خیال ہے۔ اور یہ کچھ ضروری نہیں کہ انسان جو کچھ خواب میں دیکھے اس کے لئے تعبیر بھی ہو۔ میں پھر پلنگ پر جا پڑا۔ مگر آنکھوں میں نیند نام کو نہ تھی۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ گھوڑے کی ٹاپ اور ہنہناہٹ کی آواز آئی اور ساتھ ہی دروازہ پر بھی زور سے کھٹکھٹاہٹ ہوئی میں نے دروازہ کھلوادیا۔ سلام ابرش جو رشید کا خادم تھا اور جو مہمات عظیمہ میں ہی مامور کیا جاتا تھا' اوپر چڑھ آیا۔ اسے دیکھ کر میرے تو ہوش و ہواس گم ہوگئے اور میں یہ سمجھا کہ کچھ میری آفت آئی۔ خادم میرے برابر بیٹھ گیا اور اس نے مجھے خط نکال کر دیا۔ میں نے کھول کر پڑھا تو اس میں یہ لکھا ہوا تھا :

''سندی کو معلوم ہو کہ یہ خط خاص ہمارے قلم کا نوشتہ اور ہمارے دست خاص کی مہر سے مزین ہے اور سلام ابرش اسے لیکر تمہارے پاس آتا ہے۔ تم اس خط کو دیکھتے ہی یحییٰ بن خالد کے گھر کا محاصرہ کرلو۔ اسے پکڑ کر بیڑی ڈالکر جیل میں پہنچادو۔ اپنے نائب عبداللہ کو فضل کی گرفتاری کے لئے بھیجدو اور خبر منتشر ہونے سے پہلے اسے بھی جیل میں بھیجدو اس کے بعد اس کے عزیز و اقارب کو بھی گرفتار کرلینا چاہیئے۔ یحییٰ اور فضل زندان خانہ زمارقہ میں قید کئے جاویں۔ سلام تمہارے ساتھ ہے اور خدا مددگار''

ابن بدرون لکھتا ہے کہ جب رشید موضع انبار میں آکر اترا تو اس نے اپنے غلام یاسر کو خلوت میں بلایا۔ کہا یاسر میں نے تجھے ایسے اعتباری کام کیلئے بلایا ہے۔ جس کے لئے میں اپنے بیٹوں پر بھی بھروسہ نہیں کرسکتا۔ تجھے لازم ہے کہ جو اعتبار تجھ پر کیا گیا ہے اسے صحیح ثابت کر دکھلاؤ۔ یاسر نے کہا اگر حضور مجھے خودکشی کا بھی حکم دیں گے تو میں فوراً تعمیل کرونگا۔ رشید نے کہا۔ اچھا ابھی جاؤ اور جعفر بن یحییٰ کا سر کاٹ لاؤ۔ یاسر

سن کر بت بن گیا۔ رشید نے ڈانٹ کر کہا تجھے کیا ہو گیا؟ کہا حضور نہائت مشکل کام ہے۔ کہا نہیں ابھی جاؤ اور تعمیل کرو۔ یاسر آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ جعفر بیٹھا ہوا ہے اور ابوزکار مغنی اس کے سامنے گا رہا ہے اور حسین و زہرہ جمال کنیزیں ستار بجا رہی ہیں۔ یاسر ذرا پس پردہ ٹھیرا۔ ابوزکار نے گایا۔

مایرید الناس منا ماینام الناس عنا
انما همهم ان یظهروا ما قد دفنا

لوگ ہم سے کیا چاہتے ہیں کہ ہماری غیبتیں کرتے ہوئے سوتے بھی نہیں۔
بیشک وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دفینوں کو ظاہر کر دیں۔

فلا تبعد فکل فتی سیاتی — اس بات کو کچھ بعید نہ سمجھو کہ ہر ایک شخص پر
علیه الموت یطرق اویغادی — موت صبح یا شام نازل ہوتی ہے۔
وکل ذخیرة لا بد یوما — ہر ایک ذخیرہ کیلئے خواہ کیسا ہی بچا کر رکھا ہو ضروری
و ان بقیت تصیر الی نفاذ — ہے کہ ایک روز صرف میں آئے۔
ول فودیت من حدث اللیالی — اگر تجھ پر گردش دہر سے کوئی مصیبت آئے تو میں
فدیتک بالطریف و بالتلاد — تجھ پر اپنا نیا پرانا اندوختہ فدا کر دونگا۔

یاسر اس قدر سنکر کمرے کے اندر داخل ہوا۔ جعفر نے اسے دیکھ کر کہا کہ یاسر! میں تمہارے آنے سے خوش ہوا۔ لیکن بلا اجازت اندر آنے سے ناراض بھی ہوں۔ یاسر نے کہا مصیبت اس سے بھی بڑھ کر آئی ہے۔ مجھے امیر المومنین کا حکم ہے کہ آپ کا سر کاٹ کر اسی وقت پیش کروں۔ جعفر وزیر خادم کے قدموں پر گر پڑا۔ کہا مجھے اجازت دو کہ میں اندر جا کر وصیت کر آؤں۔ غلام نے کہا کہ اندر جانے کی تو میں اجازت نہیں دے سکتا البتہ وصیت آپ کر سکتے ہیں۔ جعفر نے کہا میرے بہت سے احسانات تجھ پر ہیں اور ان کا معاوضہ تم اسی وقت دے سکتے ہو۔ یاسر نے کہا کہ میں ہر ایک خدمت کیلئے

حاضر ہوں مگر امیر المومنین کے حکم کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ کہا تم لوٹ جاؤ اور کہدو کہ قتل کر آیا۔ اگر خلیفہ یہ سن کر پشیمان ہوا تب گویا میری زندگی تیرے طفیل ہوگی۔ یاسر نے کہا میں واپس نہیں جا سکتا۔ جعفر نے کہا اچھا میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ اور پس پردہ ٹھہر جاونگا۔ اور اپنے کانوں سے خلیفہ کا کلام سنونگا۔ اگر اس نے میرے قتل پر مسرت کا اظہار کیا تو تم باہر نکل کر قتل کر دینا۔ یاسر نے کہا البتہ یہ ہو سکتا ہے۔ آخر دونوں محل تک گئے۔ رشید نے آہٹ پا کر پوچھا کون۔ کہا یاسر۔ کہا ساتھ کون ہے کہا حضور جعفر ہے اور یہ کہ کر ساتھ آیا ہے۔ رشید نے ماں کی گالی دیکر کہا کہ قتل کرتا ہے؟ یا تجھے بھی اس سے پہلے قتل کروں۔ یاسر نے باہر آکر جعفر کا سر کاٹ لیا اور سامنے جا کر رشید کے رکھ دیا۔ سر بریدہ کو دیکھ کر رشید نہائت مغموم ہوا اور دیر تک ساکت رہا۔ آخر بولا یاسر! فلاں فلاں شخص کو بلاؤ۔ جب وہ آگئے تو حکم دیا کہ یاسر کی گردن اڑا دو۔ مجھ سے جعفر کا قاتل دیکھا نہ جائیگا۔

کہتے ہیں جس شب کو جعفر موضع انبار میں قتل کیا گیا ہے اس کی صبح کو خراسان میں علی بن عیسےٰ گورنر کے محل پر موٹے قلم سے یہ اشتہار لکھے ہوئے دیکھے گئے۔

ان المساکین بنی برمک صب علیهم غیرا الدهر

مسکین برامہ پر غضب نے جوش کھایا اور زمانہ بدل گیا۔

ان لنا فی امر هم عبرة فلیعتبر ساکن ذا القصر

ہم کو ان کے حالات کا سبق ملتا ہے اس محل میں رہنے والوں کو بھی عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔

سفیان بن عینیہ رحمتہ اللہ علیہم نے جو حدیث کے بزرگ ترین حفاظ میں سے ہیں۔ جب جعفر اور برامکہ کا یہ انجام سنا تو اپنا چہرہ قبلہ رخ کر کے یوں دعا فرمائی اللهم انه کامن قد کفائی موفة الدنیا فاکفه الا خرة۔ الہٰی جعفر میری دنیوی ضروریات کو پورا کرتا تھا تو اس کی ضروریات آخرت کو پورا کر دے۔

ان کی مصیبت پر جس کثرت کے ساتھ نوحہ و بکا ہوا۔ مرثیے اور قصیدے لکھے گئے' وہ قیاس و وہم سے بالاتر ہیں مرثیہ لکھنے کے جرم میں بیسیوں شاعر قتل و قید ہوئے سینکڑوں وطن سے بے وطن کئے گئے۔ تاہم نمک خوردہ اور احسان پروردہ باز نہیں آتے تھے۔ یہ کہنا ذرہ بھی مبالغہ نہیں کہ زندگی میں برامکہ کے سامنے اتنے قصائد پیش نہیں ہوئے تھے جتنے مصیبت کے بعد لکھے گئے۔

رقاشی شاعر نے پر درد مرثیہ کے آخر میں لکھا۔

اما واللہ لولا خوف واش	خدا کی قسم اگر مخبر کی مخبری اور خلیفہ کی چشم بیدرد کا
اعین للخلیفۃ لاتنام	خوف نہ ہوتا۔
لطفنا حول جذعک و استملنا	تو ہم تیری لاش کے گرد طواف کرتے اور حجر اسود کی
کما للناس بالحجر استلام	طرح تجھ کو چوما کرتے۔

محمد بن عنان کہتا ہے کہ میں نے ایک روز عید کے دن اپنی والدہ کے پاس ایک بڑھیا دیکھی جس کی حالت بہت خراب تھی۔ میں نے پوچھا اما جان یہ کون ہے کہا۔ جعفر برمکی کی والدہ میں نے ادب سے سلام کیا۔ پاس بیٹھ گیا۔ پوچھا مائی صاحبہ کوئی بات سناؤ۔ کہا بیٹا ایک عید تو میں نے ایسی دیکھی کہ چار سو لونڈیاں خاص میری خدمت میں دست بستہ حاضر ہیں با ایں ہمہ میں سمجھی تھی کہ میرے بیٹے بڑے نالائق ہیں۔ اور ایک آج کی عید ہے۔ بکرے کی دو کھالیں میرے پاس ہیں۔ ایک کو نیچے بچھا لیتی ہوں اور ایک کو اوڑھ لیتی ہوں۔ میں نے پانچ سو درہم اس کو دیئے۔ انہیں لیکر وہ ایسی خوش ہوئی کہ گویا خوشی کے مارے مرجاویگی۔ حالانکہ کبھی کروڑوں کا اس کے سامنے شمار نہ تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

یحییٰ بن خالد برمکی

یحییٰ مہدی کے زمانہ میں ایک معتمد افسر تھا۔ مہدی نے اپنے بیٹے ہارون کی تربیت اسی کے متعلق کردی تھی۔ جب کہ ہارون خلیفہ ہوا تو اس نے یحییٰ کی خدمات کا ان الفاظ میں اعتراف کیا۔ باواجان آپکے ہی یمن و برکت اور عمدہ تربیت کی طفیل آج میں تخت پر متمکن ہوں۔ میں آپ کو مدار المہام مقرر کرتا ہوں۔ جس کے ہر طرح سے آپ مستحق اور لائق ہیں یہ کہہ کر اپنی خاتم خاص یحییٰ کے ہاتھ میں پہنادی۔ ندیم موصلی کہتا ہے۔

الم تران الشمس کانت سقیمة　　فلما ولی ہارون اشرق نورها

یمین امین اللہ ہارون ذی التلاے　　فہا رون و الیها و یحییٰ زیرها

ہارون ہمیشہ اس کی تعظیم کیا کرتا اور باواجان کہا کرتا تھا مگر آخر میں اسے قید کر دیا اور قید ہی میں یہ بے چارا مرا۔

مسعودی کہتا ہے کہ یحییٰ کے چاروں فرزند اگرچہ اعلیٰ اوصاف میں نہائت نامی ہوئے ہیں تاہم مجموعۃً بھی اپنے باپ کے جداگانہ اوصاف کی برابری نہ کرسکتے تھے۔ نہ فضل میں وہ سخاوت تھی نہ جعفر میں وہ فصاحت۔ نہ محمد میں وہ برترین ہمت اور نہ موسیٰ میں وہ تہور و شجاعت۔ یحییٰ کا قول ہے کہ تین چیزوں سے اس کے بھیجنے والے کی عقل و دانائی کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ (۱) خط (۲) تحفہ (۳) قاصد۔

ندیم موصلی کہتا ہے کہ میرے والد نے مجھے سنایا کہ میں نے ایک دفعہ یحییٰ

برمکی سے اپنی تنگدستی کا ذکر کیا۔ وہ بولا افسوس ہے، کہ میں اسوقت کچھ امداد نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میرے پاس بھی کچھ نہیں۔ ہاں ایک حیلہ بتاتا ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ گورنر مصر کا نائب میرے پاس آیا تھا اور بڑی زور آور التجا سے مجھے کوئی ہدیہ قبول کرنے کیلئے کہتا تھا۔ اب میں اسے کہدونگا کہ تمہارے پاس جو لونڈی تین ہزار دینار کی خرید ہے وہ مجھ کو پسند آگئی ہے۔ لامحالہ وہ تمہارے پاس پہنچے گا اور لونڈی کو خریدنا چاہے گا۔ تم تیس ہزار دینار سے کم پر راضی نہ ہونا۔ میں اپنے گھر چلا آیا اور چند گھنٹے کے بعد ایک شخص کنیز کی خریداری کیلئے پہنچا۔ میں تیس ہزار سے نیچے نہ اترتا تھا اور وہ پانچ سے شروع ہو کر رقم کو آہستہ آہستہ بڑھاتا جاتا تھا۔ جب بیس ہزار تک نوبت پہنچی تو میں صبر نہ کر سکا اور لونڈی کو اس کے ہمراہ کر دیا۔ میں اس معاملہ کے بعد یحییٰ کی خدمت میں گیا۔ اس نے مجھ سے حال پوچھا۔ میں نے کہا کہ بیس ہزار دینار سے زیادہ میں صبر نہ کر سکا۔ اس نے کہا افسوس۔ خیر تم اپنی لونڈی کو اپنے گھر لیجاؤ۔ خدا تمہیں برکت دے میرے پاس شاہِ فارس کا معتمد آئیگا اور میں اسے بھی اسی کنیز کا ہدیہ قبول کرنے کو کہونگا پس تم اس کے سامنے پچاس ہزار دینار سے کم نہ اترنا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص آیا اور کنیز کی خریداری کا سوال کیا۔ میں پچاس ہزار سے کم نہ اترتا تھا۔ لیکن گفتگو ہوتے ہوتے جب خریدار تیس ہزار پر پہونچا تو میرا دل نہ رہ سکا۔ میں نے کنیز کو اسکے ہاتھ بیچ دیا۔ جب میں یحییٰ کے پاس پہنچا اور اسے حال سنایا تو اس نے کہا کہ ایک دفعہ کے بعد بھی تم کو عقل نہ آئی۔ خیر اپنی کنیز کو لیجاؤ۔ میں نے کنیز سے کہا کہ تیری طفیل پچاس ہزار دینار پا کر اب تجھے میں لونڈی نہیں رکھ سکتا۔ بلکہ تجھے آزاد کرتا ہوں۔ اپنی زوجہ بناتا ہوں۔

اصمعی کہتے ہیں کہ میں ایک روز یحییٰ کے پاس گیا۔ پوچھا اصمعی تیری بیوی بھی ہے، میں نے کہا نہیں۔ کہا کنیز بھی ہے میں نے کہا نہیں۔ ایک خادمہ ہے۔ یہ سن کر

ایک نہائت ہی حسین وظریف لونڈی کو طلب کیا اور مجھے بخش دیا۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ مگر لونڈی سٹ پٹائی۔ کہا حضور مجھے ایسے کریہہ المنظر بدرو شخص کو دیتے ہیں میرے حال پر رحم کریں یحییٰ نے مجھے کہا کہ اگر تم کو اس کے عوض دو ہزار دینار دیئے جائیں تو تم خوش ہو سکتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ لونڈی سے کہا اچھا اندر جاؤ۔ پس مجھے مخاطب کر کے کہا کہ میں اس کی ایک حرکت سے ناراض ہو گیا تھا اور اسے سزا دینا چاہتا تھا مگر اس کی گریہ وزاری پر رحم آگیا اور اسے معاف کر دیا۔ میں نے کہا کہ اگر حضور مجھے پہلے سے بتا دیتے تو میں کپڑے بدل کر' بالوں میں کنگھی اور خوشبو لگا کر اس کے سامنے ہوتا تاکہ وہ مجھ سے نفرت نہ کرتی۔ یحییٰ اس پر ہنس پڑا اور مجھے ایک ہزار دینار اور عنایت فرمایا۔

اسحٰق ندیم کہتا ہے کہ یحییٰ کا قاعدہ یہ تھا کہ جب گھر سے سوار ہو کر خلیفہ کی خدمت میں جایا کرتا تو جو شخص اسے پہلے مل جاتا اسے دو سو روپیہ انعام میں دیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ اسے ادیب شاعر مل گیا اور اس نے یہ اشعار پڑھ کر سنائے :

یاسمی الحضور یحییٰ اتحیت لک من فضل ربنا جنتان
کل من مرفی الطریق علیکم فلہ من نور لکم مایتان
مائتا درھم لمثلی قلیل ھی منکم للقابس العجلان

"اے یحییٰ نبی حضور علیہ السلام کے ہمنام (خوف خدا کیوجہ سے) خدا نے تیرے لئے جنتان کو تحیہ بنا رکھا ہے۔ تمہارا طریق ہے کہ سامنے آجانیوالے شخص کو دو سو روپیہ دیا کرتے ہو مگر یہ تو شتاب رو دریوزہ گر کا عطیہ ہے اور میرے لئے ناکافی"

یحییٰ نے کہا سچ کہتے ہو۔ تم میرے مکان پر چلو۔ جب لوٹ کر یحییٰ مکان پر پہنچا تو اس سے حال دریافت کیا۔ کہا میں نے شادی کی ہے اور تین میں سے ایک بات کیلئے مجھے سر دست فکر ہے۔ یا چار ہزار روپیہ مہر کا ادا کروں۔ یا اس کی خدمت کیلئے

تا ادائے مہر ایک لونڈی چھوڑ دوں۔ یا طلاق دوں۔ یحیٰ نے اسے چار ہزار روپیہ مہر کیلئے چار ہزار مکان کے لئے' چار ہزار ضروری اسباب کیلئے' چار ہزار مصارف متفرقہ کے لئے اور چار ہزار روپیہ لونڈی غلام کی خریداری کیلئے (کل بیس ہزار) عنائت کیئے۔

محمد بن مناور شاعر کہتا ہے کہ ہاروں رشید مع اپنے دو شہزادوں امین اور مامون کے حج کیلئے گیا۔ یحیٰ بھی مع اپنے دو فرزندوں فضل اور جعفر کے ہمراہ تھا۔ پہلے تو ہارون نے مع یحیٰ کے لوگوں کو عطیات دیئے۔ پھر امین نے مع فضل کے لوگوں کو مالا مال کیا حتی کہ عرب میں اس سال کا نام ہی عام الا عطیة الثلاثه ہو گیا۔ میں نے اس پر چند اشعار لکھے ۔

اتانا بنوالا ملاك من ارصض برمك	سرزمین برمک میں سے چند شاہزادے یہاں پہنچے
فیاطیب اخبار باحسن منظر	جنکی شہرت بھی پاکیزہ ہے اور چہرہ بھی خوشنما۔
فتظلمه بغدا دوتجلو لنا الدجی	بغداد میں اندھیرا پڑ گیا اور یہاں کی تاریکی اٹھ گئی جبکہ
بمكة ما حجواثلاثة قمر	مکہ میں حج کیلئے تین چاند آگئے۔
اذا ترلوا بطحا مكة اشرقت	جب وہ اترے تو مکہ کی تمام پہاڑیاں یحیٰ اور فضل اور
بيحيى و بالفضل بن يحييٰ و جعفر	جعفر کے نور سے روشن ہو گئیں۔

خطیب نے اپنی تاریخ میں واقدی نامی شخص کا قصہ درج کیا ہے کہ میں ایک لاکھ روپیہ کے ساتھ بیوپار کیا کرتا تھا۔ یکبارگی خسارہ آنے سے میرا دیوالیہ نکل گیا۔ میں مدینہ منورہ سے بغداد پہنچا اور چند روز کی آمدورفت سے یحیٰ کے خدام و نواب سے گھل مل گیا۔ انہوں نے مجھے بتلایا کہ جب دستر خوان بچھتا ہے تو کسی آدمی کیلئے اس وقت روک نہیں رہتی۔ تم اسی وقت جانا۔ چنانچہ میں دستر خوان پر ہی پہنچا۔ یحیٰ نے میرا حال دریافت کیا اور میں نے سب کچھ سنا دیا۔ وہ سن کر خاموش رہا۔ کھانا کھانے کے بعد میں آگے بڑھا کہ اس کے سر پر بوسہ دوں مگر مجھے روک دیا۔ جب میں وہاں سے باہر نکلا تو

سوار ہونے سے پہلے ہزار دینار کی تھیلی لیکر خادم میرے پاس آیا۔ کہا وزیر نے سلام کے بعد کہا ہے کہ اس سے تم اپنی ضروریات کو پورا کرو اور کل کو پھر آؤ۔ اگلے روز پھر میری حالت دریافت کی۔ کھانا کھانے کے بعد جب میں اس کے سر پر بوسہ دینے کو بڑھا تو مجھے روک دیا۔ جب میں وہاں سے نکل کر سوار ہونے لگا تو ہزار دینا کی ایک تھیلی لیکر خادم آیا۔ اور کہا وزیر نے کہا ہے کہ کل کو پھر تشریف لائیں۔ غرض تیسرے روز بھی مجھے ایک ہزار دینار ملے اور چوتھے روز بھی۔ تب مجھے سر پر بوسہ دینے کی بھی اجازت عطا فرمائی پھر کہا کہ میں نے تین روز تک تم کو اس لئے ہٹایا تھا کہ میری جانب سے کوئی ایسا سلوک نہ ہوا تھا۔ اب چونکہ تھوڑا بہت تمہارے پاس پہنچ گیا ہے۔ اس لئے میں نے اجازت دیدی ہے۔ اے غلام فلاں گھر رہنے کیلئے اور فلاں فرش بچھانے کیلئے ان کو دیدو۔ نیز دولاکھ کا قرض ادا کر کے ایک لاکھ سے پھر اپنی حالت کو درست بنالیں۔ ایک روز ابو قابوس، حمیری کے پاس آیا اور یہ شعر پڑھ کر سنائے :

رائت یحییٰ اتم اللہ نعمتہ　　میں نے یحییٰ کو دیکھا کہ خدا نے اس پر نعمت کو پورا کر

علیہ یوتی الذی لم یوتہ احد　　دیا ہے اور اسے وہ کچھ دیا ہے جو کسی کو نہیں دیا۔

ینسے الذی من معروفہ ابدا　　(اس میں حضرت سلیمانؑ کی دعا کی طرف تلمیح ہے) اپنے کئے

الی الرجال ولا ینسی الذی بعد　　ہوئے احسانات کو تو بھول جاتا ہے مگر اپنے وعدہ کو کبھی نہیں بھولتا۔

یحییٰ نے سنکر جو کچھ اس نے مانگا وہی دیا۔

حسن بن سہل کہتا ہے کہ یحییٰ کے کاتب نے اپنے فرزند کے غسل ختنہ کا جلسہ کیا۔ تمام عہدہ داروں و افسروں اور عمائد و اراکین نے اس کے پاس قیمتی تحائف بھیجے۔ اس کا ایک دوست تنگدست تھا اس نے ایک تھیلی میں نمک اور دوسری میں خوشبودار ابٹنا ڈالا اور رقعہ کے ساتھ بھجدیا۔ یحییٰ جب اس کے مکان پر دعوت کھانے گیا تو کاتب نے تمام تحائف اسے دکھلائے۔ یحییٰ نے وہ تھیلیاں دیکھ کر کہا کہ اسے دینار

کے ساتھ بھر کر واپس کرنا چاہیئے۔ ان میں چار ہزار دینار آئے اور وہ اس پر جوش دوست کے پاس بھجد یئے گئے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے اسے کہا کہ آپ احنف بن قیس سے بھی بردبار ہیں۔ یحیٰی نے کہا کہ جس وصف کا میں مستحق نہیں اسے سنکر کبھی قرب نہیں بڑھ سکتا۔ اس کا مقولہ تھا کہ جب دنیا تیری طرف متوجہ ہو تب بھی خرچ کر کیونکہ وہ کم نہ ہو گی۔ اور جب دنیا تم سے منہ پھیر لے تب بھی خرچ کر کیونکہ اب وہ تیرے پاس نہ ٹھیرے گی۔ کہا کرتا تھا کہ منعم اگر اپنے احسان کو یاد دلائے تو کدورت کا باعث ہے لیکن اگر معنم علیہ اسے فراموش کردے تو صریح کفر و تقصیر ہے۔

ایک دفعہ اسحٰق موصلی نے اپنے خدام کو پکارا۔ کوئی نہ بولا۔ کہا یحیٰی برمکی سچ کہتا ہے کہ بردبار کی بردباری کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے خدام گستاخ ہوتے ہیں۔

ایک دفعہ ہارون رشید جا رہا تھا۔ یحیٰی ہم رکاب تھا۔ کسی نے کہا کہ اے امیر المومنین میرا گھوڑا مر گیا۔ ہارون نے کہا اسے پانچ سو درہم دلا دیجئے۔ یحیٰی کے چہرہ پر حکم سنکر ایک تغیر معلوم ہوا جسے ہارون بھی پہچان گیا۔ محل میں جا کر یحیٰی سے اس تغیر رنگ کی وجہ پوچھی۔ کہا حضور کی زبان سے پانچ سو درہم کا نکلنا تعجب اور حقارت کا موجب ہے آپ کی زبان سے پانچ کروڑ نکلنا چاہیئے۔ ہارون نے کہا کہ جب ایسا سوال کوئی شخص کرے جیسا آج گھوڑے والے نے کیا تھا۔ تب کیا کروں۔ کہا کہہ دیا کرو کہ گھوڑا دلا دو۔ غرض اس شخص کی سخاوت اور عطیہ کی حکایات جو ہمارے اس زمانہ میں داستان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں بہت ہیں۔ قید کے متعلق جعفر کے حال میں لکھا جا چکا ہے۔ اسی حالت میں ہی مرگ مفاجات سے وفات پائی۔ مرنے کے بعد اس کی جیب سے ایک پرچہ نکلا۔ جو ہارون رشید کے پاس پہنچایا گیا۔ جس پر لکھا تھا۔ کہ مدعی عدالت میں حاضر ہوتا ہے اور مدعا علیہ بھی اس کے پیچھے پیچھے ہے۔ حاکم نہائت عادل و منصف

ہے اور شہادت یا ثبوت کی ضرورت نہیں۔ ہارون رشید پڑھ کر تمام دن روتا رہا اور چند روز تک اس کے چہرے پر رنج نمایاں تھا۔ کہا اگر مجھے برامکہ کی صفائی نیت کا یقین ہو جاتا تو میں ان کی پہلی شان و شوکت پر ان کو بحال کر دیتا زمخشری کہتا ہے کہ مرنے کے بعد یحییٰ کے بستر کے نیچے ایک کاغذ ملا۔ جس پر یہ اشعار درج تھے

و حق الله ان انظم لومه و ان الظلم مر تعة و خيم

الٰى ديان يوم الدين غضٰے و عند الله تجتمع الخصوم

قارئین! یحییٰ کے حال سے عبرت پکڑو اور خیال کرو کہ وہ اسلامی شوکت کہ ایک اسلامی سلطنت کا وزیر لاکھوں روپے کے عطیات متواتر اور مسلسل دیا کرتا تھا کدھر گئی۔ برامکہ کے احسان پروردہ اس کی نعمتوں کو یاد کر کے روتے ہونگے اور ہم محسن اور محسن الیہ کو یاد کر کے حسرت کرتے ہیں۔ خداوند کریم اہل اسلام پر رحمت فرمائے اور اس نکبت و ادبار قومی سے جو روز بروز ترقی پذیر ہے ہم کو نجات بخشے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

یحییٰ بن ہبیرہ وزیر

یحییٰ بن ہبیرہ نام' عون الدین لقب۔ عراق کے ایک گاؤں میں سپاہی کے گھر پیدا ہوا۔ صغر سنی میں ہی بغداد میں باپ کے پاس آرہا اور علم کی تحصیل میں سرگرمی کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ فقہاء اور ادباء کی خدمت میں بیٹھتا رہا۔ نحو اور ایام العرب اور تاریخ علم قرات اور حدیث و ادب میں عمدہ دستگاہ رکھتا تھا۔ مسلم بلیغ و فصیح اساتذہ کے اشعار و فقرات ازبر تھے۔ ادب ابو منصور جو اسیقی اور حدیث پاک اجیانی وہبۃ اللہ کاتب اور حسین بن محمد قراء سے حاصل کی تھی۔ اس کی فضیلت کا اندازہ کرنے کیلئے یہی خیال کرو کہ ابن جوزی نے اس سے روائت کی ہے۔

ابن ہبیرہ نے اپنی ملازمت اور ترقی کے متعلق عجیب قصہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نہائت تنگدست ہو گیا۔ میں نے سنا ہے کہ معروف کرخی کی قبر پر دعا ہوتی ہے۔ میں گیا اور دعا کر کے واپس آتا تھا کہ ایک ٹوٹی پھوٹی مسجد مجھے مل گئی۔ میں نے دل میں کہا کہ یہاں دوگانہ بھی پڑھ چلوں۔ وہاں گیا تو دیکھا کہ ایک فقیر حالت نزع میں ہے۔ میں نے کہا کہ اگر کسی چیز کو دل چاہتا ہو تو بتلاؤ۔ کہا خربوزہ کو دل چاہتا ہے۔ میں بازار گیا اور خربوزہ خرید کر لے آیا۔ فقیر نے کھایا اور بہت خوش ہوا۔ پھر گھسٹتا ہوا مسجد کے ایک گوشہ میں پہنچا اور اسے کھود کر ایک برتن نکالا۔ جس میں پانچ سو دینار تھے۔ مجھے دیکھ کر کہا کہ اس کا مستحق تو ہی ہے۔ میں نے پوچھا کہ تیرا کوئی وارث نہیں۔ کہا ایک بھائی تھا۔ لیکن برسوں سے اسکا کچھ پتہ نہیں۔ میں نے ایک دفعہ سنا تھا کہ وہ

مر گیا۔ میں رصافہ کا باشندہ ہوں۔ وہاں سے جدا ہونے کے بعد میں نے بھائی کو نہیں دیکھا۔

ابن ہبیرہ کہتا ہے کہ میں نے روپے لے لئے۔ اور وہ میرے کھڑے کھڑے ہی جان بحق ہو گیا۔ میں نے تجہیز و تکفین کرائی اور فارغ ہو کر دجلہ سے پرلے کنارہ جانے کیلئے گھاٹ پر پہنچا۔ ایک شکستہ حال ملاح نے مجھے کہا کہ میرے ساتھ چلئے۔ میں اسی کی کشتی میں بیٹھ گیا۔ میں نے پوچھا تم کہاں سے ہو۔ کہا رصافہ سے۔ لڑکپن میں ہی یہاں آیا تھا اور یہیں آکر ہوش سنبھالا ہے۔ میں نے پوچھا تیرا کوئی رشتہ دار نہیں۔ بولا نہیں۔ ایک بھائی تھا مگر سالہا سال سے اس کا کچھ پتہ نہیں۔ میں نے کہا اپنا دامن پھیلاؤ۔ اس نے دامن پھیلا دیا اور میں نے پانچ سو دینار اس کے پلہ میں ڈال دیئے۔ وہ ششدر رہ گیا۔ پوچھا یہ کیسے۔ میں نے تمام قصہ اسے سنا دیا۔ ملاح نے کہا نصف تم لے لو میں نے انکار کر دیا۔ وہاں سے آکر میں نے امیدواری کی عرضی پیش کی۔ پیش ہوتے ہی خزانچی مقرر کیا گیا۔ حتی کہ آہستہ آہستہ ترقی پاتا ہوا وزارت تک پہنچ گیا ہوں۔

ابن ہبیرہ کے وزیر بنائے جانے کے متعلق اس کی سوانح عمری لکھنے والے نے یہ تحریر کیا ہے کہ بغداد میں سلطان محمود سلجوقی کی طرف سے بطور نیابت مسعود خادم رہا کرتا تھا۔ (اس وقت خلیفہ بغداد کی وہی حالت تھی جو شاہ عالم کی تھی دہلی میں جو سندھیا اور آنریبل کمپنی کو اپنے وزیر کہا کرتا تھا) مسعود خادم کے گستاخانہ طریق اور شوخانہ انداز اور اندرونی سازشانہ کاروائیوں کے متعلق خلیفہ کی جانب سے چند مراسلے سلطان کو لکھے گئے۔ مگر ادھر سے کچھ جواب نہ آیا۔ مراسلات کا کاتب وزیر قوام الدین ابو القاسم تھا۔

ایک دفعہ ہبیرہ نے مراسلہ کا مسودہ تیار کیا اور اس میں سلطان کے آباد اجداد کی حسن طاعت اور تأدب اور تعظیم خلفاء کا ذکر کرتے ہوئے مراسلات کا جواب نہ

دینے اور مسعود کی ناقابل برداشت حرکات کے ترقی پذیر ہونے کا ذکر کیا۔ اس مراسلہ کا جواب بہت جلد آیا جس میں سلطان نے مودبانہ الفاظ میں عذرو معافی کا اظہار کر کے لکھا تھا کہ مسعود کی کاروائیوں کا مجھے علم نہیں تھا اور اب اسے سختی کے ساتھ روک دیا گیا ہے۔

خلیفہ متقی باللہ کو اس جواب سے نہائت مسرت ہوئی اور اس روز سے ابن ہبیرہ کی قدر و وقعت اس کے دل میں زیادہ ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ فرمان خاص اس کی وزارت کیلئے صادر ہوا۔ ابن ہبیرہ نے اس خبر کو افواہاً سنا اور تصدیق کیلئے ایوان کی جانب خود روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر نہ صرف خبر کی ہی تصدیق ہوئی بلکہ خلیفہ نے باضابطہ تخت پر جلوس آور ہو کر اسے طلب کیا اور چند ساعت تک کچھ خفیہ گفتگو کرنے کے بعد رخصت کیا۔ ایوان شاہی کے دروازہ پر وہ تمام جلوس شاندار جو وزیراعظم کے تقرر پر مرتب ہوا کرتا تھا' موجود تھا۔ سواری کیلئے مشکی گھوڑا جس کے چاروں پاؤں اور چہرا سفید تھا' سونے کے زیورات سے آراستہ موجود تھا۔ اعیان دولت اور امراء حضرات آگے آگے اور دیگر تمام عہدہ دار ملکی و مالی پیچھے پیچھے تھے۔ نقارہ و علم پیش پیش تھا۔ اس جلوس کے ساتھ مسند وزارت پر متمکن کیا گیا اور فرمان تقرر سدید الدملہ عبدالکریم انباری نے پڑھ کر سنایا۔

ابن ہبیرہ عالم و فاضل تھا۔ رائے صائب اور سیرت صالح رکھتا تھا۔ اپنے عہد وزارت میں ایسی عمدگی اور خوبی کے ساتھ کاروبار چلایا کہ بالعموم عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اہل علم کی نہائت تکریم کیا کرتا اور اپنی مجلس کو اہل فضل و کمال سے آراستہ رکھتا۔ اس کی حضوری افادہ اور استفادہ سے خالی نہ ہوتی تھی۔ دفتر کے کاروبار سے فرصت ہوتی تو تصنیف بھی کیا کرتا۔

کتاب الافصاح عن شرح معانی الصحاح نو جلدوں کی کتاب ہے جس میں صحیحین کی متفقہ احادیث کی شرح لکھی ہے۔ کتاب مقصد جس کی شرح ابن خشاب نے

چار جلدوں میں لکھی ہے۔ کتاب العبادات فقہ حنبلیہ پر' ایک رسالہ علم الخط پر' ایک رسالہ مقصود و ممدود پر لکھا۔ نیز ابن سکیت کی کتاب المنطق کو مختصر کیا۔

ایک دفعہ اس وزیر کے پاس کسی نے بلور کی دوات جو مرجان سے مرصع تھی تحفۃً بھیجی۔ چند شعراء بھی حاضر تھے۔ ابن ہبیرہ نے کہا کہ کچھ اس پر لکھو۔ ایک شاعر نے جو نابینا تھا' یہ قطعہ پڑھا ؎

الین لداوّد الحدید کرامة   یقدره فی السرد کیف یرید

ولان لک البلور وهی حجارة   و معطفه صعب المرام شدید

یعنی حضرت داؤد کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا۔ اور تمہارے ہاتھ میں بلور جو پتھر ہے نرم ہو گیا ہے۔ پتھر کا نرم کرنا مشکل امر تھا۔

حیص بیص مشہور شاعر بھی موجود تھا۔ وہ بولا کہ دوات کے کاریگر کی تعریف تو اس قطعہ سے ضرور نکلتی ہے مگر دوات کی تعریف کچھ نہیں۔ وزیر نے کہا۔ اچھا تم کہو۔ وہ بولا :

صنعت من یومیک فاشتبها   علی الا نام ببلور و مرجان

فیوم سلمک مبیض بفیض یدٍ   و یوم حربک قان بالدم القانی

یہ دوات تیرے دو دنوں کے مجموعہ سے بنائی گئی ہے اس لئے سب کو بلور اور مرجان کے مشابہ نظر آتی ہے۔ تیری صلح کا دن تو (سیم پاشی کی وجہ سے) سفید ہے اور یوم جنگ (خونریزی کی وجہ سے) سرخ۔

شیخ ابو الفرج اپنی تاریخ منتظم میں لکھتا ہے کہ ابن ہبیرہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے شہادت کا سوال کیا کرتا تھا۔ مرنے سے ایک شب پہلے تک بالکل صحیح سالم تھا۔ رات کو آرام سے سویا۔ صبح کی وقت ایک قے آئی۔ اپنے مشیر طبّی کو بلایا۔ اس نے دواء میں زہر ملا کر پلا دی جس کے اثر سے ابن ہبیرہ مر گیا۔

یہی مورخ لکھتا ہے کہ جس رات کی صبح کو ابن ہبیرہ مرا ہے' میں نے

خواب میں دیکھا کہ میں مرحوم کے گھر میں اس کے سامنے موجود ہوں۔ اتنے میں ایک شخص آیا۔ اور اس نے چھوٹے سے حربہ سے وزیر کو زخمی کیا۔ زخم سے فوارہ کی طرح خون نکلا اور دیوار پر جاکر گرا میں نے چاہا کہ وزیر کو سنبھالوں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک قیمتی انگشتری گری پڑی ہے۔ میں نے اٹھالی اور انتظار میں رہا کہ کسی کو دوں۔ ایک خادم آگیا' اس کے حوالہ کردی صبح اٹھ کر میں یہ خواب ایک دوست کے سامنے بیان کر رہا تھا کہ اتنے میں ایک آدمی نے آکر اطلاع دی کہ وزیر مر گیا۔ میں مرحوم کے مکان پر گیا۔ ان کے فرزند نے مجھے غسل دینے کو کہا۔ جب میں نے بغل تک پانی پہنچانے کیلئے ہاتھ اٹھایا تو مرحوم کے ہاتھ سے انگشتری گر گئی۔ مجھے اپنے خواب واقع کی اشد مطابقت سے نہائت حیرت ہوئی۔ یہی مورخ لکھتا ہے کہ مرحوم کے ماتم میں تمام بازار بند ہو گئے تھے اور خلیفہ سے لیکر ہر ادنیٰ شخص کو اس صالح مرد کے انتقال کا افسوس تھا۔

قارئین! اس وزیر کے حالات سے مختصر طور پر دیانت و امانت کا قیمتی سبق حاصل کریں اور زباندانی و انشاء نگاری کو عزت و توقیر حاصل کرنیکا مجرب نسخہ تصور فرماویں۔ رویائے صادقہ کا فطرت انسانی کے بہت سے مخفی رازوں میں سے ایک ہونا بھی اس سیرت سے واضح ہوتا ہے۔



معن بن زائدہ شیبانی

حاتم طائی کے بعد یہ دوسرا شخص ہے جو عرب بلکہ اسلام میں جود و کرم کیلئے ضرب المثل ہوا۔ اس کو حاتم کے ساتھ نہ صرف سخاوت میں ہی تشبیہ ہے بلکہ شجاعت و مردانگی' طاقت و فرزانگی' فصاحت وبلاغت اور شاعری میں بھی۔ لیکن حاتم کی طرح ان جملہ اوصاف کمال پر سخاوت ہی غالب رہی اور اسی کے ساتھ زیادہ تر اس کو شہرت ہوئی۔

معن جو اپنے قبیلہ کا سردار تھا' شروع شروع میں یزید بن عمر فزاری امیر عراقین کا مصاحب تھا۔ منصور عباسی کی نبرد آزمائی میں معن نے یزید کا پورا پورا ساتھ دیا لیکن جب یزید کو فریب آمیز صلح کے بعد قتل کر دیا گیا تو معن خوفزدہ ہو کر مخفی ہو گیا۔ منصور نے اس کی گرفتاری کے اشتہار جاری کر دیئے اور انعام بھی مقرر کیا۔ معن کا بیان ہے کہ میں اپنی جان کے خوف سے ادھر ادھر مارا پھرتا تھا۔ دھوپ میں چلنے سے رنگ سیاہ ہو گیا تھا۔ اور بدن روزانہ تکاپو سے سوکھ گیا۔ ایک روز میں بغداد میں رہ کر رات کو نکلا۔ دروازہ شہر سے نکلتے ہی میں نے دیکھا کہ ایک سپاہی بھی آتا ہے۔ جب ہم شہر سے کچھ فاصلے پر پہنچے تو اس حبشی مسلح سپاہی نے میرے اونٹ کی مہار آ پکڑی۔ اونٹ کو بٹھلا کر مجھے بازو سے پکڑ لیا۔ میں نے پوچھا تو کون ہے اور مجھے کیوں پکڑتا ہے۔ کہا تو اشتہاری ہے اور امیر المومنین تیری تلاش میں ہیں۔ میں نے کہا توبہ کرو۔ مجھے سے امیر المومنین کی کیا غرض ہو سکتی ہے۔ اس نے کہا تو معن بن زائدہ ہے۔ میں نے کہا کہ کجا معن اور کجا میں بیچارہ غریب۔ سپاہی بولا خیر اس کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کو آپ

سے بھی بڑھ کر جانتا ہوں۔ جب میں نے دیکھا کہ اب رہائی محال ہے تو میں نے کہا مجھے گرفتار کر لینے سے تمہیں انعام مشتہرہ کی توقع ہو سکتی ہے۔ لیکن میں تم کو ایسی چیز دے سکتا ہوں جو زر انعام سے کئی چند زیادہ قیمتی ہو۔ اس صورت میں مجھے گرفتار کرنے پر اصرار کرنا اور بلا وجہ میرے خون کا دشمن بننا کیا فائدہ۔ وہ بولا بہتر۔ میں نے جیب سے جواہرات کا کنٹھ نکالا اور اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ سپاہی نے دیکھ کر کہا کہ واقعی یہ بہت قیمتی اور عمدہ ہے۔ مگر میں اسے تب لے سکتا ہوں جب میری ایک بات کا صحیح صحیح جواب تم دو گے۔ میں نے کہا پوچھو۔ کہا تمہارے جودو کرم کی دنیا بھر میں بہت بڑی شہرت ہو رہی ہے۔ سچ بتلانا کہ کبھی تم نے اپنا تمام سرمایہ بھی سائلین کو دیا ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ کہا نصف۔ تہائی۔ چوتھائی۔ پانچواں چھٹا حصہ ؟ میں ہر دفعہ نہیں کہتا رہا۔ سپاہی دسویں حصہ تک پہنچا۔ اس وقت مجھے نہیں کہتے شرم آئی۔ میں نے کہا ہاں دیا ہے۔ سپاہی نے کہا دسواں حصہ دیدینا کچھ چیز نہیں۔ اور نہ چنداں قابل تعریف کہ اس کی سخاوت کی دھوم پڑ جائے۔ دیکھو میں ایک پیدل سپاہی ہوں اور بیس درہم ماہوار سے میری آمدنی زیادہ نہیں۔ مگر میں اس قیمتی گلوبند کو واپس کرتا اور تمہیں چھوڑتا ہوں۔ تم کو تمہاری سخاوت کیوجہ سے چھوڑتا ہوں۔ اس گلوبند کو اپنی عالی ظرفی سے واپس کرتا ہوں۔ تاکہ تم یاد رکھو کہ دنیا میں تم سے بڑھ کر سخی موجود ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ تم اپنی سخاوتوں پر مغرور نہ رہو گے۔ اور بڑی بڑی رقموں کا دینا تم کو ناگوار نہ ہوا کریگا۔ یہ کہہ کر گلوبند پھینک دیا اور مجھے چھوڑ کر واپس چل دیا۔ میں نے کہا سپاہی تم نے تو مجھے خوب ذلیل کیا۔ اس سے تو مر جانا زیادہ آسان تھا۔ اب آپ مہربانی کر کے یہ گلوبند جس کی مجھے بھی ضرورت نہیں ضرور لیتے جائیں۔ یہ سنکر سپاہی ہنس پڑا۔ کہا خوب اب آپ چاہتے ہیں کہ مجھے جھوٹا بھی بنائیں۔ بخدا میں اسے نہ لونگا اور اپنے احسان کو قیمت پر فروخت نہ کرونگا۔ یہ کہہ کر چلا گیا۔ معن کہتا ہے کہ میں نے اس کے بعد اس کی بہت

ہی تلاش کرائی مگر کچھ بھی پتہ نہ لگا۔

معن کچھ عرصہ تک پوشیدہ رہ کر دن کاٹتا رہا۔ ہاشمیہ کی لڑائی میں منصور کا لشکر اہل خراسان کے سامنے سے بھاگ رہا تھا اور شکست فاش کی منحوس صورت منصور کو نظر آرہی تھی کہ میدان میں یکایک معن پہنچ گیا۔ اور اس نے اپنے گروہ کو لیکر اس جوانمردی اور بہادری کے ساتھ دشمن پر حملہ کیا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور منصور درحقیقت منصور ہو گیا۔ فتح کے بعد منصور نے دریافت کیا کہ ہماری بروقت مدد کو پہنچ جانیوالا یہ کون شخص ہے۔ معن نے اپنی وضع بدل رکھی تھی۔ جب خود منصور نے اس سے سوال کیا۔ تو چہرہ کھول دیا اور کہا کہ میں حضور کا مجرم معن بن زائدہ ہوں۔ منصور نہائت خوش ہوا اور اسے اپنا مصاحب بنالیا۔ معن کی سخاوت کی داستانیں عجیب و غریب ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک دن اس نے تین لاکھ روپے تقسیم کئے تھے۔ سخن پروری و علمانوازی میں ممتاز تھا اور ہزاروں سے کم صلہ نہ دیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ کسی اعرابی نے آکر دو شعر اس مضمون کے پڑھے کہ کنبہ زیادہ ہے اور آمدنی کم۔ گھر والوں نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ ان کی آنکھیں میری واپسی پر لگی ہوئی ہوں گی۔ معن نے اپنی سواری خاصہ کی ناقہ اور ہزار دینار عطا کر دیئے۔ آخر عمر میں گورنر سجستان ہو گیا تھا۔ وہاں اپنے لئے محل تعمیر کرا رہا تھا کہ مزدوروں میں سے ایک مزدور نے اس کو قتل کر دیا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ وہ خوارج میں سے ہے اور چونکہ معن نے خوارج کو شکست دیکر قاتل کے عزیز و اقارب کو بھی قتل کیا تھا اس لئے قاتل نے اپنا بدلہ لے لیا۔

اس کی وفات پر شاعروں نے بیشمار قصیدے لکھے۔ سب سے زیادہ مشہور مروان حفصہ کا جو اس کے دربار کا خاص شاعر تھا مرثیہ ہے۔ یہ مرثیہ نہائت عجیب

ہے۔ جستہ جستہ شعر ذیل میں درج کرتا ہوں۔ اشعار کے درج کرنے سے میرا مطلب اس زمانہ کی شاعری کا دکھلانا ہے جس سے قارئین! یہ اندازہ کر سکیں گے کہ عرب شاعر اگر مبالغہ بھی کرتے تھے تو کس خوبصورتی کے ساتھ۔ نیز وہ قابل مدح اوصاف کو سمجھتے تھے نہ کہ خیالات کو۔

مضی لسبیله معن وابقی
مکارم لن تبید ولن تبالا

معن مر گیا اور اس کے ایسے مکارم باقی ہیں جو نہ فنا ہونگے اور نہ دوسرے ان کو حاصل کر سکیں گے۔

اصاب الموت یوم معناً
من الاحیاء اکرمهم فنالا

جس دن معن مرا۔ اس دن موت نے تمام زندہ شخصوں میں سے بہترین کو لے لیا تھا۔

و کان الناس کلهم لمعن
الی ان راز حضر ته عیالا

قبر میں جانے تک معن سب کی پرورش کرتا رہا گویا تمام خلقت اسی کا کنبہ ہے۔

و ما عمد الوفود المثل معن
ولا حطوا بساحته الرحالا

معن کے برابر کسی کے پاس ڈیپوٹیشن نہیں آئے اور نہ کسی کے پاس دور دراز ممالک سے اتنے طالب وسائل پہنچے۔

ولم یک کنتره ذهبا و لکن
سیوف الهندوالحلق الذلالا

اس کے خزانہ میں زر و سیم جمع نہ تھا۔ صرف تلواریں اور حلقے تھے۔

و قلنا این رحل بعد معن
وقد ذهب النوال فلا نوالا

ہم نے سمجھ لیا کہ معن کے بعد اب کہاں جائیں گے۔ کیونکہ وہ سراپا جود جاتا رہا تو جود کہاں رہا۔

اس آخری شعر کی بدولت شاعر کو اکثر درباروں سے ذلت و ناکامیابی بھی دیکھنی پڑی۔ جس کسی کی مدح کا قصیدہ لکھ کر لیجاتا تو وہ کہہ دیتا کہ جب معن کے بعد دنیا میں جود ہی نہیں رہا تو اب تو ہم سے کیا لینے آیا ہے لیکن چونکہ مروان زبردست شاعر تھا اور محسن کی شکر گذاری نے اس کو پھل دینا تھا۔ آخر میں لوگ اس پر مہربان ہو گئے۔ چنانچہ خلیفہ مهدی نے بھی جو ایک بار سے زیادہ اسی شعر بالا کیوجہ سے مروان کو دربار

سے نکلوا چکا تھا' اس کو ایک لاکھ درہم عنائت کیئے تھے۔

مروان کہتا ہے کہ ایک دفعہ جعفر برمکی نے مجھ سے مرثیہ معن پڑھوا کر سنا۔ میں پڑھتا جاتا اور جعفر رو رہا تھا۔ جب مرثیہ ختم ہوا تو جعفر نے پوچھا کہ فرزندان میں سے کسی نے اس مرثیہ پر تجھے کچھ دیا بھی ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ کہا اگر معن خود ان اشعار کو سن لیتا تو تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ کس قدر انعام دیتا۔ میں نے کہا چار سو دینار۔ جعفر نے کہا شاید معن اس رقم کو دے کر خوش نہ ہوتا۔ اس لئے میں تیرے اندازہ سے دو چند رقم تو معن کیطرف سے اور اسی کے برابر اپنی طرف سے (۱۶ سو) دیتا ہوں۔ مروان نے اسی بحر و قافیہ میں فی البدیہ اشعار کہہ کر جعفر کا شکریہ ادا کیا اور چل دیا۔

ایک اور شاعر نے بھی اس کا مرثیہ لکھا جو نہائت مقبول ہوا۔ اس کے مضامین یہ ہیں کہ معن کی قبر سے جا کر کہہ دو کہ باران رحمت سے تو ہمیشہ بہار بنی رہی پھر اس قبر سے یہ بھی پوچھنا کہ جس سخاوت نے بحر و بر کو سیراب کر رکھا تھا تو نے اسے کیونکر اپنے اندر چھپا لیا۔ ہاں اے قبر سب سے پہلا گڑھا جس میں مکارم نے آکر خواب کیا ہے وہ تو ہی ہے۔ معن کے بعد بھی اس کی سخاوتوں کی طفیل لوگ اس طرح گزران رہیں گے جیسے رو کے پھر جانے کے بعد بہت دیر تک تر رہتی ہے۔

وزیر ابن عباد کے حال میں ہے کہ ایک شاعر نے اس کی مدح میں قصیدہ لکھا اور اس میں یہ مضمون تھا کہ شہر کے باشندوں اور مسافروں کو ایسے ایسے خلعت ملے ہیں۔ جو اور جگہ دیکھے بھی نہیں گئے۔ حضور کے غلام بھی ریشمی لباس سے ملبس ہیں مگر ان سب میں ایک میں مستثنےٰ ہوں۔ ابن عباد نے کہا کہ معن بن زائدہ سے کسی نے کہا تھا کہ مجھے سواری چاہیئے تو اس نے سائل کو ایک ناقہ' ایک گھوڑا' ایک خچر' ایک گدھا اور ایک لونڈی دلا دی تھی۔ میں بھی اس کی نظیر پر حکم دیتا ہوں کہ جراب اور ازار بند سے لے کر تمام اقسام کے پوشیدہ کپڑے تم کو دیئے جائیں۔

غرض معن وہ شخص تھا جس کی سخاوت سے بلاواسطہ اور جس کے قصہ ہائے جودوسخا سے بالواسطہ ہزاروں اشخاص نے لاکھوں روپے حاصل کیئے۔ لیکن کب اور کس زمانہ میں ؟ جب قوم کا ستارہ عروج پر تھا۔ جب ان کے نصیب جاگتے تھے۔ جب امراء میں فضائل و مکارم پائے جاتے تھے۔ جو دولت خداداد کو صرف اپنی پروری و خرمستی کیلئے نہ سمجھتے تھے۔ جو بذل زر و سیم سے قوم میں قابل و لائق اشخاص کا موجود رکھنا ضروری سمجھتے تھے۔ جو گورنر اور بادشاہ ہو کر بھی مساوات کے اس سبق کو جو پیاری شریعت نے سکھایا تھا فراموش نہ کرتے تھے۔ اس زمانہ میں یہ سب باتیں فراموش ہو گئی ہیں اور سرداران قوم نے اپنے افراد کو بھلادیا ہے اور اپنے آپ کو ایک علیحدہ قوم تصور کر لیا ہے۔ لامحالہ اسی کے برے نتیجے ادنیٰ و اعلیٰ پر اپنا اثر ڈال رہے ہیں اور نکبت و ادبار چاروں طرف سے محاصرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کی شاندار ترقیات کے دائرہ کو تنگ کرتے جاتے ہیں۔

جودوکرم کے معنے تو خیر وسیع ہیں۔ سب سے پہلے انسان کو اپنی ذات سے اسم بخل دور کر دینا چاہیئے۔ بخیل وہی نہیں ہوتا جو خزانے کے سانپ کی طرح نہ خود کھائے اور نہ اوروں کو کھانے دے۔ بلکہ وہ شخص بھی بخیل کہا جا سکتا ہے جو سینکڑوں روپیہ ایک دن میں اڑادیتا ہو۔ کیونکہ شرع نے اس شخص کو بخیل کہا ہے جو حقوق واجب کو ادا نہ کرتا ہو۔ پس اگر کوئی شخص نمائش و افتخار سے یا اسراف و تبذیر سے نمائشی کاموں یا عیاشی وافعال میں ہزاروں روپیہ برباد کر رہا ہے۔ مگر زن و فرزند' عیال و اطفال' برادری اور قوم' محلّہ' شہر' ملک' رعایا اور بادشاہ کے حقوق واجب ادا نہ کرتا ہو تو وہ بخیل ہے اور بخل کی تمام تر مواعید کا مستوجب ہے۔ خداوند کریم مسلمانوں کو اس سے بچائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

شیخ ابو الفیض فیضی فیاضی

شیخ فیضی جو اپنی مختلف لیاقتوں اور انواع و اجناس علوم و فنون کی قابلیتوں کے اعتبار سے فضلاء ہند' شعراء ایران اور عرب میں گرامی نامور اور ممتاز ہے شیخ مبارک ناگوری کے گھر ۹۵۴ھ کو پیدا ہوا۔ شیخ مبارک ایک آزاد متوکل فقیر تھا جو کسی امیر کے دروازہ پر کبھی نہیں گیا۔ اپنے زمانہ میں جامع علوم منقول و معقول اور سرمایہ دار دنیا و عقبیٰ اتنا مانا گیا تھا کہ لوگ اسے "خدیو نشاتین" کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ ایسے عالم کامل کو گوشہ عزلت میں اگر کوئی دلچسپ شغل ہو سکتا ہے تو پہلوٹے بیٹے کی تعلیم۔ بوڑھے باپ نے اس نونہال علم و افضال کو اس زمانہ کے رسمیہ علوم بھی سکھائے اور سائینس کی تعلیم بھی دی' ادب' اخلاق' انشاء' طبیعات والہیات کو تکمیلی طور پر پڑھایا۔

ملا عبد القادر بدایونی لکھتا ہے کہ فیضی شعر و معمہ 'عروض و قافیہ' تاریخ و لغت اور انشاء میں بے نظیر تھا۔ روضتہ الادبا میں ہے کہ فیضی صرف شاعر ہی نہ تھا۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کا فلسفی اور منطقی بھی تھا۔ خود فیضی ایک قطعہ میں لکھتا ہے۔

فیضی ام کزدل و قیقہ شناس ۔۔۔ نقش سرو علن شناختہ ام
آنچہ باید شناخت داناء را ۔۔۔ بہ یقین نے بہ ظن شناختہ ام
از الہی بہ عقل دور اندیش ۔۔۔ ملک ازما ہرمن شناختہ ام
در ریاضی بچشم چرخ نورد ۔۔۔ نظم عقد پرن شناختہ ام
رآنچہ پرسی اگر بجزیم راست ۔۔۔ سخن است اینکہ من شناختہ ام

نثر راموبمو شگافتہ ام نظم رافن بہ فن شناختہ ام
اعتدال معانی ازمن پرس کہ مزاج سخن شناختہ ام

دیگر

ایا حریف دریں بزمگاہ فیضی را گماں مبر کہ زخیل تہی سبویان است
کشیدہ بادۂ تحقیق درخدائق علم زشاخسار خردوست دستہ پویان است
بحوہ ودشت معانی ک مرغ پر نزند بجا بکی تعقل دو اسپہ پویان است

فقیر کے جھونپڑے میں اگرچہ ذخارف کا نشان نہ ملتا تھا مگر گنجینہ سینہ میں بہت سے خوش آب مکنون تھے۔ مبارک نے ان شاہوار موتیوں سے پیارے بیٹے کے سروگردن کو سجا کر اسے شاہ پسند فرمایا۔

فیضی کی شہرت:۔ شیخ کی درسگاہ میں آنے جانے والوں معتقدوں، مریدوں، اور شاگردوں کے ذریعہ سے فیضی کے شجر علوم نظم ونثر، ذہین وذکا کے اوصاف کی خبریں دربار تک متواتر پہنچتی رہیں۔ اکبر تو بڑا ہنر شناس وقدردان تھا اور علم وقلم کو ایک ہاتھ میں اٹھا کر چلا کرتا تھا جب قلعہ چتوڑ کی تسخیر کو نکلا تو راہ میں اسے فیضی یاد آیا۔ فوراً احضار دربار کا حکم صادر ہوا۔

ابوالفضل لکھتا ہے کہ تعمیل کرنے والوں نے طلب عاطفت کو مطابقت عتاب بنا کر حاکم آگرہ کے نام فرمان لکھ بھیجا۔ چار شنبہ ۲۰ ربیع الاول کی صبح کاذب سے پہلے پہلے ترک سواروں نے آکر ہمارے گھر کو گھیر لیا اور سب کو محصور کر دیا۔ بھائی صاحب (فیضی) ان کے آنے سے پہلے صبح کی ہواخوری کو چلے گئے تھے اور ادھر سواروں کو یہ سکھا پڑھا کر بھیجا گیا تھا کہ بوڑھا (شیخ مبارک) اپنے بیٹے کو چھپالے گا اور تمہارے ساتھ

کرنے میں بہت کچھ حیلہ بہانہ کریگا مگر تم ایک نہ سننا۔ اب ادھر تو سوار سختی کر رہے ہیں۔ اور ہمیں جھوٹا بنا رہے ہیں اور ادھر گھر والے حیران و پریشان ہیں۔ اتنے میں بھائی صاحب واپس آگئے اور جاہل ترکوں پر ہمارا سچ جلد ہی ظاہر ہو گیا۔

اب ایک دقت اور ہوئی کہ سفر کا سامان گھر میں کچھ نہ تھا مگر والد بزرگوار کے مریدوں اور شاگردوں نے ملکر اس مشکل کو حل کر دیا اور بھائی صاحب طلوع آفتاب سے پہلے پہلے گھر والوں سے جدا ہو کر سواروں کے ساتھ ہو لئے۔ ہم سب گرداب غم میں ڈوبے جاتے تھے مگر ایک والد بزرگوار تھے جنہوں نے ہماری تسلی کی اور اطمینان دلایا کہ انجام بخیر ہے۔

جب فیضی ان سواروں کی حراست میں ایوان اکبری میں داخل ہوا تو اس کو انتظار حکم میں چاندی کے کٹھرے سے باہر جس کو نقرئی پنجرہ بھی کہا کرتے تھے۔ کھڑا کر دیا گیا۔ فیضی نے اس وقت یہ قطعہ پڑھا۔

بادشاہا درون پنجرہ ام از سر لطف خود مرا جادوہ
زانکہ من طوطی شکر خوایم جائے طوطی درون پنجرہ

اس قطعہ کو بادشاہ نے بہت پسند کیا اور اسی روز سے فیضی کو تقرب حاصل ہو گیا۔ اس وقت فیضی کی عمر اکیس سال کی تھی۔ دربار میں اس کے علم و فضل کے لحاظ سے جو کچھ عزت ہوئی اور اس کی فضیلت نے اہل دربار اور خود بادشاہ پر جو کچھ اثر کیا ان سب کا نشان فیضی کے اس قصیدہ سے ملتا ہے جو اس نے شرف حضوری سے تھوڑے دن بعد لکھا تھا۔ یہ قصیدہ دو سو پچاس شعر کا ہے مگر میں اس کی تلخیص ۳۱ شعر میں اس طرح پر کرتا ہوں کہ کوئی مطلب نہ رہ جائے۔

سحر نوید رساں قاصد سلیمانی رسید ہمچو سعادت کشادہ پیشانی

بذوق من طلب نا گہاں اور بمود چوبہر سالک توفیق جذب رحمانی

شدم سوار سبک گام تو سن چالاک کہ کردے از سر دانش سپہر جولانی

خبر بیارگہ شہریار شدا نیک رسید بر در فردوس مرغ بستانی

اشارہ رفت کہ در پیشگاہ مجلس انس شگفتہ دل بنیشی و شوق بناشانی

بہ گونہ گونہ تفقد شہنشہم بنواخت کہ پایہ پایہ فردوآمد ز حیرانی

زبان بپرسش من بر کشود اکارے بھی ریاض نطق ترا از ک بود رضوانی

پس ازادائے زمین بوسن بندگی گفتم کہ اے سپہر مطیعت بامراو غانی

امان عہد تو استاد مہربان من است کہ لوح ابجد آداب اوست طولانی

وگر سبب طلبی استاد من پدر است چہ حق کی نیست بمن زاں بزرگ حقانی

وگر بگفت کزیں ناظمان معنے سنج بہ پلہ کہ نہادند جنس رجانی

بعرض شاہ ساندم کہ اے پناہ سخن حدیث طائفہ شعر نیست پایانی

بن وران کہ ازیں پیشتر کردند کہ سرزداز لب شان نکتہ ہائے امعانی

ہمہ حکیم مزاجان و پاک دن بودند وجود دادہ طہارت زلوث عصیانی

کشیدہ نقش حقائق بہ دوراندیشی نمودہ درک و قائق بہ تیزا ذہانی

یکاں یکاں ہمہ بر بستر فناء خفتند کشیدہ برسر خود طیلساں کتمانی

کنوں ہم از شعراء بیشمار اندولے بخاک ریختہ صد آبروز بے تانی

چوکس نماند بعالم من آنکسم امروز کہ تازہ کرد سخن رالبہ تازہ دیوانی

کنون کلید سخن آسمان سپرد بمن زدل کشائیش دازمن کلید جنبانی

حدیث من بہ شہنشاہ بندو پرور بود چوبا خدائے کلام کلیم عمرانی

بگفت خیز و قلم از علم بخش کا مرور　　مسلم است ترکشور سخن رانی
رسید حکم کہ از نکتہ بخی شعرا　　بعرض مابرساں آنقدر کہ میدانی
زبانورے کے دگرباتو در سخن پیچد　　سزدسب ادب گردنش بہ پیچانی
چوگویم آنکہ زلطفش چہ طرف بربستم　　زہرچہ لازمہ خانی است و ترخانی
دو دولت از در اقبال تامن رد کرد　　کشید طالع انجیسم بہ لحیاتی
یکے معلّی شاہزاد ہائے عظام　　کہ بر نہال ادب میکنسندا اغصانی
نخست حضرت سلطان سلیم دریاوں　　کہ جلو خروش موجد البست عمانی
دگر طراز پرندامید شاہ مراد　　کہ درمن فلکش مے کند گریبانی
دگر جہان ادب دانیال کر شفقت　　کواکب شرفش میکنسندا خوانی
دوم سجودارادت کہ از میامن آں　　بانحطاط کشیدم قوائے حیوانی
بمن رسیدز فیض نواں حضرت شاہ　　بروح آنچہ رسد از شراب ریحانی

ابوالفضل لکھتا ہے کہ فیضی سحر خیز و صلح کل تھا۔ ہمت بلند کو کتب علمیہ و مسائل حکمیہ کے مطالع پر مبذول رکھتا اور شعر و شاعری کو ہمیشہ نظر حقارت سے دیکھا کرتا۔ جب اس زمین میں اسے کچھ لکھنا پڑتا۔ تو مضامین عالیہ کو چھوڑ کر ابنائے جنس کے درخور فہم بہ تکلف اسے کچھ لکھنا پڑتا جب فیضی دربار داخل ہوا ہے اس وقت مشہد غزالی لقب ملک الشعراء سے مفتخر و ممتاز تھا۔ وہ مر گیا تو فیضی کو ملک الشعراء بنایا گیا۔ دولت مغلیہ میں یہ دوسرا ملک الشعراء تھا۔ صاحب جامع التواریخ لکھتا ہے کہ شاہان مغلیہ کے دربار میں عہد اکبری میں مشہد غزالی اور شیخ فیضی، عہد جہانگیری میں طالب آملی۔ عہد شاہجہان میں ابو طالب کلیم ہمدانی ملک الشعراء تھے۔ روضۃ الادباء میں ہے کہ جس وقت فیضی نے مہابھارت کا منظوم ترجمہ ختم کیا اس وقت اکبر نے ملک الشعراء کا خطاب اسے مرحمت فرمایا۔

مہابھارت کا نثر میں فارسی ترجمہ فیضی تو مطبع نولکشور سے ۱۹۰۰ء میں چھپا مگر منظوم ترجمہ جس کا حوالہ روضۃ الادبا میں ہے دیکھا نہیں گیا۔ فیضی کچھ اس لئے مشہور نہ تھا۔ کہ وہ ملک الشعراء دربار تھا بلکہ اس لئے بھی کہ ادیب لبیب فاضل اجل تھا۔ فنون علوم کے علماء اس کے دستر خوان پر بیٹھتے اور غذائے روحانی و جسمانی سے پرورش پاتے تھے۔ عرفی، شیرازی اور عبدالقادر بدایونی اس کے دست پرورده تھے جو بعد میں احسان فراموش نکلے۔

فیضی جیسا کہ ادب عربیہ میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ ایسا ہی یونانی مسائل میں فیلسوف کامل تھا۔ سنسکرت نے اپنا پرانا دفینہ اسے سپرد کر دیا تھا۔ اور اس زبان کے جو دقائق کہ وہ جانتا تھا۔ کوئی پنڈت بھی مشکل سے ان معلومات کی برابری کر سکتا تھا ان سب کے علاوہ بادشاہ کا ایسا مقرب خاص اور مشیر باختصاص تھا کہ بادشاہ کو دم بھر کی جدائی اس کی شاق و ناگوار تھی۔ بادشاہ کو اس کی ذات پر اعتبار اور س کی لیاقت پر کامل بھروسہ تھا اور پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر جملہ خدمات ملکی و مالی میں اس کا دخل تھا۔ دکن کی نازک سفارت پر نائب السلطنت کے طور پر اس کو بھیجا گیا اور اس نے نہائت خوبصورتی کیساتھ معاملہ کو طے کیا۔

تصنیفات فیضی: نظم میں ایک نامکمل مجموعہ ملتا ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا کہ فیضی کا ارادہ خمسہ نظامی کا جواب لکھنے کا تھا خود اس کے شعر ہیں۔

بربستہ بپائے مرغ خامہ دارم بخیال پنج نامہ
زین ہفت رباط و چار منزل بندم بہ جمازہ پنج محل

اس خمسہ میں سے نلدمن زیادہ مشہور ہے۔ نیز درس میں داخل اس کتاب کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ جب یہ لکھی گئی تو اس پر اساتذہ و شعرائے ہندوایران کی اتنی مہریں ثبت کی گئی تھیں کہ تمام کتاب میں سے ایک شعر بھی نہ پڑھا جاتا تھا۔

مرکز ادوار۔ یہ کتاب کمیاب ہے۔ خوش قسمتی سے مجھے ۱۰۶۳ھ کی لکھی ہوئی مل گئی ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہے مخزن الاسرار نظامی کے جواب میں لکھی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم گنج ازل راست طلسم قدیم
گنج ازل چیست کلام خدا مہرا بد کر دبنام خدا
نقد دو کون است دریں مایہ درج چار کتاب است دریں آیہ مزج

حرف بسم اللہ کے معانی بیان کرتے ہوئے الرحمٰن کے الف لام کی نسبت کہتا ہے۔

درنگری و حدت و کثرت یکیست لام و الف در خط و حدت یکیست
لام بدل الف راہ مقام کردہ الف نیز بدل جائے لام
چند بہر حرف شوی مختلف یک ولی آموز زلام و الف

حمد میں کہتا ہے۔

تحفہ ہست کہ مشبک نگاشت نقش بدائع ہمہ یک یک نگاشت
روز برافروخت بہ اقبال صبح پائے شب آراست خلخال صبح
درره دل مشعل توفیق سوخت خانہ تقلیدز تحقیق سوخت
صوف صافی مترنم ازو قول حکیم و کلیم ازو
نامیہ ازابر عطایش عجیم عاقلہ از نطفہ درکش عقیم
عقل مقدس پرہش پابہ گل فکر ازدوست تحیر بدل
عقل کجا فکرت یزدان کجا بردروا جب راہ امکان کجا
دانش ماچیست بہ علم علیم فکرۃ محدث چہ رسدور قدیم
ملائکہ راحوصلہ برطاق ماند ناطقہ راسلسلہ برشاق ماند

توحید میں کہتا ہے

اے ہمہ در پردہ نہاں راز تو　　مخبر انجام ز آغاز تو
قدس تو آنجا کہ زند گام را　　راہ نہ آغاز نہ انجام را
در تو ہم آغاز انجام گم　　ہر دو بشہر قدمت نام گم

مناجات میں کہتا ہے

خاک عدم باتو عروسی نقاب　　آب قدم بے تو چو نقش برآب
درجسد خاک تہی روح پاک　　طبلہ عطار کنی جیب خاک
درسر صبح از تو نوائے صبوح　　درتن خاک از تو روان آب روح
جوش دگر بخش بہ صہبائے من　　شر دگر ریز بسوائے من
خون مرا رونق گلزار دہ　　خاک مرا چشمۂ انوار دہ
نقدم اگرمی بازار بخش　　جنس مرا چشم خریدار بخش
چشمہ دل کور جگرنا صبور　　بو کہ دہد ساقی خورشید نور

ایضاً مناجات میں کہتا ہے

کون و مکان پر تو ذات تواند　　دیدہ و دل محو صفات تواند
آمدگی سود نہ آوردگی　　ذات تو ہم پردہ وہم پردگی

ترتیب کتاب میں تمہیداً کچھ شعر لکھ کر گریز بمدح شاہ کرتا ہے۔ بادشاہ کی تعریف بادشاہ بنا کر ہی نہیں کرتا بلکہ اپنے دل میں خدا جانے کیا سمجھا اور کیا کچھ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعرانہ حیثیت سے اپنے لئے لقب مداحی پسند نہیں کرتا بلکہ جو کچھ مدح شاہ میں کہتا ہے اس کا نام "جوش ارادت" رکھنا چاہتا ہے۔ اس خیال کی بنیاد متبوع خیالات اور ایجاد پسند طبیعت پر ہی نہیں۔ بلکہ اس میں اہلکاری کے بہت سے اسرار مخفی ہیں۔

مدح میں کہتا ہے

سیاہ صفت ہر کہ نہ حق جداست سایہ گو ئیم کہ نور خداست
نام کہ مانند شہان برسرش آمدہ طغرائے ہوا لاکبرش
ازورق غیب سبق یافتہ رتبہ ہمنامی حق یافتہ
اسم مگو عین مسے است ایں اللہ اکبر چہ معماست ایں
صورت معنی زہم انگیختہ کثرت و وحدت بہم آمیختہ
قوت کونین ببازوے او گنج دو عالم بہ تراز وئے او
تحرازل را گہرش ترجماں علم لبدرا شخلش تو اماں
سر چو ببالین ہوس کم نہاد برسر خود بار دو عالم نہاد
جلوہ دستے و فرید دن درد جوعہ جامی و فلاطون درد

جن الفاظ پر خط ڈالے گئے ہیں ان پر نظر غائر ڈالنی چاہئیے۔ خطاب بادشاہ میں کہتا ہے۔

اے دو جہان عقل مسلم ترا دور شہنشاہی عالم ترا
ہست ودو منشور جہاں بانیت چوں شرتیغ و خط پیشانیت
درازل ازمدح تو بستند طرف وہ قلم و نو ورق و ہفتہ حرف
مدح ت بر قرف ازل خواندہ اند تخت تو بردوش لبد ماندہ اند
برصف کونین دلسر آمدی دیر ہمان دیر کو دیر آمدی

اس کتاب میں یہ بیان ہیں (۱) خلوت در انجمن (۲) ستائش نفس (۳) ستائش سخن (۴) نیرنگی نامہ (۵) چہرہ کشائی قلم (۶) بہار آفرینش (۷) صفت پر تو دل (۸) فروغ خرد (۹) صنعت علم (۱۰) گونہ حسن (۱۱) ثنائے نظر (۱۲) جوش عشق (۱۳) نشاط دیدار ئی (۱۴) طلوع صبح (۱۵) کوس سفر (۱۶) خزان فنا (۱۷) ترانہ واپسین۔

خواجہ نظامی اور ملا جامی کی طرح ہر ایک بیان کے ساتھ حکایت نہیں لکھی۔

صرف تین جگہ حکایات لکھی ہیں جن کو نمائش کر کے لکھتا ہے۔ پہلی کتاب جو اس طرز میں لکھی گئی یعنی جو واقعات صحیحہ یا مضامین نفیسہ پر مشتمل اور ان تمام عیوب سے پاک ہو جو عموماً مشرقی لٹریچر میں پائے جاتے ہیں۔ وہ خاقانی کی تحفۃ العراقین ہے۔ خواجہ نظامی کی ایجاد پسند طبیعت نے اس طرز میں تھوڑا سا تغیر دے کر ایک جدت پیدا کی اور مخزن اسرار لکھی۔ یہ طرز ایسی مقبول ہوئی کہ بڑے بڑے مشہور شعراء نے اسی زمین میں طبع آزمائیاں کیں۔ طبیعت کے جوہر دکھلائے۔ امیر خسرو کی مطلع الانوار اور ملا جامی کی تحفۃ الاحرار تو داخل درس ہی ہیں' عرفی شیرازی کی ناتمام مجمع الافکار اور زلالی کے کچھ متفرق اشعار بھی متداول ہیں۔

فیضی نے اس کتاب میں شاعرانہ زور دکھلانے کے علاوہ یہ بھی مد نظر رکھا ہے کہ کلام محققانہ ہو اور اسی سے شاعر کی وسعت معلومات بھی نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہو۔ تعجب یہ ہے کہ مرکز ادوار میں نعت رسول ﷺ کا ایک شعر بھی نہیں یہ ہرگز قرین قیاس نہیں کہ شیخ کے سامنے مخزن الاسرار، مطلع الانوار' تحفۃ الاحرار رکھی ہوئی ہوں۔ جن میں متعدد نعتیں ہیں شیخ ان کتابوں کا جواب لکھنا چاہے اور مسلمان کہلائے تفسیر قرآن لکھے اور بایں ہمہ نعت رسول پاک ﷺ کا ایک شعر بھی نہ ہو۔ حالانکہ نلدمن میں جس بلاغت کیساتھ نعت لکھی ہے اور جابجا معجزوں کا ذکر کر کے خشک فلسفیوں کے انکار پر استہزاء کیا ہے' وہ ظاہر ہی ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی اپنی تاریخ میں اس کتاب پر کچھ اعتراض نہیں کیا۔ ملا جو اپنی تاریخ کے صفحہ کو فیضی کے کفر والحاد کا فتوے بنانا چاہتا تھا کب درگذر کرنے والا تھا۔ میرے نزدیک یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ شہزادہ سلیم جو بعد میں نورالدین جہانگیر کے نام سے تخت ہندوستان پر جلوہ آراء ہوا فیضی و ابوالفضل کا پولٹیکل تعلقات کیوجہ سے سخت دشمن تھا۔ جب بادشاہ ہوا تو اسے ان کی شہرت ولیاقت کی داستانیں ناگوار گذرنے لگیں۔

جہانگیر وہی راہ چلا جو طریق اس کے بعد عالمگیر نے داراشکوہ کے ساتھ اختیار کیا تھا۔ یعنی ابو الفضل و فیضی کے منشیانہ و شاعرانہ خیالات کو میزان فقہ و شرع میں تولا اور کفر و الحاد کا فتویٰ لگا دیا۔ میرا خیال ہے کہ نعت کے کل اشعار نکالدیئے گئے۔ اور باقی کتاب ثبوت ارتداد کے لئے چھوڑ دی گئی۔ میرے سامنے عہد شاہجہان کی لکھی ہوئی کتاب رکھی ہے اگر عہد اکبر کی مل جاتی تو اس خیال کی تحقیق و تردید یا تصدیق بخوبی ہو سکتی۔ اسی کتاب کے مرکز ادوار کے بیان علم میں لکھتا ہے۔

خیز کہ نالیم زمر دم دروں　　وزنن ہر موئے بگریم خوں
فرض بود نالہ برافراشتن　　ماتم علم و علماء و اشتن
حیف کہ گردید بصد مکر وریو　　محکمہ شرع نبیؐ جائے دیو
اے شدہ فرماندہ شرع نبیؐ　　غرہ بدہ مسئلہ قالبی
نسخہ ابلیس سراپائے تو　　دفتر تلبیس فتاوائے تو
بر دل شان تہمت ایماں منہ　　بر ملک بر سر شیطان منہ

ان اشعار سے جس طرح پر یہ ظاہر ہوا ہے کہ فیضی علمائے وقت کی توقیر نہیں کرتا اس طرح یہ بھی نکلتا ہے کہ وہ اسلام کی ایسی حالت پر نہائت متاسف ہے اور اس درد کو اس کا دل محسوس کر رہا ہے۔ مولنا حالی نے بھی مثنوی تعصب و انصاف میں لکھا ہے۔

شیخ عیار تو زاہد پر فن　　مولوی عقل کے سارے دشمن
پیاز کی طرح نرے پوست ہی پوست　　قوم کے دوست مگر ناداں دوست

ایسے اشعار سے یہ نتیجہ نکالنا کہ شاعر علماء کو بوجہ تعلیم علوم دین برا سمجھتا ہے محض نادانی ہے بلکہ شاعر کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ علماء بنے ہوئے ہیں وہ علوم دین سے محض نابلد و ناآشنا ہیں اور اسی لئے ضلوا و اضلوا کے مصداق ہو رہے ہیں۔

خاتمہ کتاب میں کہتا ہے ؎

من کہ چنیں گنج نہاں یافتم   از نظر شاہ جہاں یافتم
شدچو فیض ازل انجام او   مبدء فیاض نہم نام او
شوق کزیں نامہ پر وبال داشت   عقل کمالم چہلم سال داشت
دل زتکا پوئے قلم سیر شد   خواستمش زود واے دیر شد

اس کتاب میں جابجا اپنا تخلص فیاضی لایا ہے اور کہیں کہیں فیضی مبدء فیاض نہم اوؔ میں بھی اپنے تخلص کی جانب کنایتاً اشارہ کرتا ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ فیضی کو تخلص کا بدلنا اور فیاضی بننا مبارک نہ ہوا۔ یعنی اس سے تین ماہ کے بعد مر گیا۔ لیکن یہ لکھنا در حقیقت غلط ہے کیونکہ فیضی پچاس سال کی عمر میں فوت ہوا ہے اور مرکزادوار لکھنے کیوقت اس کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ جیسا کہ اس نے خود لکھ دیا ہے۔

شوق کزیں نامہ پر وبال داشت   عقل کمالم چہلم سال داشت

فیضی سے فیاضی تخلص شیخ نے اسی وقت پسند کیا تھا جب ابو الفضل کو علامہ کا لقب عطا ہوا تھا۔ فیضی کہتا ہے ؎

اکنوں کہ شدم بعشق مرتاض   فیاضیم از فیوض فیاض

مثنوی سلیمان بلقیس۔ یہ مثنوی نظامی کی شیریں خسرو کے جواب میں لکھنی شروع کی تھی مگر تکمیل کو نہ پہنچی۔ مناجات کے شعر یہ ہیں ؎

الٰہی پر دہ تقدیس بخشاء   سلیمان مرا بلقیس بنما
دریں بت خانہ ناقوس جویاں   زبانے دہ مرا قدوس گویاں
ہمہ ذرت در تقدیس و تہلیل   مرالب پر زافسوں عزازیل
چہ سازم باہتاں پیوند سازم   پری در شہرو دل دربند دارم

مثنوی ہفت پیکر نظامی کی ہشت بہشت کے جواب میں۔ اس مثنوی کے

متعدد اشعار اکبر نامہ میں ابو الفضل نے درج کیے ہیں۔ مثنوی آج تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ فخریہ اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے۔

آمد اینک زشبستانِ غیب میکدہ زردست و گلستان عجیب

اکبر نامہ۔ سکندر کے جواب میں یہ کتاب صرف شروع ہی کی گئی تھی کہ موت نے کتاب اور مصنف دونوں کا خاتمہ کر دیا۔

دیوان۔ انواع سخن پر مشتمل ہے۔ غزلیات' قطعات' رباعیات' افراد' مصارع' قطعات' ورباعیات نہائت کارآمد ہیں اور اکثر حالات کا ان سے پتہ لگتا ہے فیضی کی طبیعت میں عربیت کا جو زور تھا وہ دیوان میں بھی رنگ دکھلا رہا ہے۔ اکثر جگہ فارسی مصرعوں کو عربی امثال سے تضمین دیکر اپنے کلام کے سلسلہ الذہب کو مرصع بنا دیا ہے۔

حسنت چو عشق من چہ عجب گر جہاں گرفت للبدران یلوح و للمشک ان یفوح

یعنی میرے عشق اور تیرے حسن کی داستانیں دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ بیشک چاند کا کام چمکنا اور مشک کا کام خوشبو پھیلانا ہے۔

آزادہ ام زمانہ و قاصد براہِ شوق تبیان لوعتی لغتی عن الشروح

خط لکھنے اور قاصد بھیجنے کی ضرورت تب ہوتی ہے جب کسی امر نامعلوم کی خبر دینی ہو۔ میرے سوز و گداز کا حال خود الم نشرح ہے۔

ساقیء جان خیز کہ شد صبح عید صبحک اللہ بہ صبح جدید

عرب میں اسلام سے پہلے انگریزوں کی طرح سلام کے الفاظ موقت ہوتے تھے۔ صبحک اللہ (گڈ مارننگ) کی جگہ بولا کرتے تھے۔

جان من و سلسلہ زلف تو علقت الروح بحبل الورید

تیری زلف کے ساتھ میری جان اس طرح اٹکی ہوئی ہے جس طرح شاہ

رگ کیساتھ روح بالکل نیا خیال ہے جس میں جسمانی شے کیساتھ غیر جسمانی کے تعلق کا پورا ثبوت ہے۔

بردم تیغ تو قضا کردہ نقش ‏ انت حدید لک باس شدید

دوسرا مصرعہ آیت وانزلنا الحدید فیہ باس شدید سے اقتباس کیا گیا ہے۔

چشم تو بس کروز خونریز خلق ‏ غمزہ بفریاد کہ ھل من مزید

دوسرا مصرعہ یوم یقول لجھنم ھل امتلئت و تقول ھل من مزید سے اقتباس کیا گیا ہے۔

دیگر۔باد در جوش است وزنداں منتظر ‏ ساقیا خذ ما صفادع ما کدر
گدلم بشکست خوش عالم کہ دوست ‏ مطمن عند قلب منکسر

دیگر۔صنے در دل مایافتہ راہ ‏ نحن لا نعبد الا ایاہ
فیضی ازبت نشکیبد ہرگز ‏ وھو من امن الا باللہ

دیگر نوشتہ اند بطاق رواق میخانہ ‏ کتابہ و من الماکل شئی حی

بعض غزلیات ایک مضمون کی ہیں جو خاص موقع پر لکھی گئی ہیں۔

بیک دو روزمہ روزہ بروتاب مرا ‏ کہ برشکست چنیں رنگ آفتاب مرا
زتشنگی لب اور خشک بنگراے ہمدم ‏ وگر مپرس سبب دیدہ پرآب مرا
مدار روزہ کہ از صدق نیتے کہ مراست ‏ کند فرشتہ بنامت رقم ثواب مرا

بعض غزلوں سے قصیدہ کا کام لیتا ہے۔

تعالی اللہ چہ عید است ایں کہ دور آں لے بام ‏ ولے از شوق محرومی سر از ذوق خالی را
غنیمت داں بدور خسرو والا جلال الدین ‏ نشاط عید اسفندار ماہ جلالی را

بادشاہ کی بیماری میں غزل لکھتا ہے۔

یارب بناز پرو نازک نہال مارا　　خورشید عافیت کن ابرو ہلال مارا
چوں چشم خویش تاکے باشد ناتوانی　　در جلوہ آر دیگر مشکیں غزال مارا
بر مصحف جمالش بکشائے دیدہ ما　　ازآئت شفاکن فرخندہ فال مارا
اے عافیت کجائی زیں خانہ سربدر کن　　ناف نشاط گرداں درد ملال مارا
آن ماہ رابر آردازا احتراق امشت　　پسند اے سعادت دیگر و بال مارا
در خلقہ ملائک کریست تازہ گوئی　　فیضی کمال صحت خواہد جلال مارا

غسل صحت بادشاہ کے بارے میں کہتا ہے ؎

تا صحت است عنصر شاہ یگانہ را　　پیداست اعتدال مزاج زمانہ را
در خواب راحت اند دو بیمار نرکش　　کوتہ کن اے طبیب فسوں گر فسانہ را
گو شمع گوشہ گیر کہ از صبح عافیت　　افروخت آفتاب رخش صحن خانہ را
اے عیش گریہ رفت ز من ورنہ کردے　　ایثار مقدمت گہر دانہ دانہ را
اے خوشدلی کی ماندی زیں بزمگاہ دوَ　　فرسودہ کن زبوسہ زدن آستانہ را

کسی شعر میں خصوصیت ملکی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

زنام کشتی مے استوار کن فیضی　　کہ موج عربدہ خیزاست آب دیدہ را

کہیں واقعات تاریخی کو چھلکا دیتا ہے۔

فیضی بگروش قدح و مبدم کہ شاہ　　گجرات فتح کردہ بہ بنگالہ میر دو

بعض غزلیں متروک بحور میں ہیں جن کے مضامین وغیرہ سے پایا جاتا ہے کہ حکیم ناصرو خسرو علوی بلخی کا تتبع کرتا ہے ؎

ساقی دوران گزرز عربدہ سازی　　ساغر مے دہ بدور اکبر غازی
نے مے دانش ربا کہ محتشما نرا　　ہچو سپہر آور و بسفلہ نوازی

نے مے بد خوکہ در دماغ رعونت | باد تہور و ہدبہ معرکہ تازی
نے مے آتش منش کہ در صف مستاں | شہرہ بود گرمیش بہ شیشہ گداری
نے مے بیباک دل کہ بر خر آرد | ترک ہوس راہوائے دست درازی
زاں مے یکرنگ کز تصرف باطن | توبہ دہد چرخ راز شعبدہ بازی
زآں مے صافی کہ عاکفاں صوامع | خرقہ دل را ازوکنند نمازی
زاں مے روشن نظر کہ باز نماید | راہ حقیقت بعاشقان مجازی
زآں مے دریاء گہر کہ پاک بشوید | از دل عارف خیال نقش طرازی
فیضی اگر در کشی زاں مے بیغش | دور بنا شد کہ بردو کون بنازی

بہار غزل

خاک چمن شدز آب مشک تتاری | آتش گل کر دباد بہاری
قرضۂ کافور ریخت شاخ شگوفہ | سنبل مشکین بسوخت عود قماری
بر سر ہر شاخ جلوہ گر شد گلہا | کردہ چو طفلاں باسپ چوب سواری
ازپے دو شیزگان حجلہ گلشن | آب صفت خاک کرو آئینہ داری
دور نظر بازی است و حسن پرستی | وقت گل افشانی است وبادہ گساری
غنچہ و نرگس رسیدہ اند فراہم | کوش کہ دل رلبدست دیدہ سپاری
جام مے لالہ گون و طرہ ساقی | فیضی اگر عاقلی زکف بگذاری

قصاید بہت کم ملتے ہیں۔ جس قدر دستیاب ہوتے ہیں وہ یا تو فخریہ ہیں یا مواعظ و نصائح سے پر۔ مدحیہ قصائد بہت کم لکھے ہیں اور وہ بھی خصوصیات کیساتھ بادشاہ کی مدح میں ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ تذکرہ عرفی میں ان دونوں کے ان قصائد کا جو ایک زمین میں لکھے گئے ہیں موازنہ و مقابلہ کر کے دکھلاؤں۔ ایک فخریہ قصیدہ کا مطلع ہے۔

اگر بحضرت سلطان رہ سخن داری   مباد خاموشیت بہر خویشتن داری

قصائد کے کم ہونے کیوجہ یہ ہے کہ فیضی نے دربار میں داخل ہونے سے پیشتر جو قصائد امرائے دولت کی مدح میں لکھے تھے۔ وہ بالآخر سب کے سب غارت کر دیئے۔ چنانچہ فیضی خود کہتا ہے۔

فیضیم شاعر تو نگر دل   ہمت از خاک بر کشیدہ من
گشتہ آستین ہمت گم   طمع پیر ہن دریدہ من
ایں سواد سخن کے مے نگری   ہست خونابہ چکیدۂ من
آفرینندہ شاہد است کہ ہست   مغنئی خاص آفریدہ من
بردہ ہوش دل نظارگیاں   جلوہ طبع شوخ دیدہ من
بود در کوچہ ہائے تنگ خیال   جنبش کلک سربریدہ من
باشدا کنوں زجنس ہائے سخن   غزل و مثنوی گزیدہ من
ہرچہ گفتم بمدح اہل و دل   عشق بستر داز جریدہ من
ورنہ مے شد شگرف دیوانے   از غزلہائے سر قصیدہ

دیگر

لیا مسافر انظارہ نظم و نثر ببیں   کہ تا کجا بود اندازہ مساعئ ما
ہزار گونہ سخن از زبان اسر زد   ہنوز تابجا ہا کشد دواعئ ما
بآفتاب شود منتہی بوقت نظر   چوامتداد پذیر دخط شعاعی ما
زبہر تذکرہ اہل دیدہ فتنے است   کہ شدر قمزدہ کلک اختراعی ما
وگرنہ درعدداز ہمگنا کم نیست   قصیدہ و غزل و قطعہ و رباعی ما

سواطع الالہام۔ قرآن مجید کی تفسیر عربی زبان اور بے نقطہ الفاظ میں ہے۔ اس تفسیر سے فیضی کا کمال تبحر دستگاہ ادب وانشاء بخوبی عیاں ہے۔ حروف مہملہ کا اتنا التزام

کیا ہے کہ نام بھی بدل ڈالے ہیں۔ سر لوح پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کی جگہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہے۔ جس میں کوئی منقوط حرف نہیں۔ سورہ اخلاص میں اس تفسیر کی تاریخ لکھی ہے۔ جاہل لوگوں نے اس تفسیر کی نسبت مشہور کر رکھا ہے کہ فیضی نے ایک قرآن بنایا اور اکبر کو رسول الف ثانی قرار دیا تھا۔ یہ تفسیر مطبع نولکشور میں چھپ چکی ہے۔

موارد الکلم۔ علم اخلاق کی کتاب ہے۔ یہ بھی غیر منقوط حروف میں لکھی گئی ہے۔ روضۃ الادباء میں اس کتاب کی چند سطور بھی نقل کی گئی ہیں۔ فیضی نے خود بھی اس کتاب پر فخر کیا ہے۔

طبع مشکل پسند من اکثر مشکلات بدیع ملتزم است
سلک ہائے بلاغت از کلکم باسالیب خاص منتظم است
گرد لیلے بدیں خواہی درکتاب مور الکلم است

ان تصنیفات کے علاوہ اکبر نے ترجمہ کا محکمہ قائم کیا تو فیضی اس کا مہتمم اور افسر اعلیٰ قرار دیا گیا۔ رامائن' بیتال پچیسی' بھاگوت' مہابھارت اور جوگ بسشٹ وغیرہ کے جو ترجمے ہوئے وہ سب اس کے قلم سے اصلاح لیکر نکلے۔

تعلیم سنسکرت :۔ فیضی نے سنسکرت کیونکر پڑھی۔ یہ تمام روائت داستان نما ہے۔ مشہور ہے کہ فیضی بنارس پہنچا اور برہمن بچہ بن کر بنارس کے مشہور مہاودیاشالا میں داخل ہو گیا۔ چونکہ حافظہ تیز تھا' ذہن صاف' فہم درست اور طبع سلیم۔ دل راغب اور علوم مکتبہ خصوصاً عربیت کی استعداد کی مدد۔ اس لئے تھوڑے سے عرصہ میں انتہائی تعلیم تک پہنچ گیا۔ تمام استاد اس کے عمدہ چال چلن اور اعلیٰ قابلیت کیوجہ سے نہائت درجہ محبت کیا کرتے تھے جب اس نے وطن کیلئے اپنے شفیق استاد سے اجازت چاہی تو اس نے ایک ہفتہ کے لئے اور ٹھیرالیا اور اپنے گھر میں مشورہ کر کے یہ ارادہ کر لیا کہ

اپنی اکلوتی کنیا سے شادی کردے۔ جب فیضی کو کہا گیا تو اس وقت اس نے صاف کہدیا کہ میں اس لڑکی کو ماں جائی بہن سمجھتا ہوں اور میں خود مسلمان ہوں۔ استاد یہ سن کر پیکر تصویر بن گیا اور تمثال بت ہوگیا۔ پھر آہ بھر کر کہا کہ تو نے کل ہندو دھرم کے ساتھ جل کیا۔ مگر اب بتلا کہ میرا حق استادی کیا اداء کریگا۔ فیضی نے عرض کیا۔ آپ یہ کیا فرماتے ہیں۔ میں دل و جان سے آپکی پدرانہ اور استادانہ شفقت و عاطفت کا ممنون و مرہون ہوں اور میری استطاعت سے باہر ہے کہ میں آپ کے انعام واحسان کا حق ادا کر سکوں۔ استاد نے کہا تاہم میں ایک خاص عہد لینا چاہتا ہوں کہ تو گائیتری منتر کا ترجمہ نہ کرنا۔ فیضی نے عہد کیا اور میثاق غلیظ کے ساتھ اس عہد کو موکد کیا۔ چناچہ اس فاضل نے منتر کو اس طرح لکھ کر ترجمہ نہ کرنے کی یہی وجہ تحریر کردی۔

فیضی کا مذہب :۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ فیضی ابوالفضل نے دنیا کو دین پر اختیار کیا اور دین کو دنیا پر نثار کر دیا۔ اکبر نے جس قدر مذہبی رنگ گرگٹ کی طرح بدلے۔ وہ سب فیضی و ابوالفضل کے اختراعات کا نتیجہ تھا۔ اکبر ان کے ہاتھ میں پتلی کی طرح تھا۔ یہ جو کچھ سمجھا دیتے اکبر دنیا کی سٹیج پر اسی ایکٹ کو دکھلا دیتا۔ مذاہب جلالی اور دین الٰہی کے بانی مبانی بھی یہی تھے اور اکبر کو آفتاب پرستی بھی انہوں نے ہی سکھلائی تھی۔ جن لوگوں کا یہ بیان ہے وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ فیضی و ابوالفضل کو یہ ملحدانہ خیالات اپنے باپ شیخ مبارک سے وراثت میں ملے تھے۔

قارئین! کسی شخص کے مذہب پر رائے نہائت مشکل کام ہے اور مردہ شخص کو ملحد و مرتد بنانے کی سعی کرنا تو بے سود بھی ہے اس لئے اس روائت کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہ سچ ہے کہ دونوں بھائی نورتن میں داخل تھے اور بادشاہ کی خلوت کے ہمراز تھے لیکن یہ سمجھنا کہ اکبر کے مذہبی خیالات کی مہار انہی کے ہاتھ میں تھی، محض غلط ہے۔ اکبر کو تحقیقات مذہب کا شوق تھا اور پولٹیکل وجوہ سے وہ ہندوؤں سے زیادہ تر میل ملاپ

کو ضروری سمجھتا تھا۔ اور غالباً ہماری گورنمنٹ برطانیہ کی طرح سمجھا ہوا تھا کہ ہندوستان جیسے ملک کشت زار مذاہب میں گورنمنٹ کو اپنا طریق عمل لامذہبی رکھنا چاہئیے۔ ان سب وجوہ کے ساتھ ہی وہ جاہل تھا اور ہر فرقہ کے منطقی و فلسفی دلائل کا سننا اور ایک دوسرے پر راجح و مرجوح سمجھنا اس کے لئے مشکل تھا۔ اس لئے عمر بھر مذہب کو بھی وہ شاہی رنگ رلیاں سمجھتا رہا۔ لیکن ہم جب اکبر کے انجام کو دیکھتے ہیں تو ہر ایک تاریخ میں لکھا ہوا ملتا ہے کہ مرنے سے تین روز پیشتر اس نے قاضی اسلام کو بلایا۔ اپنے گزشتہ اعمال و اقوال افعال سے توبہ کی۔ عمر رفتہ پر اظہار ندامت کیا اور کلمہ شہادت پڑھ کر حاضرین کو اپنے متشہد کا گواہ بنایا۔ تو پھر کیونکہ یہ خیال ہو سکتا ہے کہ نور تن کے ان روشن اور قیمتی رنگوں نے دراصل ضمیر کی راستی اور اپنی لازوال روح کو ظاہر پر نثار کر دیا تھا۔

یہ مان لینا آسان ہے کہ فیضی ہاں میں ہاں ملانیوالوں میں ضرور تھا۔ لیکن یہ یقین کرنا نہائت مشکل ہے کہ اسکے دلی معتقدات بھی اسلام کے خلاف تھے۔ نلدمن میں جس بلاغت و فصاحت اور وسعت بیانی و زور کلامی کے ساتھ اس نے رسول کریم ﷺ کی نعت لکھی ہے اور عام مسلمانوں بلکہ عجائز کی طرح ایمان بمعجزات کا اظہار کیا ہے اس کے مقابلہ میں ایسی روائتیں محض فضول معلوم ہوتی ہیں۔ ہاں میں ہاں ملاتے رہنے کا ثبوت اس کے اکثر اشعار میں سے ملے گا۔

قسمت نگر کہ در خور ہر جوہرے عطا است　　آئینہ باسکندر و بااکبر آفتاب

لومیکند معائینہ خود در آئینہ　　ایں میکند معائنہ در آفتاب

رباعی

نور کے زمہر عالم آراء پیدا است　　از جبہ شاہنشہ والا پیدا است

اکبر کہ بآفتاب دارد نسبت　　ایں نکتہ زبینات اسما پیدا است

ایسے ایسے اشعار کو میزان فقہ میں تولنا شاعرانہ مذاق سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اشعار میں یہ لوگ دلی معتقدات نہیں بلکہ طبیعت کی شوخی اور فکر کی تیزی دکھلایا کرتے ہیں۔ شیخ سعدی جیسے ثقہ اور محدث ایک جگہ لکھتے ہیں۔ "بازن خویش ہم پہلو بودم خوابوئے کرمانی آمد، ودرمد، گفتم کیستی، گفت منم' گفتم بازن خویش ہم سخنم، زنم برآشفت کہ مروک چہ میگوئی، گفتم آخر شاعر یستم بہر تو قافیہ گذارم"

اگر مذکورہ بالا اشعار یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ فیضی نے اکبر کو آفتاب پرستی سکھلائی تو عرفی شیرازی کو کیا کہو گے جس کے قصائد میں آفتاب ردیف کا پورا قصیدہ ہی موجود ہے وہ جہاںتک میرا خیال ہے اس قصیدہ کے سوا اور کوئی قصیدہ اس نے بادشاہ کی مدح میں لکھا ہی نہیں۔

ذہانت و طباعی:۔ سینکڑوں لطائف ایسے مشہور ہیں جن سے فیضی کی ذہانت وطباعی ظاہر ہوئی ہے۔ میں اس جگہ صرف دو پر اقتصاد کرتا ہوں۔

ا۔ سلطنت ایران کا سفیر آیا اور مراسلہ بادشاہ کے ہاتھ میں دیا۔ بادشاہ نے خود ہی کھول لیا۔ سرنامہ نیچے اور پایاں اوپر۔ سفیر کے لبوں پر ذراسی مسکراہٹ نظر آنے لگی۔ فیضی جھٹ بول اٹھا۔ "در حضرت ما سخن مگوئید کہ پیغمبر ما نیز امی بود"

۲۔ شاہ عباس صفوی کے دربار میں طاہر وحید نے ایک رباعی پڑھی۔ رباعی اس قدر مقبول ہوئی کہ فوراً مراسلہ تیار ہوا اور ایک سفیر ارداستان اکبر کی خدمت میں روانہ کیا گیا۔ مراسلہ کا دربار بڑے تزک واحتشام سے ہوا۔ رباعی پڑھی گئی۔

زنگی بہ فروانی لشکر نازد رومی بہ سنان وتیغ وخنجر نازد

اکبر بہ خزائن پرازرز نازد عباس و ذوالفقار حیدر نازد

عباس صفوی شیعہ تھا۔ یہ رباعی سنتے ہی اکبر نے گوشہ چشم سے فیضی کی جانب دیکھا۔ فیضی کھڑا ہو گیا اور فی البدیہہ رباعی پڑھ دی۔

دریا گہر فلک باختر نازد | فردوس بہ سلسبیل و کوثر نازد
عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد | کونین بذات پاک اکبر نازد

سفیر اور عباس کو کھسیانا ہونا پڑا۔ اور شعرائے ایران نے فیضی کی روانی طبیعت کا اقرار کیا۔

وفات :۔ اب ہم اس بے نظیر جامع کمالات فاضل کے تذکرہ کو جو شعر و معمہ عروض و قافیہ' تاریخ و نعت اور ادب و انشاء میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا (اور اہلکارانہ قابلیتیں ان سب پر مستزاد) ختم کرتے ہیں۔ بادشاہ کے تقرب و مصاحبت کو فیضی تو غالباً مساعدت بخت 'یاوری طالع اور بلندی اقبال تصور کرتا ہو گا۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ دربارانہ زیست سے اس کے علم و فضل سے بہت کم فائدہ دنیا کو پہنچا۔ عدیم الفرصت تو تھا ہی۔ عمر نے بھی وفا نہ کی۔ پچاس سال کی عمر میں شنبہ دہم صفر ۱۰۰۴ھ ہجری کو چند روز بیمار رہ کر انتقال کیا۔ اکبر بیماری کا حال سن کر عیادت کیلئے خود آیا۔ سر بالین بیٹھ گیا اور فیضی کا سر تکیہ سے اٹھا کر اپنے زانوں پر رکھ لیا۔ فیضی کو پکارنا شروع کیا۔ نہائت محبت اور قلق کے لہجہ میں چند بار کہا۔ "فیضی! آنکھیں کھول۔ دیکھو میں تیرے پاس آیا ہوں۔ حکیم علی گیلانی کو ساتھ لایا ہوں" مگر فیضی پر ایسی گہری بیہوشی طاری تھی کہ نہ اس نے آنکھ کھولنی تھی نہ کھولی۔ ابوالفضل لکھتا ہے کہ مرنے سے چار روز پیشتر مجھ کو کہا بادشاہ سے ۴ یوم کی رخصت لیکر میرے پاس ہی بیٹھ رہو۔ میں نے رخصت لے لی۔ چوتھے روز ہی انتقال ہو گیا اور پشین گوئی صحیح نکلی۔ صاحب جامع التواریخ لکھتا ہے کہ شیخ فیضی اور کمال جید حکیم ہمام کا بہ ترتیب ذکر ایک ماہ کے اندر انتقال ہوا۔ سکندر اشک حسرت ریخت کا فلاطوں زعالم شد"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

عبدالحمید کاتب

عبدالحمید اپنی فصاحت وبلاغت اور انشاء و کتابت کیلئے وہی شہرت عربی زبان کے سحر پردازوں میں رکھتا ہے جو علامہ ابو الفضل فارسی کے انشاء نگاروں میں ۔ یا اس سے بھی بڑھ کر۔ کیونکہ عبدالحمید کو موجد طرز خاص تسلیم کیا گیا ہے۔ عبدالحمید ابتدا میں مکتب پڑھایا کرتا تھا۔ لیکن آخر میں مروان بن محمد آخر ملوک بنی امیہ کا میر منشی بن گیا تھا۔ اس نے انشاء کی اصلاح سالم مولیٰ ہشام بن عبدالملک سے لی تھی۔ علم اور ادب کا امام اور خطوط ورسائل اور فرامین طرز خاص کا موجد تھا۔ طول و طویل لکھتا اور ہر فقرہ میں بلاغت و جدت کا ثبوت ہوتا۔ اس کے بعد جتنے انشاء نگار ہوئے سب نے اس کی طرز کو اختیار و پسند کیا۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے حمد کے متعلق خطوط میں التزام کیا تھا۔

ایک روز کسی افسر نے ایک حبشی غلام اس کے پاس ہدیہ میں بھیجا۔ چند احباب بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ ایک مختصر خط میں اس کی رسید لکھو جس سے بھیجنے والے کی مذمت بھی نکلے۔ عبدالحمید نے قلم اٹھا کر لکھ دیا۔ ’’دنیا میں سیاہ رنگ سے بدتر کوئی رنگ اور ایک سے کمتر کوئی عدد ہوتا تو میں بھی ہدیہ پیش کرتا‘‘۔ ایک شخص آیا اور اس نے کسی کے نام سفارشی خط چاہا۔ عبدالحمید نے اس کے ہاتھ پر لکھ دیا‘‘۔ اس نے آپکو امید گاہ اور مجھے شفاعت خواہ سمجھا۔ میں اپنا کام کئے دیتا ہوں امید ہے کہ آپ بھی اس کے خیال کو سچا ثابت کریں گے‘‘ عبدالحمید کہا کرتا تھا۔ ’’بہترین انشاوہ ہے جس کے

الفاظ مردانہ اور معانی معشوقانہ ہوں" کہا کرتا۔ "قلم وہ شجر ہے جسے الفاظ کے پھل لگتے ہیں اور فکر وہ بحر ہے جس سے در حکمت نکلتے ہیں۔"

عبدالحمید نے صرف ایک ہی گھوڑا اپنی سواری میں رکھ چھوڑا تھا اور ہمیشہ اسی پر سوار ہوا کرتا تھا۔ مروان نے اس کی وجہ پوچھی۔ کہا "کھاتا کم ہے اور لمبا زمانہ کٹا چکا ہے۔" پوچھا رفتار کا کیا حال ہے کہا، "صرف ایک چابک اس کا ہمرکاب ہوتا ہے اور صرف جائے مقصود اس سے آگے۔ جب کبھی میں نے اسے چابک لگایا تو اس پر ظلم کیا ہے۔

جب مروان کو بنو عباس کی متواتر فتوحات سے یقین ہو گیا۔ کہ سلطنت نہ رہے گی تو عبدالحمید کو کہا بہتر ہے کہ تم ظاہرا باغی بن کر دشمن سے جا ملو۔ تمہارے فضل و کمال کی کسے حاجت نہیں۔ وہ جلد تم پر بھروسہ کرلیں گے۔ پھر اگر تم مجھے کسی طرح کا نفع پہنچا سکو گے تو بہت خوب ہوگا ورنہ تمہاری عزت و آبرو تو بہر حال بنی رہے گی اور یہ بھی میرے لئے کچھ کم اطمینان کا موجب نہ ہوگا۔ عبدالحمید نے کہا کہ میں حضور کے ارشاد کو سمجھا۔ میرے لئے اس کے دونوں پہلو خراب ہیں اور حضور کیلئے دونوں صورتیں اچھی۔ میں بجز صبر اور کیا کر سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ یا آپکو فتح دے اور مجھے کامران بنائے یا حضور کیساتھ میرا بھی فیصلہ چکائے۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

استرو فاءً تم اظهر عذره فمن لی بعذر بوسع الناس ظاهره

چند روز کے بعد مروان پکڑا گیا اور قتل ہوا تو عبدالحمید بھاگ گیا۔ ایک گاؤں میں پہنچا اس کا نام پوچھا تو معلوم ہوا ابوصیر۔ عبدالحمید الی الله المصير پڑھ کر ٹھیر گیا۔ وہیں اس کا دوست ابن المقفع تھا۔ اس کے پاس جا ٹھیرا۔ سوار تعاقب میں تھے۔ وہ سراغ لیتے ہوئے اس کمرہ میں پہنچے۔ دونوں احباب بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے پوچھا۔ تم میں سے عبدالحمید کون ہے۔ یکبارگی دونوں کے منہ سے آواز آئی میں۔ ابن

المقفع نے میں کہنے میں اس لئے جلدی کی کہ اس کی آفت جھیل لوں اور عبدالحمید نے اس لئے کہ میری مصیبت کا نشانہ میرا دوست نہ بن جائے۔ سوار حیران تھے کہ کسے گرفتار کریں۔ عبدالحمید نے کہا کہ تم کو حلیہ بھی بتلایا گیا ہوگا اور یہ ایسے نشانات ہیں جو دوسرے شخص میں ہرگز نہ پائے جائیں گے۔

سواروں نے غور اور تامل کے بعد اسی کو گرفتار کر لیا۔ سفاح عباسی کے سامنے اسے حاضر کیا گیا۔ اس نے عبدالجبار کو توال کے سپرد کر دیا۔ اس سنگدل گرگ طبع نے جس برے طریق پر اس کی جان لی ہے اس سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ طشت میں آگ بھر کر اس کے سر پر رکھ دیا جاتا۔ آگ بجھ جاتی تو اور ڈال دیتے۔ دماغ ہنڈیا کی طرح پکا۔ اور اس مستقل مزاج کاتب بلیغ نے تلخ موت کا ذائقہ کشادہ پیشانی سے چکھا۔ یہ واقعہ ذی الحج ۱۳۲ھ کا ہے۔ عبدالحمید کو ابوالفضل بتلایا گیا تھا۔ سو تلخ انجامی اور جوانمردی میں بھی دونوں کے اندر وجہ تشبیہ موجود ہے۔

عبدالحمید نے ایک وصیت اہل کاران دربار کے نام لکھی تھی۔ ذیل میں اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ یہ آج سے ایک ہزار یا گیارہ صدی پیشتر کے خیالات ہیں ان کے مقابلہ میں چسٹر فیلڈ وغیرہ کے خیالات کا موازنہ کرنا چاہیئے۔

اے اہل قلم! خدا تمہیں آفات سے بچائے۔ توفیق خیر دے اور راہ ہدائت دکھلائے۔ یاد رکھو کہ انبیاء اور ملوک کے بعد نسل انسانی کی چند صنفیں ہیں (گو بلحاظ نوع وہ سب ایک ہیں) ہر ایک صنف کے اسباب معاش جدا ہیں اور ابواب زرق جدا۔ خدا نے تم کو اہل قلم و اہل علم بنایا اور بہترین صف میں ٹھیرایا۔ محاسن سلطنت کا انتظام اور امور سیاست کا قیام تم لوگوں پر ہی منحصر ہے تمہارا نیک رویہ سلطنت کو مخلوق کی بہبود کا ذریعہ بناتا۔ اور آبادی ملک کا سبب بنتا ہے۔ ملک اور اہل ملک کا تمہارے بغیر چارہ نہیں۔ تم مالکان سلطنت کیلئے ان کے سننے والے کان، دیکھنے والی آنکھیں، بولنے والی زبان

اور کام کرنے والے ہاتھ ہو۔ خدا تمہاری اس برتری کو جو تمہیں دیگر اصناف پر ہے قائم رکھے۔ اور جس دستر خوان پر تمہیں بٹھایا گیا ہے۔ اس سے ذائقہ یاب ہونے کی توفیق دے۔ میں اس تحریر میں ان کی صفات کا ذکر کروں گا۔ جس کی ضرورت تم کو خود اپنے لئے بھی ہے اور اپنے آقا کا بھروسہ حاصل کرنے کے لئے بھی۔

اہلکار کے لئے ضرور ہے کہ بردباری کی جگہ حلیم اور جزورسی کے موقع پر فہیم۔ جہاں آگے بڑھنا چاہیئے۔ بڑھ جائے اور جہاں ہٹنا چاہیئے ہٹ جائے۔ فسق و فجور کا دشمن اور عدل و انصاف سے مزین ہو۔ راز کا بہت چھپانیوالا اور سختیوں میں پورا اترنے والا ہو۔ ہر امر و ہر طریق کی مناسبات کا شناسا ہو۔ فنون علم میں سے ہر فن میں کمال رکھتا ہو اگر کمال نہ رکھتا ہو تو بقدر ضرورت ہر ایک میں اسے دخل تو ضرور ہو۔ وہ اپنی صائب رائی اور وسیع تجربہ کاری سے ہونے والی صورتوں کو ہونے سے پہلے اور معاملات کے انجام کو خاتمہ سے پیشتر معلوم کر سکتا اور ہر ایک تدبیر نکال سکتا ہو۔

ہاں اے اہل قلم صنوف آداب کے میدان میں آگے بڑھنے کیلئے نکلو اور تفقہ فی الدین حاصل کرو۔ پہلے قرآن مجید اور فرائض سیکھنے چاہئیں اور پھر عربیت (کیونکہ زباندانی کا معیار یہی ہے) خوش خطی ضروری چیز ہے اور تحریر کا زیور بھی ہے۔ تحریر میں اشعار کا استعمال اور عرب و عجم کے واقعات تاریخیہ کے حوالہ اور عادات و خصائل اہل ملک سے استدلال بھی ضروری ہے اور اسی سے ہمت بلند کا پتہ چلتا ہے۔ دیکھنا علم حساب سے بے خبر نہ رہنا۔ محاصل و مخارج کی جان یہی علم ہے طمع کسی بڑی چیز کی ہو یا چھوٹی کی۔ بالکل چھوڑ دینی چاہیئے۔ اسی سے افسر بگڑتے اور ذلیل ہوا کرتے ہیں۔ تمہیں لازم ہے کہ اپنے پیشہ کو کمینہ پن سے بچاؤ۔ اور اپنے آپ کو غیبت' چغلی اور دوزخی سے پاک و صاف رکھو۔ تکبر چھچھورا پن اور لاف زنی سے قطعاً پرہیز چاہیئے۔ ان سے عداوت تو ضرور ہو جاتی ہے اور محبت کبھی بھی نہیں۔ اہل علم کے ساتھ للّٰہی محبت رکھو۔ جو کچھ

اہل فضل و کمال کو شایاں ہے اس کے لئے باہمی نصیحت کرتے رہو۔ اگر تم میں سے کوئی شخص گردش زمانہ میں آجائے تو اس کے ساتھ نرمی و محبت اور سلوک سے دریغ نہ کرو اور اگر کسی کو پیرانہ سالی و ضعف قویٰ نے ملنے جلنے سے معذور کر دیا ہو تو خود جا کر اس سے ملتے رہو اور اہم معاملات میں اس سے مشورہ لیتے رہو۔ اس کی وسعت معلومات اور تجربہ سے فائدہ اٹھانے میں پس و پیش نہ کرو اور اپنے آقا کے ساتھ اس کے فرزند و برادر سے بڑھ کر سلوک کر کے دکھلاؤ۔ اگر کسی کام سے نیک نامی اور خوبصورتی نکلتی ہو تو اسے آقا سے منسوب کرو اور جس سے نقص یا مذمت نکلے اسے دیگر اسباب سے۔ اگر آقا کی حالت میں تغیر آجائے تو اس وقت تم کو لغزش و ذلت سے بچنا چاہیے۔ اور اس کا ساتھ دینے میں غم و اندوہ نہ کرنا چاہیے کیونکہ اوروں کی بہ نسبت تم بدنام بھی جلد ہو سکتے ہو۔

(میں اسی بات کو پھر دلنشین کرانا چاہتا ہوں) کہ جو تمہاری ضرورت کا متکفل رہا اور ہمیشہ تمہاری تربیت کا اس نے خیال رکھا تو اس کے ساتھ تنگی و ترشی ناکامی و بدبختی میں بھی اس طرح رہنا چاہیے جس طرح نعمت و دولت ترفہ و احسان کی حالت میں تھے۔ یہ خصلت بہت بڑھ کر ہے۔ خدا جس کے نصیب کر دے۔ جب کوئی شخص تمہارا مخالف ہو جائے۔ یا رعایا کا بڑا معاملہ آپڑے اس وقت اپنے دل کو خدائے عزوجل کی طرف لگا کر مراقبہ کرنا چاہیے اور اس کی طاعت کو اپنے نفس پر حاکم کر لینا چاہیے۔

اہلکار کو لازم ہے کہ ضعیف کا رفیق ہو اور مظلوم کا انصاف کرے۔ یاد رکھو کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور وہی شخص خدا کو زیادہ پیارا ہوتا ہے جو اس کے کنبہ پر زیادہ مہربان ہے۔ لازم ہے کہ حکومت عدل کے ساتھ کرے۔ اشراف کی عزت کرتا رہے۔ آبادی ملک اور آمدنی سلطنت کی ترقی میں کوشاں رہے۔ رعایا کیساتھ محبت رکھے

بردباری اور تواضع کا اظہار کرے۔ حقوق سلطنت کو پورا کرنے اور محاصل کی تشخیص میں نرم برتاؤ کرے۔ جب کسی نئے شخص کے تعلقات تمہارے ساتھ شروع ہوں تو اس کی عادت پر خوب غورو پرداخت کرو۔ پسندیدہ عادات میں ساتھ دواور ناپسندیدہ کو بہترین تدابیر سے درست بناؤ۔ اس چابک سوار کو دیکھو۔ جس کا کام گھوڑے کو سدھانا ہے۔ وہ سب سے پہلے اس کے مزاج سے واقفیت حاصل کریگا۔ اگر گھوڑا لات چلانے والا ہے تو سوار ہوتے ہوئے اسے چابک نہیں لگاتا اور اگر سیدھا کھڑا ہونیوالا ہے تو اسے روکے رکھتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ نہیں رکتا تو زیربند لگادیتا ہے۔ اگر گھوڑا سرکش ہوتا ہے تو بہ نرمی وآہستگی اس کو طبیعت پر چھوڑ کر سیدھا کرلیتا ہے اور جب خوگر ہونے لگتا ہے تو پورا پورا سدھالیتا ہے۔ اس مثال میں اس شخص کے لئے جس نے بنی آدم پر سیاست کرنی ہو بہت سے دلائل ہیں۔ بلکہ مدبر کا کام اس سے بھی زیادہ نازک ہے کیونکہ چابک سوار کا تعلق ایک حیوان سے ہے جسے فہم و خطاب و معرفت صواب اور قدرت جواب حاصل نہیں (اور جو تھوڑی سی سمجھ ہے بھی وہ بھی محدود) برخلاف مدبر کے جس کا تعلق اپنے ہی جیسے بنی نوع سے پڑتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ نرمی کے ساتھ غور کرے اور کامل فکرورویت کے بعد حکم دے۔ تم ان لوگوں کے ساتھ جن کا سابقہ تم سے پڑتا ہے صلح جوئی و امن خواہی سے چلو اور حلم و برداشت رکھو۔ سب تمہارے موافق ہو جائیں گے اور برادرانہ محبت شفقت قائم ہو جائے گی۔ یہ بھی یاد رکھو کہ مکان' لباس' سواری' خوردونوش' نوکر چاکر اور سلاحات وغیرہ میں ضرورت اور آسائش سے بڑھ کر تجاوز نہ کرو۔ کیونکہ خواہ تم کیسے ہی اعلیٰ عہدہ پر ہو' تاہم ایک خادم ہو۔ جس کی تقصیر خدمت قابل معافی نہیں ہے۔ یا ایک محافظ ہو۔ جسے ضائع کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ میانہ روی کو اپنی پرہیزگاری کا معین بناؤ اور فقرہ بالا پر اچھی طرح سے کاربند رہو۔ میں تم کو بیہودہ آرائش پسندی کے برے انجام اور اسراف کے

خوفناک خاتمہ سے ڈرانا چاہتا ہوں۔ ان دونوں کا لازمی نتیجہ فقر و ذلت ہے۔ جو شخص ان کو پسند کرتے ہیں وہ انہی کو خوار و نگوں سار بناتے ہیں۔ معاملات کی حالت یہ ہے کہ آپس میں ملتے جلتے ہوا کرتے ہیں اس لئے پچھلے تجربہ سے سامنے آئے ہوئے معاملہ میں کام لینا چاہئیے اور تدبیر کی وہ راہ اختیار کرنا چاہئیے جس پر واضح اور سچی دلیل قائم ہو سکے۔ نیز جو انجام بخیر ہو۔

یاد رکھو کہ تدبیر کیساتھ ایک آفت بھی لگی ہوئی ہے یعنی مدبر کی مصروفیت! جس کی وجہ سے وہ اپنے علم و تجربہ سے کام نہ لے سکے۔ پس شایان یہ ہے کہ اپنی جگہ بیٹھ کر بولنے سے پہلے پورا غور کرے اور سوال و جواب میں مختصر و پر معنی الفاظ استعمال کرے اور دلیل کے ہر ایک پہلو پر نظر دوڑائے۔ اس طریق سے کام اچھا بھی ہو گا اور زیادہ مصروفیت سے آرام بھی ملے گا۔ معہذا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و امداد کا بھی ملتجی رہے کہ اسے ایسی غلطی میں جس کا ضرر مادی و عقلی و اخلاقی ہو جا پڑنے سے محفوظ رکھے۔

کسی شخص کو لائق و کارکن دیکھ کر تم ایسا خیال نہ کرو کہ یہ صرف اپنی چالاکی و تدبیر سے ایسا ہو گیا ہے۔ ایسا خیال کرنا تو اللہ تعالےٰ کیساتھ حسن ظن سے تعرض کرنا ہے اور بمنزلہ اس امر کے ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نفس پر ہی چھوڑ دے۔ جو ہرگز کافی نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی نہ چاہئے کہ تم اپنے آپ کو دیگر شریک الخدمت اہلکاروں سے علم و تجربہ میں بڑھ کر سمجھتے رہو اور دل میں کہا کرو کہ شطرنج تدبیر کا کھلاڑی ہمارے برابر کوئی بھی نہیں دو شخصوں میں زیادہ تر عاقل وہ ہے جو غرور کو پس پشت ڈالکر اپنے رفیق کے طریق و تدبیر کو بہتر سمجھتا ہو اور دونوں کو لازم یہ ہے کہ نعمت ہائے ربانی کے فضل کا شناسا ہو۔ مگر نہ اپنی رائے پر اترائے اور نہ اپنے آپ کو بڑا ٹھیرائے اور نہ اپنے بھائی یا مصاحب یا شریک الخدمت کو حقیر سمجھے۔ میں اپنی تحریر کو حمد الٰہی پر جو سب پر فرض ہے ختم کرتا ہوں۔ کون

ہے جیسے عظمت الٰہی کے سامنے تواضع اور عزت الٰہی کے سامنے ذلت اختیار کرنی نہ چاہیے۔ یا اپنے دل و زبان کو ذکر نعمت ہائے ربانی میں تر زبان نہ رکھنا چاہیے؟

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ابو بکر محمد بن زکریا رازی

یہ مشہور و نامی طبیب عنفوان شباب تک جاہل رہا۔ لڑکپن میں عود بجاتا اور گایا کرتا تھا۔ جب داڑھی نکل آئی اور گلے کا رسیلا پن جاتا رہا تو کہا جو آواز ریش و برودت میں سے نکلتی ہے وہ دوسرے کو خوش نہیں کر سکتی۔ الغرض خنیاگری و نغمہ سرائی کو چھوڑ کر پڑھنا شروع کیا اور طب و فلسفہ کی جانب کامل توجہ سے مصروف ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جب اس نامی طبیب نے پڑھنا شروع کیا اس وقت وہ چہل سالہ تھا۔ طب میں اس کا استاد حکیم ابو الحسن علی بن زین الطبری ہے جو پہلے عیسائی تھا اور پھر مسلمان ہو گیا تھا۔ فردوس الحکمۃ اسی کی تصنیف ہے۔

محمد بن زکریا اپنے زمانہ میں طب کا امام تھا۔ دور دور سے لوگ اس کے پاس علم پڑھنے اور علاج کرانے کیلئے آیا کرتے تھے۔ طب میں جس قدر کتابیں اس نے تصنیف کی ہیں وہ سب نافع اور فوائد جلیلہ کی جامع ہیں۔ جو مسئلہ اطبا کے نزدیک مختلف فیہ سمجھا جاتا ہے اس میں ابن زکریا کا قول محکم تصور کیا جاتا ہے۔ اس کی تصانیف میں سے کتاب الاعصاب' کتاب الجامع' کتاب الحاوی' بہت بڑی کتابیں ہیں۔ موخر الذکر کتاب تیس ضخیم جلدوں میں ہے۔ کتاب چھوٹی ہے لیکن مسائل علمیہ اور عملیہ اس میں بھی چیدہ چیدہ درج کئے ہیں۔

آخر عمر میں یہ مشہور فاضل نابینا ہو گیا تھا اور اس کا سبب بھی اس کی ایک مصنفہ کتاب تھی جو صناعت کیمیا پر لکھی گئی تھی اور جس میں کیمیا کے صحیح ہونے کی

دلائل اور چاندی سونا بنانے کے نسخے اور ترکیبیں متعدد درج ہیں۔ حکیم اس کتاب کو لیکر بغداد سے خراسان پہنچا اور منصور بن نوح بادشاہ کے حضور میں اسے پیش کیا۔ بادشاہ نے کتاب کو تعجب کی نگاہوں سے دیکھا اور حکیم کی بہت ہی تعریف کی نیز ایک ہزار اشرفی صلہ میں عطا فرمائی۔ کچھ دن کے بعد بادشاہ نے کہا کہ جو کچھ اس کتاب میں درج ہے میں اس کا تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔ حکیم نے کہا اس کے لئے ہزاروں روپیہ چاہئیں۔ پھر خاص خاص آلات ہوں۔ وہ تمام ادویہ چیدہ اور عمدہ ہوں۔ پھر نہائت محنت کے بعد کچھ نتیجہ نکل سکتا ہے بادشاہ نے کہا یہ سب کچھ مجھے منظور ہے اور تمام سامان کا مہیا کر دینا میرا ذمہ ہے۔ ابن زکریا خاموش ہو گیا اور بادشاہ نے اپنی بات پر زور دینا شروع کیا۔ آخر حکیم سے بجز اقرار عجز اور کچھ نہ بن پڑا۔ بادشاہ نہائت خفا ہوا۔ کہا میں نہ سمجھتا تھا کہ ایک ایسا شخص جو طب و فلسفہ میں شہرت یافتہ ہے اپنی مصنفہ کتاب میں ہمیشہ کے واسطے جھوٹ کا پھیلانا پسند کریگا اور خلق خدا کو ایسی مشقت و تعب میں ڈالنا چاہے گا۔ جس میں کچھ منفعت نہ ہو۔ خیر تصنیف کتاب میں جو محنت اور وقت تم نے صرف کیا اس کا صلہ تم کو دیا جا چکا لیکن اب اس جھوٹ پھیلانے کی سزا تم کو دی جائے گی۔ اس کے بعد حکم دیا کہ کتاب کو حکیم کے سر پر اتنی دفعہ مارو کہ کتاب پارہ پارہ ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ اسی ضرب کے صدمہ سے حکیم کی آنکھوں میں پانی اتر آیا اور بینائی جاتی رہی حکیم نے بھی کچھ علاج نہ کیا۔ کہا دنیا کو دیکھ کر طبیعت سیر ہو گئی ہے اب بینائی کو کیا کرونگا۔

یہ قصہ ان لوگوں کیلئے سبق عبرت ہے جو کیمیا سازی کی دھن میں عمر گراں کو برباد کر دیتے ہیں اور بالآخر خانہ خراب ہو جاتے ہیں (اس حکیم کے مقولے یہ ہیں (۱) جب تک غذا سے علاج ہو سکتا ہے اس وقت تک دوا نہ دو۔ (۲) جب تک مفرد دوا سے کام چل سکتا ہے مرکب ادویہ کا استعمال نہ کرو۔ (۳) جب طبیب عالم اور ہو مریض اس کی اطاعت کرتا ہے تو

سمجھ لو کہ مرض جلد جاتا رہے گا (۴) مرض کا علاج ابتداہی میں کرنا چاہئیے۔ کیونکہ اس وقت تک طاقت بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس مشہور حکیم نے ۱۳۱۱ھ کو انتقال کیا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قاضی القضاۃ

قاضی شریح

کبار تابعین میں سے تھے۔ زمانہ جاہلیت بھی پایا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا قاضی مقرر فرمایا۔ ۷۵ برس برابر قاضی رہے۔ اس عرصہ میں صرف تین سال قضاء سے باز رہے۔ یہ زمانہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے فتنہ کا تھا۔ آخر میں حجاج بن یوسف نے ان سے استعفاء لے لیا۔ اس کے بعد کبھی دو شخصوں کے جھگڑے میں گفتگو تک نہ کی۔ رائے صائب، عقل صحیح ذکاوفطنت، رسم و رواج سے پوری معرفت کی مجموعی شان سے ان میں قضاء کی اعلے قابلیت تھی۔

ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ قاضی شریح نہائت عمدہ شاعر تھے اور مساوات امر میں سے ایک تھے۔ جو چار شخص ہیں۔ عبداللہ بن زبیر، قیس بن سعد عبادہ اور احنف بن قیس (جو بردباری میں ضرب المثل ہیں)۔ طبیعت میں مزاح بھی تھا۔

ایک شخص نے عورت کے رخصت کرانیکا دعویٰ کیا۔ تکمیل مسل کے بعد مدعی کو کہا کہ میں تیری ماں کے بیٹے (یعنی تیرے) حق میں فیصلہ کرتا ہوں اور اس بارے میں تیری خالہ کی بہن کے بیٹے (خود مدعی مراد ہے) کی شہادت کافی سمجھتا ہوں۔

کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت میں ان کو معطل کرنا چاہا تھا لیکن لوگوں نے کہا کہ فاروق رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ قاضی کے سوا ہم دوسرے پر رضامند نہیں۔ اس لئے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ

حضرت علی مرتضیٰؓ نے جامع مسجد میں سب لوگوں کے سامنے ان کی لیاقت کا امتحان لیا اور جب ان کی قابلیت و جوہر کے اوصاف معلوم ہوئے تو افضل الناس یا افضل الحزب کا خطاب عطا فرمایا۔

ایک دفعہ انہوں نے اپنی بیوی کو مارا پھر اس حرکت پر نادم ہوئے تو اشعار ذیل تصنیف کئے۔

اریت رجلا یضربون نساء ھم　　فشلت یمینی یوم اضرب زینبا

اا ضربھا من غیر ذنب اتت بہ　　فما العدل منی ضرب من لیس مذنبا

فزینب شمس و النساء کواکب　　اذا ما طلعت لم تبق منھن کوکبا

میں نے دیکھا کہ لوگ اپنی اپنی عورتوں کو مارا کرتے ہیں۔ چنانچہ میرا ہاتھ بھی زینب کو مارنے لگا۔ کیا میں اسے بلا قصور کے مارتا ہوں۔ بلا قصور کو مارنا تو عدل میں داخل نہیں۔ زینب تو آفتاب ہے اور دیگر عورتیں ستارہ۔ عورتیں اس کے سامنے یوں چھپ جاتی ہیں جیسے آفتاب کے سامنے کواکب۔

کہتے ہیں زیاد بن سمیہ نے امیر معاویہؓ کو لکھ بھیجا کہ عراق کا نظم و نسق تو میں نے بخوبی کر دیا' اب حجاز کو میرے دست راست کا ماتحت بنا دے تاکہ اسے بھی عمدہ انتظام کے ساتھ تیرے لئے خاص بنا دوں۔ عبداللہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ معظمہ میں قیام پذیر تھے۔ دعاء کی کہ خداوندا ہمیں زیاد کے پنجہ سے بچا۔ خدا کی قدرت اس کے ہاتھ پر طاعون کے آثار نمایاں ہو گئے۔ زیاد نے طبیبوں کو جمع کر کے مشورہ کیا تو سب نے ہاتھ کو کاٹ ڈالنے کا مشورہ دیا۔ پھر قاضی شریح بلائے گئے اور مشورت اطباء کے متعلق ان کی رائے دریافت کی گئی۔ فرمایا آپ کے لئے زرق معلوم اور اجل محتوم ہے اور میں پسند نہیں کرتا کہ آپ زندہ رہیں اور دست راست آپ کے ساتھ نہ ہو۔ یا اگر موت قریب آچکی تو آپ خدا کے حضور میں دست بریدہ پہنچیں اور جب اس بارے

میں سوال کیا جائے تو یہ کہنا پڑے کہ قضائے الٰہی سے بھاگنے کیلئے میں نے ایسا کیا تھا۔ خیر زیاد تو طاعون سے اسی روز مر گیا لیکن عام لوگ جن کو زیاد سے بعض دلی تھا۔ شریح کو ملامت کرنے لگے کہ اس کا ہاتھ کیوں قطع نہ ہونے دیا۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ اس نے مجھ سے مشورہ لیا تھا۔ اور مشورہ میں امانت کا حکم ہے۔ اگر یہ حکم نہ ہوتا تو میں دل سے تو پسند کرتا تھا کہ ہر روز اس کا ایک ایک عضو قطع کیا جاتا۔

مولانا شبلی نے الفاروق میں قاضی شریح کی تقرری قضاء کا واقعہ یوں درج کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کیلئے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہو گیا۔ حضر عمرؓ نے اسے واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکار کیا۔ اس پر نزاع ہوئی اور شریح ثالث مقرر کئے گئے انہوں نے کہا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لیکر سواری کی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حق یہی ہے اور اسی وقت شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔

ایک دفعہ حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ پر ایک غیر مذہب نے قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت علیؓ اس وقت خود خلیفہ اسلام تھے۔ فریقین طلب ہوئے۔ قاضی شریح نے حضرت علیؓ کو عدالت میں تعظیم دی تو جناب ممدوح نے فرمایا کہ قاضی یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ اللہ اکبر جس مبارک زمانہ میں بادشاہ وقت ایک غریب رعایاء کے برابر عدالت میں حاضر کیا جا سکتا ہو' اس کی آزادی کا کیا ٹھکانا ہے اور جہاں بادشاہ وقت کو بے موقع تعظیم دینا بھی قابل گرفت حرکت سمجھ کر اس کا ظلم بتایا جاتا ہو وہاں عدالت کرنا کیسا مشکل امر ہے۔

قاضی شریح نے ۷۸ھ میں ۱۲۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔

امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ

یعقوب نام' ابو یوسف کنیت۔ قاضی القضاۃ خطاب ۔ ۱۱۳ھ کو پیدا ہوئے۔ ہنوز آغوش مادر میں شیر خوار تھے کہ باپ نے انتقال کیا۔ بے کس ماں چرخہ کات کر اپنی گذران اور اس یتیم یادر یتیم کی پرورش کیا کرتی۔ جب کچھ ہوش سنبھالا تو ماں نے ایک ٹھٹھیرے کی دوکان پر ظروف مسی کا بنانا سیکھنے کیلئے بیٹھلایا۔ قریب ہی حضرت امام اعظمؒ کا درس تھا۔ یہ دوکان سے اٹھ کر درس میں جابیٹھتے۔ دکھیا ماں کو جب دوکاندار سے معلوم ہو تا کہ اس کا بچہ دوکان سے غائب ہے تو وہ حلقہ درس میں سے اٹھا کر ان کو لے جاتی۔

امام رحمتہ اللہ علیہ نے چندبار اس طرح ملاحظہ فرمایا اور ابو یوسف بھی چند روز تک درس سے غیر حاضر رہے۔ حتی کہ امام نے خود ان کو طلب فرمایا اور غیر حاضری کا سبب پوچھا۔ کہا ماں کی اطاعت اور معاش کی ضرورت مجھے غیر حاضر رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس وقت امام رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ ان کو بٹھلا رکھا۔ جب سب چلے گئے تو سو روپیہ ان کے حوالے کئے اور فرمایا کہ درس میں آیا کرو۔ جب یہ خرچ ہو لیں تو پھر مجھ سے کہہ دینا۔ ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میں نے تو زبان سے کبھی نہ کہا کہ آج روپیہ ختم ہو گئے لیکن جس روز وہ ختم ہو جاتے خدا کی قدرت اسی روز امام رحمتہ اللہ علیہ مجھے روپے دے دیتے۔ غرض امام رحمتہ اللہ علیہ نے ایسی شفقت اور ایسی تربیت کیساتھ ان کو روحانی و جسمانی فوائد و فیوض سے مالا مال بنادیا کہ عمر کے آخری حصہ میں انہوں نے دین اور دنیا دونوں سے کافی تمتع اٹھایا۔

ابو یوسفؒ خود ہی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میری ماں مجھے حلقہ درس سے اٹھانے کے واسطے آئی اور جھنجھلا کر امام رحمتہ اللہ علیہ سے کہنے لگی کہ لڑکے کو تو خراب کرتا ہے۔ میں کہتی ہوں کہ یہ بے پدر بچہ آنہ دو آنہ کا روزگار سیکھ لے تو اچھا ہے اور تو اسے کتابوں میں لگا لیتا ہے۔ امام نے فرمایا کہ یہ علم پڑھ کر روغن پستہ کیساتھ فالودہ کھایا کریگا۔ بڑھیا غصہ میں باہر نکل گئی اور گلی میں جا کر کہا کہ یہ بوڑھا سٹھیا گیا ہے جو ایسی باتیں کرتا ہے۔

ابو یوسف کہتے ہیں کہ میں ایک روز (قاضی القضاۃ بن جانے کے بعد) ہارون رشید کے پاس سے اٹھنے لگا۔ اس نے کہا یعقوب بیٹھ جاؤ۔ آج ہمارے ہاں ایک چیز تیار ہوئی ہے جو ہمیشہ نہیں ہوتی۔ تم بھی کھا کر جانا۔ میں نے پوچھا وہ کیا ہے۔ کہا روغن پستہ والا فالودہ۔ میں سن کر ہنس پڑا۔ رشید نے وجہ پوچھی۔ میں نے ٹالنا چاہا مگر جب اس نے نہائت اصرار کیا تو میں نے تمام قصہ سنا دیا۔ خلیفہ بھی نہائت متعجب ہوا اور بولا بخدا علم میں دینی اور دینوی فوائد دونوں ہی ہیں۔ پھر ابو حنیفہؒ پر رحمت بھیج کر کہنے لگا کہ جو کچھ وہ سر کی آنکھوں سے نہ دیکھ سکتے تھے اسے چشم دانش سے دیکھ لیتے تھے۔

تنوخی نے خلیفہ ہارون رشید کے پاس ابو یوسف کی رسائی ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ امام اعظم رحمتہ اللہ کے انتقال کے بعد ابو یوسف کوفہ سے بغداد چلے آئے تھے۔ ایک فوجی سردار کو حنثِ یمین (قسم کا ٹوٹنا) کے متعلق ایک مسئلہ کی ضرورت پڑی۔ انہوں نے فتویٰ دیا کہ قسم نہیں ٹوٹی۔ اس نے شکرانہ میں بہت سا روپیہ پیش کیا اور اپنی ہمسائیگی میں مکان رہنے کو دیدیا۔ ایک روز فوجی افسر خلیفہ کے پاس گیا۔ دیکھا مغموم بیٹھا ہے۔ وجہ دریافت کی۔ کہا ایک مسئلہ کے متعلق مجھے خلش ہو رہی ہے۔ کسی فقیہہ کو لاؤ۔ یہ سردار امام ابو یوسفؒ کو لے گیا۔ خود ان کا بیان ہے کہ جب میں ایوان کے دروازہ میں داخل ہوا تو ایک کمرہ میں ایک حسین نوجوان قید دیکھا۔ اس نے میرے

سامنے گڑگڑاتے ہوئے ہاتھ پھیلائے مگر میں اس کا مدعاء کچھ نہ سمجھا۔ اندر گیا تو خلیفہ نے پوچھا کہ بادشاہ کسی زانی پر اپنے ذاتی معائینہ پر حد شرعی جاری کر سکتا ہے ؟ میں نے کہا' نہیں۔ خلیفہ نے سنتے ہی سجدہ کیا۔ پھر دریافت کیا کہ تم کہاں سے کہتے ہو۔ میں نے کہا کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے ادر وا الحدود بالشبہات یعنی جب شبہ ہو جاوے تو ملزم پر سزا شرعی جاری نہ کرو۔ ہارون رشید نے پوچھا کہ معائنہ کے بعد کیا شبہ رہ سکتا ہے میں نے کہا کہ معائینہ بھی ایک قسم کا علم ہے اور کوئی شخص اپنے ہی علم سے مجرم کو سزا نہیں دے سکتا۔ خلیفہ نے مکرر سجدہ شکر کیا اور مجھے انعام کثیر دے کر رخصت کیا۔ خلیفہ نے اس نوجوان کو آزاد کر دیا اور اس نے بھی بری ہو کر میرے پاس بہت کچھ بھیجا اور اس واقعہ کے بعد خلیفہ میرے حال پر مہربان ہو تا گیا حتی کہ مجھے قاضی القضاۃ بنا دیا۔

امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابو یوسفؒ ہنوز طالب علم ہی تھے کہ سخت مریض ہو گئے۔ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ ان کی عیادت کو گئے۔ ہم بھی ساتھ تھے۔ جب واپس ہو کر ان کے گھر سے نکلے تو امام رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر یہ جوان مر گیا تو روئے زمین کا عالم ترین شخص مریگا۔

حماد رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک روز زفر میرے والد (امام ابو حنیفہؒ) کے دست چپ اور ابو یوسف' دست راست پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک مسئلہ میں بحث کرنے لگے۔ ابو یوسفؒ کی دلیل کو زفر کاٹ دیتے اور زفر کی دلیل کو ابو یوسفؒ غلط ٹھہرا دیتے تھے۔ یونہی ظہر کا وقت آ گیا۔ جب موذن نے اذان دی تو امام اعظم نے دونوں کو خاموش کر دیا۔ اور زفرؒ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جس شہر میں ابو یوسفؒ ہو گا وہاں سردار نہیں کہلا سکتے۔ مطلب یہ کہ ابو یوسفؒ کو ڈگری دی اور جملہ شاگردان امام میں ابو یوسفؒ کے بعد زفرؒ کا ہی درجہ تھا۔ طاہر بن احمد زبیری کہتے ہیں کہ ایک شخص ابو یوسف

کے پاس آیا اور دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ انہوں نے پوچھا فرمایئے بولا روزہ دار روزہ کب افطار کرے۔ فرمایا آفتاب غروب ہو جانے کے بعد۔ وہ بولا آفتاب آدھی رات تک غروب نہ ہو۔ ابو یوسف ہنس پڑے۔ کہا آپکا خاموش رہنا ہی درست تھا۔ پھر یہ قطعہ پڑھا۔

عجب لازرء الغبی بنفسه وصمت الذی قد کان بالقول اعلما

و فی الصمت ستر للغبی و انما صحیفة لب المرء ان یتکلما

مجھے بیو قوف کی بیہودہ گوئی اور اپنے آپ کو خود ذلیل کرنے پر اور واقف شخص کے خاموش رہنے پر بہت تعجب آتا ہے۔ حالانکہ بیو قوف کیلئے خاموشی ستر و پردہ ہے اور دانا کیلئے بولنا ہی سرمایہ دانش ہے۔

شیخ سعدی نے اسی کے حاصل مطلب کو اس شعر میں ادا کیا ہے ؎

دو چیز تیرہ عقل است دم فرد بستن بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی

دوسرے شعر میں اسی مطلب کو ایک اور پیرایہ میں ادا کیا ہے ؎

کمال است در نفس انساں سخن تو خود را بگفتار ضائع مکن

کتاب الجلیس والانیس میں ہے کہ امام ابو یوسفؒ خط لکھ رہے تھے ایک شخص برابر بیٹھا ہوا دزدیدہ نگاہ سے پڑھنے لگا۔ جب خط لکھا جا چکا تو انہوں نے پوچھا، کوئی غلطی تو کہیں نہیں رہ گئی۔ اس نے (سادہ لوحی سے) کہا نہیں۔ ایک حرف بھی نہیں۔ فرمایا خدا تجھے جزائے خیر دے کہ مجھے پڑھنے کی تکلیف سے بچادیا۔

یحییٰ بن عبدالصمد کہتے ہیں کہ خلیفہ نے ایک باغ کا دعویٰ ابو یوسفؒ کی عدالت میں دائر کیا بظاہر خلیفہ سچا معلوم دیتا تھا مگر درحقیقت مدعا علیہ جو ایک غریب شخص تھا۔ حق پر تھا، ایک روز خلیفہ نے کہا کہ آپ نے میرے مقدمہ میں کچھ فیصلہ نہ دیا؟ انہوں نے مصلحتاً کہا کہ مدعا علیہ یہ کہتا ہے کہ مدعی حلف اٹھائے کہ اس کے

گواہوں نے صحیح شہادت ادا کی ہے۔ خلیفہ نے کہا کیا مدعی سے ایسا حلف لینے کا قاعدہ ہے؟ ابو یوسفؒ نے کہا ہاں۔ امام ابن ابی لیلیٰ کا یہی مذہب تھا۔ خلیفہ نے کہا مجھے حلف نہ دلاؤ۔ میں دعویٰ سے دست بردار ہوتا ہوں۔ امام ابو یوسف کو معلوم تھا کہ خلیفہ حلف نہ اٹھائیگا اس لئے غریب مدعا علیہ کو بچانے کیواسطے یہ تقریر کی تھی۔

ایک کتاب کا مصنف کہتا ہے کہ ہارون رشید کا گزر شہر مبارک (بغداد اور واسط کے درمیان لب دجلہ پر ایک شہر کا نام ہے) سے ہوا۔ وہاں کے قاضی نے لوگوں کو کہا کہ خلیفہ اور قاضی القضاۃ کے سامنے میری تعریف کرو۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ یہ قاضی خود ہی لباس بدل کر سر راہ کھڑا ہو گیا۔ جب خلیفہ کی سواری برابر آئی تو کہا اے امیر المومنین ہمارا قاضی بہت ہی اچھا اور بہت ہی سچا ہے۔ وہاں سے آگے بڑھ کر دوسرے راہ پر جا کھڑا ہوا اور اسی طرح نعرہ لگایا۔ ہارون رشید نے ابو یوسف کی طرف دیکھ کر کہا کہ جس قاضی کی تعریف ایک شخص کے سوا کوئی دوسرا نہیں کرتا وہ بیشک اچھا نہ ہوگا۔ ابو یوسفؒ نے کہا حضور کو تعجب ہوگا کہ یہ قاضی خود ہی ہے جو اپنے منہ سے اپنی تعریف کر رہا ہے۔ ہاروں رشید ہنس پڑا۔ کہا بے شک اسے کبھی معزول نہ کرنا چاہئیے۔ پھر ابو ابو یوسفؒ سے پوچھا کہ کیا تم ایسے لوگوں کو ہی قاضی مقرر کیا کرتے ہو۔ کہا مدت تک امیدوار رہا اور سخت لاچار تھا۔ اس لئے میں نے اسے یہ جگہ دیدی۔

ایک دفعہ ہاروں رشید نے پوچھا ہم نے سنا ہے کہ جو لوگ تمہارے سامنے آکر شہادت دیتے ہیں اور تم ان کی شہادت مان بھی لیتے ہو۔ یہ بناوٹی ہوتی ہیں۔ ابو یوسفؒ نے کہا ہاں یہ میرا قول ہے۔ رشید نے پوچھا کیونکر۔ کہا جو لوگ مستور الحال یا امانتدار ہیں وہ نہ ہم سے واقف اور نہ ہم ان سے آگاہ۔ اور جن شخصوں کا جھوٹ علانیہ ظاہر ہو چکا ہے وہ نہ ہمارے سامنے آسکتے ہیں اور نہ ہم ان کی شہادت قبول کر سکتے ہیں۔ پس یہ بناوٹی لوگ ہی رہ گئے۔ ہارون بولا سچ ہے اصلیت یہی ہے۔ ہلال بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ابو یوسف

تفسیر، مغازی اور ایام کے حافظ تھے اور فقہ تو ان کے اقل علوم میں سے تھی۔ طلحہ بن محمد بن جعفر کہتے ہیں۔ ابو یوسفؒ مشہور الامر الفضل شخص ہیں۔ ان کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر فقیہہ اور کوئی نہ تھا۔ علم و حکمت اور قدر و عظمت میں اعلیٰ درجہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہ حنفیہ میں اصول تحریر کئے اور مسائل کو لکھ کر پھیلایا۔ عمار بن ابو مالک کہتے ہیں کہ اگر ابو یوسفؒ نہ ہوتے تو کوئی شخص ابو حنیفہ اور ابن لیلی رحمتہ اللہ علیہا کا نام بھی نہ جانتا۔ انہیں نے دونوں کے اقوال کو پھیلایا اور ان کے علم کو شائع کیا۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ ابو یوسفؒ فقیہ' عالم اور حافظ (حافظ سے متقدمین کی تصنیفات میں حافظ الحدیث ہوتا ہے) تھے انہوں نے حدیث ابو اسحٰق شیبانی' سلیمان تیمی۔ یحییٰ بن سعد انصاری' اعمش ہشام بن عروہ' عطاء بن سائب اور محمد بن یسار وغیرہ اس طبقہ کے علماء سے سنی تھی۔ یہ پہلے محمد بن ابی لیلیٰؒ کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ آخر میں ابو حنیفہ کی محبت کو سب پر اختیار کر لیا تھا۔ یہ پہلے شخص ہیں جن کو قاضی القضاۃ کا خطاب ملا۔ نیز پہلے شخص ہیں جنہوں نے علماء کیلئے ممیز لباس تجویز کیا۔ ابن عبد البر ان کے ذہن کے متعلق لکھتے ہیں کہ پچاس ساٹھ حدیثوں کو ایک دفعہ سن کر حفظ کر لیتے تھے۔ طبری کہتے ہیں کہ بعض اہل حدیث نے ان سے روائت کرنے میں پرہیز کیا ہے۔ کیونکہ ان کے مزاج میں رائے کو بہت دخل تھا۔ لیکن یہ بھی متحقق ہے کہ ابن معینؒ اور امام ابن جنبلؒ اور علی بن مدائنؒ کو ان کی ثقاہت میں کچھ اختلاف نہیں تھا۔

ابو یوسفؒ سے بھی روائت ہے کہ ایک دفعہ اعمشؒ نے مجھ سے ایک مسئلہ پوچھا۔ میں نے بتلا دیا۔ انہوں نے کہا کہ تم نے کہاں سے جواب نکالا ہے۔ میں نے وہ حدیث جو انہی سے سنی تھی پڑھی اور وجہ استدلال بیان کی۔ اعمشؒ بولے بخدا یہ حدیث تو مجھے اس وقت سے یاد ہے کہ تو ہنوز پیدا بھی نہیں ہوا ہوگا۔ لیکن یہ آج ہی سمجھ میں آیا

کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے۔ابن حزم طاہری اور اسی کے قول کے موافق شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں کہ فقہ حنفیہ کے تمام ممالک میں پھیل جانیکی وجہ یہ ہوئی کہ ابو یوسفؒ قاضی القضاۃ ہو گئے تھے اور قاضیوں کا تقرران کے حکم سے ہوتا تھا۔وہ اسی شخص کو مقرر کرتے جو فقہ حنفیہ کے موافق فیصلے کیا کرتا۔ابن حزمؒ لکھتا ہے کہ مذہب مالکیہ بھی مصر اور افریقہ میں اس طرح یحییٰ بن یحییٰ اندلسی کے ذریعہ اور حکومت کی تائید سے پھیلا تھا۔

قاضی ابو یوسفؒ کا سلسلہ نسب تین واسطوں سے سعد بن اجتبہ سے جا ملتا ہے جو رسول خدا ﷺ کے صحابی اور انصاری تھے۔ان کا انتقال ۱۹۲ھ کو شہر بغداد میں ہوا۔ ان کا فرزند یوسف بھی اپنے باپ کی زندگی میں بغداد کے حصہ مشرقی کا قاضی تھا اور علم و فضل میں مسلم شخص ان کے حالات سے قوم اور خصوصاً طلباء علم کو سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ ہمارے متقدمین اور آئمہ ہدیٰ نے کبھی مفلسی اور تنگدستی کا مقابلہ کرتے ہوئے کیسے علم کو حاصل کرنا ضروری خیال کیا تھا اور پھر خداوند کریم ان کی محنتوں کا کیسا عظیم الشان نتیجہ دیتا تھا۔کسی نے سچ کہا ہے۔

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی   کسب کمال ہیچ زنیر زد عزیزما

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قاضی ابو عبداللہ احمد بن ابی داؤدؒ

سلسلہ نسب اکیس واسطوں سے معد بن عدنان تک ملتا ہے۔ مروت اور فتوحات کیلئے مشہور تھا۔ پہلے ماموں رشید کا مصاحب رہا۔ اس کے بعد معتصم کے عہد میں قاضی القضاۃ ہو گیا۔ ماموں رشید کے دربار میں پہنچنے کی بابت دو روائتیں ہیں۔

(۱) ایک روز ماموں نے قاضی یحیٰی کو بلا بھیجا کہ تم اسی وقت میرے پاس چلے آؤ اور جتنے آدمی پاس بیٹھے ہوئے ہوں ان کو بھی ساتھ لاؤ۔ ابن ابی داؤد بھی جو قاضی یحیٰی کا دوست تھا بیٹھا تھا۔ ساتھ ہی گیا۔ جب سلسلہ کلام شروع ہوا تو ماموں نے ابن ابی داؤد کے طرز کلام اور خوبی گفتار کو نہائت پسند کیا اور کہا تم آجتک ہمارے دربار سے کیوں دور رہے ابن ابی داؤد لکھتا ہے کہ میں یہ تو کیا کہتا کہ قاضی یحیٰی نے ہی مجھے پیش نہیں کیا لیکن یہ کہدیا کہ ہر ایک امر کیلئے وقت مقرر ہے۔ حکم دیا بلا روک ٹوک ہمیشہ حاضر ہوا کرو۔

(۲) جب ماموں رشید خراسان سے بغداد پہنچا تو قاضی یحیٰی کو کہا کہ میرے لئے مصاحبین پسند کرو۔ قاضی صاحب نے بیس شخص انتخاب کئے۔ خلیفہ نے کہا ان میں سے بھی انتخاب کرو۔ قاضی صاحب نے دس رکھے۔ خلیفہ نے کہا ان میں سے بھی انتخاب کرو۔ قاضی نے پانچ رکھے۔ ابن ابی داؤد ہر ایک انتخاب میں شامل تھا۔

ماموں رشید جب تک زندہ رہا ابن ابی داؤد کی نہائت توقیر کرتا رہا۔ مرتے ہوئے جب اپنے بھائی معتصم کو وصیت کرنے لگا تو یہ بھی کہا کہ ابن ابی داؤد کو ہر ایک مشورہ میں شریک رکھنا کیونکہ اس میں مشورت کی اہلیت پائی جاتی ہے۔

معتصم نے والی بنتے ہی قاضی یحیٰی کو معزول کر کے ابن ابی داؤد کو قاضی القضاۃ

بنادیا اور کوئی ملکی راز یا ذاتی کام خلیفہ کا ایسا نہ تھا جس میں ابن ابی داؤد کی رائے شامل نہ ہوتی۔ لازون بن اسمعیل کا قول ہے کہ میں نے آج تک کوئی شخص نہیں دیکھا جو دوسرے کی ایسی اطاعت کرتا ہو جیسے خلیفہ معتصم قاضی ابن ابی داؤد کی کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تھوڑی سی رقم کے متعلق خلیفہ سے درخواست کیجاتی ہے اور وہ نامنظور ہوتی ہے۔ مگر ابن ابی داؤد آتا ہے اور لاکھوں روپوں کے مصارف کی منظوری اہل عرب وعراق وغیرہ کیلئے حاصل کرلیتا ہے۔

مرزبانی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ابن ابی داؤد قنسرین میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ تاجر تھا۔ بیٹے کو سفر میں ساتھ رکھتا اور علم پڑھاتا۔ فقہ اور کلام میں درجہ عالی اس کو نصیب ہوا تھا۔ چونکہ ہیاج بن علاء سلمی کے ساتھ یارانہ تھا اس لئے معتزل المذہب ہو گیا تھا۔ ابو العیناء کا قول ہے کہ ابن ابی داؤد نامی شاعر اور نہائت فصیح وبلیغ ہے اور ہم نے کسی رئیس کو اس سے بڑھ کر فصیح اور بہت زیادہ بولنے والا نہیں دیکھا۔

ابراہیم بن حسن کہتا ہے کہ ہم مامون رشید کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ذکر چل پڑا کہ لیلۃ العقبہ کو انصار میں سے کس کس نے بیعت کی تھی۔ کوئی کسی کا نام لیتا کوئی کسی کا اتنے میں ابن ابی داؤد بھی آگیا۔ مامون نے اس پوچھا۔ اس نے فوراً سب کے نام کنیت معہ ان کے نسب کے بیان کردیئے۔ مامون نے کہا اگر کسی فاضل کو پاس بٹھانا ہو تو ابن ابی داؤد جیسا چاہیئے۔ ابن ابی داؤد بولا کہ جب کوئی حاکم مجلس علم منعقد کرے تو امیر المومنین جیسا چاہیئے جو ہمارے قول کو سمجھتے ہیں اور خود ہم سے بڑھ کر علم رکھتے ہیں۔ ابن ابی داؤد کا قول ہے کہ کوئی شخص کامل نہیں کہلا سکتا جب تک اسے یہ درجہ نصیب نہ ہو کہ بادشاہ اس کو مفلسانہ حالت میں ہی منبر پر بٹھلادے اور وزیر جیسا عہدہ دار جو اس کا دشمن ہو وہ نیچے بیٹھا ہوا ہو۔

اسحٰق بن ابراہیم موصلی کہتا ہے کہ پہلے خلفاء کے دربار میں دستور یہ تھا کہ

جب تک خلیفہ کسی کو نہ بلائے کوئی شخص بول نہ سکتا تھا۔ لیکن ابن ابی داؤد ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے دربار میں خلیفہ کیساتھ گفتگو کرنے میں ابتدا کی۔

ابو العیناء کہتا ہے کہ افشین (حاکم عدالت العالیہ) اور ابو القاسم بن عیسیٰ کی آپس میں دشمنی تھی۔ افشین نے اس پر ایک مقدمہ قائم کیا اور مستوجب قتل ٹھہرا کر قتل کا حکم دے دیا۔ جب قاسم پکڑا گیا اور جلاد منگوالیا گیا' تب ابن ابی داؤد کو خبر ہوئی۔ اسی وقت سوار ہو کر افشین کے مکان میں پہنچا اور اپنے احباب کو ساتھ لیتا گیا۔ کہا میں امیر المومنین کا حکم لے کر آیا ہوں۔ فرمایا کہ قاسم کو کوئی سزا نہ دیجائے جب تک ہمارے سامنے پیش نہ ہو لے۔ پھر ساتھ والوں کو کہا کہ تم گواہ رہو' میں نے امیر المومنین کا حکم پہنچادیا اور قاسم ابتک زندہ صحیح و سلامت ہے اتنا کہا کر معتصم کے پاس پہنچا۔ کہا میں حضور کی جانب سے ایک حکم پہنچایا ہے جو مجھ کو حضور نے نہ دیا تھا۔ لیکن خدا میری نیت بخیر تھی اور میں امید کرتا ہوں کہ امیر المومنین اس حکم کیوجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ٹھہرینگے۔ پھر سارا قصہ سنادیا۔ معتصم خلیفہ نے اس کی رائے کو پسند کیا اور حکم پر سخت عتاب کیا۔

ابو العیناء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ معتصم محمد بن جہم برمکی پر نہائت خفا ہوا اور قتل کا حکم دیدیا۔ منہ پر گردنی باندھی گئی تھی اور جلاد نے تلوار نکال لی تھی کہ ابن ابی داؤد بھی پہنچ گیا۔ کہا حضور اسے قتل تو کرتے ہیں مگر اس کے مال و دولت پر تصرف نہ کر سکیں گے۔ حالانکہ یہ مالدار بہت ہے۔ خلیفہ نے کہا کیوں؟ ہم کو کون روک سکتا ہے۔ کہا خدا اور رسول خدا ایسے مصرف کو ناجائز ٹھیراتے ہیں اور امیر المومنین کا عدل اس کو ناپسند کرتا ہے۔ کیونکہ قتل کے بعد مال وارث کو ملنا چاہئیے۔ حضور کیوں ایسا نہیں کرتے کہ اس کی خیانت کی تحقیقات کی جاوے اور پورے ثبوت کے بعد اس کا مال و اسباب ضبط کر لیا جاوے۔ خلیفہ نے کہا بہتر اسے زنداں میں بھجدیا

جائے اور اس کی تحقیقات شروع ہو۔ بالآخر آفت مال پر ٹل گئی اور جان بچ گئی۔ جاحظ کہتا ہے کہ خلیفہ ایک شخص پر جو دوآبہ فرات کا باشندہ تھا خفا ہوا۔ اس کو بلایا۔ اس کے قصور اسے بتلائے پھر قتل کا حکم دیدیا۔ ابن ابی داؤد بولا حضور اسے تو معزولی کی تلوار پہلے ہی قتل کر چکی ہے اور یہ بیچارہ محض مظلوم ہے۔ خلیفہ چپ کر گیا۔

ابن ابی داؤد لکھتا ہے کہ مجھے زور کا پیشاب آرہا تھا جسے میں روک نہ سکتا تھا۔ لیکن میں سمجھا تھا کہ میں اٹھا اور یہ شخص مارا گیا۔ میں نے کپڑے کو نیچے رکھ کر پیشاب کر لیا اور جب تک اس کی رہائی کا حکم نہ ہوا بیٹھا رہا۔ پھر جب وہاں سے اٹھ کر آنے لگا تو خلیفہ کی نظر میرے بھیگے ہوئے کپڑوں پر پڑ گئی کہ ابو عبد اللہ! جہاں تم بیٹھے تھے کیا یہاں پانی تھا۔ میں نے کہا نہیں۔ بلکہ بات یہ ہے سارا قصہ سنادیا۔ خلیفہ خوب ہنسا۔ کہا بارک اللہ! تم نے خوب کیا۔ پھر ایک لاکھ درم کے انعام دیئے جانے کا حکم دیا۔

ابو العینا لکھتا ہے کہ خلیفہ معتصم خالد بن یزید بن مزید پر خفا ہوا اور معزول کر کے اسے بغداد بلا لیا اور سخت عقوبت کا ارادہ کیا۔ ابن ابی داؤد نے اس کی سفارش بھی کی لیکن خلیفہ نے منظور نہ کی اگلے روز دربار ہوا جس میں خالد کی سزا کا حکم جاری ہونا تھا۔ ابن ابی داؤد اپنی نشست کو چھوڑ کر بہت نیچے بیٹھا۔ خلیفہ نے کہا تم وہاں کیوں جا بیٹھے۔ کہا مجھے یہاں ہی بیٹھنا چاہیئے۔ پوچھا کیوں؟ کہا لوگوں کا خیال ہے کہ اب میرا وہ درجہ نہیں رہا کہ اگر میں قریب بیٹھ کر کسی کے بارے میں سفارش کروں تو وہ منظور کی جائے گی۔ خلیفہ نے کہا اپنی جگہ بیٹھو۔ کہا میری عرض بھی قبول ہو گی یا نہیں۔ کہا ہاں۔ قاضی اٹھکر اپنی جگہ آبیٹھا کہا۔ حضور نے خالد کو معاف تو کر ہی دیا۔ جب ہی مجھے یہاں بٹھلایا ہے لیکن لوگوں کو یہ ثابت نہ ہو گا کہ امیر المومنین دراصل بھی اس سے خوشنود ہو گئے ہیں یا نہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ اسے خلعت سے ممتاز کیا جاوے۔ خلیفہ نے خلعت کا حکم دیدیا۔ پھر کہا حضور اس وقت خالد اور اس کے ہمراہیوں کی ایسی حالت ہے کہ

چھ ماہ تک اپنی حالت کو درست کرینگے۔ اس لئے اگر ان کے چھ ماہ کے گذارہ کا انتظام ہو جاوے تو صلہ بھی ہے اور صدقہ بھی۔ خلیفہ نے یہ بھی منظور کیا۔ خالد دربار سے خلعت ومال لے کر نکلا اور لوگ باہر کھڑے ہوئے خیال کرتے تھے کہ اس کا تن بے سر اور سر بے تن ہی نظر آئے گا۔ ایک شخص یہ حالت دیکھ کر اٹھا کہ اے سردار عرب! تمہاری رہائی پر سب شکر گذار ہو رہے ہیں۔ خالد بولا' چپ کر سردار عرب تو ابن ابی داؤد ہے۔

الغرض یہ شخص مروت و فتوحات' پاسداری ووفا اور صلہ و احسان رسانی میں ضرب المثل ہوا۔ افسوس ہے کہ تعصب مذہبی کی وجہ سے اسی شخص نے مسئلہ خلق قرآن میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو محنت و مصیبت میں گرفتار کرایا تھا۔ ابن ابی داؤد معتصم اور واثق باللہ کی خلافت میں قاضی القضاۃ رہا۔ متوکل کے شروع زمانہ خلافت میں اس پر فالج گرا۔ محرم ۲۴۰ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔



مفتی صدر الدین صدر الصدور

صدر الدین صاحب آخرین فضلائے دہلی ہیں جو غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے دہلی کے چشم و چراغ اور ہندوستان کیلئے مایہ ناز ہو چکے تھے۔ یہ کشمیری الاصل تھے۔ آباؤ اجداد سے علم گھر کی لونڈی بنا ہوا تھا۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ علوم منقول میں مولوی فضل امام صاحب خیر آبادی کے شاگرد تھے۔ اور علوم منقول میں شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ کا تلمذ بھی رکھتے تھے صرف و نحو، منطق، معانی و بیان، ادب و انشاء، فقہ حدیث و تفسیر اور علوم حکمت و ریاضیات میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور جملہ علوم کا درس دیا کرتے۔ دہلی میں جو اعزاز ان کا تھا وہ کم کسی شخص کو حاصل ہوا ہوگا۔ لال قلعہ کے بادشاہ کے سوا اور کوئی ایسا شخص نہ تھا جو ان کے مکان پر حاضر نہ ہوتا ہو۔ طلباء تحصیل علم کیلئے، اہل دنیا اپنے معاملات میں مشورہ و صلاح کے لئے، انشا نگار اصلاح انشا کیلئے اور شعرا مشاعرہ کیلئے اہل دولت بتقریب مقدمات اور اہل علم بہت اکتساب کمالات، غرض ہر طبقہ کے لوگ حاضر باش رہتے تھے۔ شاہی میں مختلف عہدوں پر ممتاز رہے اور بالآخر مفتی سلطنت اور دہلی و نواح دہلی کیلئے اعلیٰ حاکم دیوانی بنے جسے صدر الصدور کہا کرتے۔ باوجود اشغال کثیرہ طلبہ کو پڑھانے کا نہائت شوق تھا۔ جامع مسجد دہلی کے نیچے دار البقاء نام مدرسہ جاری کر رکھا تھا۔ وہاں کے سب طالب علموں کو لباس و خوراک اپنے ہاں سے دیتے اور بعض کو مزید براں وظیفہ بھی۔

ایک دفعہ صدر الصدور صاحب کا ارادہ کلکتہ جانے کا ہوا۔ شاہ عبدالعزیز

صاحب نے ان کو مولوی امین اللہ کے نام جو ایک مدرسہ کے مہتمم تھے خط لکھ دیا۔ اس خط کے چند الفاظ درج ذیل کیئے جاتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوگا کہ شاہ عبدالعزیز جیسے نامور فاضل کے خیالات اپنے نام بردار شاگرد کی نسبت کیا تھے۔

دریں دلا مولوی صدر الدین صاحب کہ از فضلائے نامدار ایں بلدۂ ماہولہ اندر و در اکثر فنون عقلی و نقلی از عربیت و ادب و اصول و فقہ و کلام و ہم فنون فارسی مہارت تمام دارند۔ واکثر مراجعت تحقیقات نفیسہ علوم در فقیر خانہ نمودہ اندو معہذا نسبت ارادت واتحاد با فقیر موروثی دارند و جد امجد ایشاں از فضلائے معتبر و خلص اصحاب و تلامذہ در جناب حضرت والد ماجد فقیر بودہ اند ؎

القوم اخوان صدق بینهم سبب من المودة لم یعدل به النسب

عارم دار الامارت کلکتہ بتقریبات چند در چند اند۔ انشاء اللہ تعالیٰ ملاقات سامی خواہند نمود مراعات جہات مذکورہ در حسن تلقی و اعزاز اکرام ایشان مہما امکن مد نظر سامی باشد"

نواب صدیق حسن جو کثرت تصانیف میں اپنے معاصرین سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں کہ میں دو سال تک ان کی خدمت میں حاضر رہا۔ ان کی محبت مربیانہ اور عطوفت بزرگانہ ابتک مایۂ افتخار ہے۔ زیارات بزرگان دہلی کیوقت میں ہمرکاب اور فضلائے عصر کی تشریف آوری کے وقت میں حاضر باش درگاہ ہوتا تھا۔

مفتی صاحب کو شعر و سخن سے کچھ ایسی الفت تھی کہ بایں ہمہ پیرانہ سالی اس مذاق میں ذرا فرق نہ آیا۔ عربی فارسی اردو میں خود بھی شعر و غزل کا شوق فرمایا کرتے اور دیگر شعراء کے کلام سے بھی حظ اٹھایا کرتے۔ تخلص آزردہ تھا اور کلام میں بھی ولولہ محبت اور نوحہ مصیبت اس قدر بھرا تھا کہ تخلص کی موزونی کا بین ثبوت تھا۔ شعر خوانی کا انداز بھی غضب کا دردناک اور موثر تھا اور اس کا اندازہ وہی لوگ بہ خوبی کر سکتے ہیں

جنہوں نے اپنے کانوں سے ان کے کلام کو سنا ہے۔

آنر یبل سید احمد کے آثار الصنادید میں ان کی غزلیات فارسی اور گلشن بے خار میں کلام اردو کے نمونے درج ہیں۔ چند اشعار یہاں بھی درج کرتا ہوں۔

و کنا کغصنے بانة قد تالفا	ہماری مثال ان دو شاخوں کی سی تھی جو ایک درخت
علٰی درحة حتی استطالا و اینعا	پر لپٹ گئی ہوں اور بابر گ وبار ہو گئی ہوں۔
بغنیہا صدح الحمام مرجعا	جنہیں کبوتر نے پیاپے نغموں سے خوش کیا ہو اور
و یسقیہا کاس السحائب مترعا	سحاب نے چھلکتے ہوئے پیالوں سے مسرور بنایا ہو۔
سلیمین من خطب الزمان اذاسطا	نہ دستبرد زمانہ کا ڈر تھا۔ نہ حاسدوں کی چغل خوری کا
خلیین من قول الحسود اذا سعا	غم۔
ففار قنی من غیر ذنب جنیته	اس حالت میں بلا کسی قصور کے وہ مجھ سے جدا ہو گیا
و القبقلبی حرقت و تو جعا	اور مجھے درد و سوزش میں چھوڑ گیا۔
عفا الله عنه ما جناه فاننی	خدا اس کے گناہ کو معاف کرے۔ میں تو اپنے عہد پر
حفظت اله العمد رالقدیم وضیعا	قائم ہوں۔

یہ ایسے شعر معلوم ہوتے ہیں کہ وفات زوجہ پر لکھے گئے ہوں۔

فارسی کی غزل یہ ہے۔

خواہم دم دعا بدعا تا گریستن	شد بس کہ بے اثر بہ دعاہا گریستن
ازاشک ریزی مژہ خالی نشد ولم	خواہم چو زخم از ہمہ اجزا گریستن
واعظ اگر بیاد قدے گریہ نارواست	بازازچہ روست زپے طوبیٰ گریستن
رنشور شدن چو برق بود باطپیدنم	اے ابربا گریستن ما گریستن
در عیش بیقرارم و در غم بہ پیچ و تاب	خندیدنم شبیہ بود باگریستن
دل راہمیشہ خندہَ من خون کند چو چشم	بشگافدم جگر ۔ قلم آساگریستن

موجے بزن کہ ترکنم ابر بہار را　　اے دیدہ تابچے بمدارا گریستن

اے دل بیاکہ خاک کنم ابرو برق را　　از تو بخوں طپیدن وازنا گریستن

یہ غزل عرفی کی مشہور غزل کے جواب میں ہے جسکا مقطع ضرب المثل ہے ۔

عرفی اگر بہ گریہ میسر شدے وصال　　صد سال مے توان بہ تمنا گریستن

ایک دفعہ مفتی صاحب محکمہ نزول کے افسر ہو گئے۔ کام کی کثرت تھی۔ طلبہ کے سبق میں ناغے ہونے لگے۔ ایک شاگرد نے تاریخ لکھی اور مادہ تاریخ میں کمال کر دکھایا۔

ہاتف بدست چپ سر بینی فشردہ گفت　　بیماری نزول بہ صدر الصدور شد

مفتی صاحب صدر الصدور تھے۔ ان کی عدالت میں ایک ساہوکار نے مرزا غالب پر رقم قرضہ کا دعویٰ دائر کیا۔ مرزا صاحب کو جواب دعویٰ کیلئے عدالت میں بلایا گیا تو انہوں نے جواب دعویٰ کی جگہ یہ شعر پڑھ کر سنایا ۔

مفت کی پیتے تھے مئے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہاں　　رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایک دن

مفتی صاحب نے مدعی کو ڈگری دیکر متدعویہ خود ادا کر دیا۔

برائے نام سلطنت مغلیہ کے آخری ہیں دور میں ایسے فاضل کمالات اور مصدر فیوض و احسانات کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ ساکت ہے۔ تمام عمر عیش و رفاہت میں گذری مگر عمر کے آخری بارہ سال نہائت کٹھن تھے غدر ۱۸۵۷ء کے بعد ان پر جرم لگایا گیا کہ انہوں نے باغیوں کو گورنمنٹ کیساتھ جنگ کرنے کے جواز کا فتویٰ دیا تھا اس جرم میں تمام گھر بار اور جائیداد منقولہ و غیر منقولہ ضبط سرکار ہوئی اور مفتی صاحب بھی چند ماہ تک قید رہے لیکن پھر کسی نیک اور رحمدل حاکم نے ان کو رہا کر دیا۔ اگرچہ معاش کی کوئی صورت نہ رہی تھی لیکن کیا مجال کہ وضعداری میں ذرا فرق آ جائے یا حرف شکوہ و گلہ زبان تک آئے۔ انہی ایام میں ایک شاگرد کو خط میں لکھتے ہیں۔

الحمد اللہ تا حل سر رشتہ آمد و شد انفاس درست دارم و او قاف عمر باقیماندہ (چنانکہ دل میخواست) در گذراست ؎

بے غم عشق تو صد زعمرے کے گذشت پیش ازیں کاش گرفتار غمت مے بودم

اللہ تعالیٰ توفیق طاعت و امتثال احکام تشریعی از او امر و نواہی و تسلیم احکام ارادی از صبر و رضا و موافقت و فنا ارزانی فرمائد۔ و تثبت و استقامت بر اں عطا نمائد۔ و پائے ہمت ازیں جادۂ صواب و طریق مستقیم نہ لغزاند۔ در او قاف خاصہ از دعائے حسن خاتمت و نکوئی عاقبت مباہلہ نردو ؎

ہمت نگر ک ہر ورق دفتر امید صدپارہ کردہ ایم وبہ خوناب شستہ ایم

شکر و سپاس ایزدیز بے مثال رآن و ہر لحہ مودی میکنم۔ کہ تلہفے و تاسفے بر زوال زحارف دنیا کہ عبارت از اسباب و سامان تعیش۔ و ساز دبرگ زنیت حیات دنیوی بود اصلا بخاطرم خطور نمیکند۔ مگر بشریت دو اپیر مون دل پیر ماست یکے سر انجام زاد و راحلہ کہ برائے سفر حجاز و اقامت آنجا در او قات باقی حیات مستعار کہ ساعتے بیش نیست کافی و پسند باشد دوم دست بہم دلون بعضے کتب دینیہ از تفسیر و حدیث وعلے کہ نافع در دین است نہ لغو بو علی و ژاژا نوری۔

سال ولادت لفظ چراغ اور سال وفات لفظ چراغ دو جہاں سے نکلتا ہے۔ اکاسی سال کی عمر میں ۱۲۰۵ھ کو جس خاک سے نکلے تھے اسی کے پیوند ہو گئے۔ دہلی میں مدفون ہیں۔ مرزا غالب و مومن اور نواب حسرتی وغیرہ نے ان کی مدح میں قصاید تحریر کئے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿شعراء واُدباء﴾

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

حسانؓ بن ثابت بن منذر بن حرام عرب قحطانیہ میں سے ہیں۔ ابو الولید کنیت تھی۔ ۵۶۲ء میں (یا ساٹھ سال قبل از ہجرت) یثرب میں پیدا ہوئے اور ابتداء ہی سے شعر و سخن کی طرف متوجہ ہو گئے۔ قبل از اسلام مدینہ اور تمام حجاز کے شاعروں کا طریق یہ تھا کہ عرب متفرہ بادشاہوں کی جو شام میں آل غسان تھے اور عراق میں آل منذر) مدح کیا کرتے تھے۔ حضرت حسانؓ شاہان غسان کی طرف متوجہ تھے۔ بصرے میں عمرو بن حارث اور حارث بن ابو شمر اور بلقاء میں جبلہ بن الایہم ان کے خاص ممدوح تھے۔ ان کی اور انکے خاندان کی تعریف میں بڑے بڑے پر زور قصیدے لکھا کرتے تھے

جبلہ کے دربار میں ایک دفعہ نابغتہ الذبیانی اور علقمہ بن عبدہ (جاہلیت کے مشہور و مسلم شعراء) کے ساتھ مشاعرہ اور مطارحہ کا اتفاق ہوا تو جبلہ نے اعتراف کیا کہ حسانؓ بھی ان دونوں سے کم نہیں۔ پھر تین سو دینار اور دس پارچہ کا خلعت دیکر حکم دیا کہ ہر سال تم کو اس قدر انعام مل جایا کریگا۔

جبلہ (ملک بلقاء) اور حارث (والئی بصریٰ) میں باہم کچھ چشمک بھی تھی اور قرابت بھی۔ شاعر اس کے دربار میں بھی جایا کرتے اور اس کے دربار میں بھی۔ لیکن ایک کاذکر دوسرے کے دربار میں ہرگز نہ کیا کرتے۔

حضرت حسانؓ کہتے ہیں کہ میں حارث کے دربار میں کبھی نہ گیا تھا۔ ایک دفعہ اس کی مدح میں قصیدہ لکھا اور بصریٰ پہنچا۔ دربار میں حاضر ہونے کیلئے گیا تو مجھے سردار

ڈیوڑھی میں ملا۔ کہا بادشاہ تمہارے آنے سے خوش ہے اور وہ ضرور تمہارے سامنے جبلہ کا ذکر چھیڑے گا۔ لیکن دیکھنا تم کہیں اسے برا کہنے لگ جاؤ۔ بلکہ وہ تم کو آزماویگا۔ اگر تم نے اس کی برائی کی تو تم سے نفرت کرنے لگے گا اور اگر تم نے اس کی تعریف لمبی چوڑی کی تو اسے ناگوار گذرے گی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس ذکر کو ٹال دینا اور اگر تمہاری موجودگی میں کھانا آجائے تو تم کھانے پر نہ بیٹھنا۔ کیونکہ بادشاہ کا مزاج ایسا ہے کہ اسے درہم و دینار کا خرچ کر دینا تو ناگوار نہیں ہوتا۔ مگر کھانا کھلانا نہائت شاق گذرتا ہے۔ غرض جب تک خصوصیت سے تم کو حکم نہ دے اس وقت تک دستر خوان پر نہ بیٹھنا اور اگر حکم بھی اس نے دیدیا تو تب بھی برائے نام ہی کھاتے رہنا۔ حضرت حسانؓ کہتے ہیں کہ میں اس سردار کا شکریہ ادا کر کے اندر پہنچا۔ بادشاہ نے مجھے وطن و اہل وطن اور معیشت وغیرہ کے متعلق سوالات کئے۔ جن کے میں جواب دیتا رہا۔ اسی سلسلہ میں جبلہ کا بھی ذکر کیا۔ کہا تم نے ہم کو تو چھوڑ ہی رکھا ہے اور جبلہ کا ہی ہو رہا ہے۔ بتلاؤ کہ وہ کیسا ہے۔ میں نے کہا جبلہ اور آپ ایک ہی ہیں۔ یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ پھر کھانا آیا اور بادشاہ نے بڑے بڑے لقمہ اٹھا کر کھانا شروع کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے اشارہ کیا کہ شریک طعام ہو جاؤ۔ میں بھی ساتھ بیٹھ گیا اور برائے نام کھاتا رہا۔ اس کے بعد گونا گوں شراب لائی گئی اور روم کے مطرب اپنے اپنے ساز لیکر حاضر ہو گئے۔ دورِ شراب شروع ہوا۔ بادشاہ نے مجھے جام لینے کے لئے کہا۔ میں نے انکار کر دیا۔ اسنے مکرر کہا تو میں نے جام لے لیا اور جب کچھ سرور ہو گیا تو اپنے اشعار سنانے شروع کئے جو حارث کو بہت ہی پسند آئے۔ اس طرح میں چند روز وہاں ٹھہرا رہا۔ ایک روز سردار ڈیوڑھی نے مجھے اطلاع دی کہ نابغہ آگیا۔ بادشاہ اس کے سامنے کسی شاعر کی عزت نہیں کرتا۔ اس لئے یہ مناسب ہے کہ تم اجازت حاصل کر لو۔ میں نے اجازت حاصل کی۔ حارث نے ۵۰۰ دینار ' ایک خلعت اور دو گھوڑے مجھے عطا فرمائے اور میں

وہاں سے چلا آیا۔

غرض اسلام سے پہلے انکا یہی حال تھا کہ بلقاء اور حوران اور عراق میں گشت لگایا کرتے اور ملوک و امراء سے بڑے بڑے صلہ و انعام حاصل کرتے تھے اور ان انعامات کیوجہ سے ایسے متمول ہو گئے تھے کہ چاندی کے برتنوں میں کھانا کھایا کرتے تھے۔ جب رسول خدا ﷺ مدینہ میں ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو حضرت حسانؓ بھی مسلمان ہو گئے اور تمام بادشاہان دنیا کو چھوڑ کر اس بادشاہ صوری و معنوی کے دروازہ پر بیٹھ گئے۔

ابو الفرج اصفہانی کہتا ہے کہ مکہ میں تین شخص رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجو کیا کرتے تھے۔ عبد اللہ زبعری' ابو سفیان نبیرہ عبد المطلب اور عمرو بن العاص۔ ایک شخص نے سیدنا علی مرتضیٰؓ سے کہا کہ آپ بھی ان لوگوں کی ہجو کیا کریں۔ فرمایا رسول خدا ﷺ مجھے ارشاد فرمائیں گے تو میں تعمیل کرونگا۔ ورنہ نہیں۔ اس شخص نے آنحضرتؐ سے جا کر عرض کیا۔ کہ علیؓ کو ان لوگوں کی ہجو کہنے کی اجازت فرمائی جائے۔ فرمایا وہ اس کام کا نہیں اور اس سے یہ نہیں ہو گا۔ پھر فرمایا کہ جس قوم نے رسول خدا کی تلوار سے نصرت کی ہے وہ کیا زبان سے نصرت نہیں کر سکتی۔ (اس سے مراد انصار مدینہ تھے) حسانؓ چونکہ انصاری ہیں۔ کہا میں یہ خدمت بجا لاؤنگا۔ چنانچہ انصار کی طرف سے بھی تین شخص اہل مکہ کی ہجو کہنے لگے۔ حسان بن ثابت' کعبؓ بن مالک اور عبد اللہ بنؓ رواحہ۔ حسانؓ اور کعبؓ تو اپنے اشعار میں گزشتہ واقعات اور ایام و مآثر کا ذکر کرتے اور مخاطبین کو عار و غیرت دلایا کرتے اور عبد اللہ بنؓ رواحہ ان کی بت پرستی اور کفر و شرک کی نجاست میں آلودگی کا مضمون اپنے اشعار میں باندھتے۔ جب تک اہل مکہ مسلمان نہ ہوئے تھے تب تک تو ان کو حسانؓ اور کعبؓ کے اشعار ناگوار گزرتے تھے اور جب وہ مسلمان ہو گئے تب عبد اللہؓ کے اشعار سے بڑھ کر ان کے لئے کوئی جگر

خراش چیز نہ تھی۔

مدارج النبوۃ میں ہے کہ جب حسانؓ جواب گوئی اہل مکہ کیلئے مستعد ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اہل مکہ کی ہجو کرنا اور ان کے نسب و قوم کی نسبت کچھ لکھنا نہائت مشکل ہے کیونکہ میں بھی اسی قوم سے ہوں۔ اس لئے جو کچھ لکھا کرو۔ پہلے ابو بکر صدیقؓ کو دکھلا لیا کرو۔ جو تجھ سے بڑھ کر نسب عرب کو جانتے ہیں۔ ابو بکر صدیقؓ نسب کے متعلق تمام پہلو حسانؓ کو سمجھا دیتے تھے۔ چنانچہ جب اہل مکہ نے یہ اشعار سنے تو فوراً کہہ اٹھے کہ ابو بکر صدیقؓ کی اصلاح لئے ہوئے ہیں۔ مروی ہے کہ ان کے لئے ممبر بچھایا جاتا اور پھر سر ممبر اشعار مدح رسول اللہ ﷺ اور جواب مشرکین پڑھ کر سنایا کرتے۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ حسانؓ کے شعر اعداء کیلئے تیر سے زیادہ سخت ہیں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ جب تک حسانؓ مدح رسول میں لگا رہتا ہے' روح القدس اس کی تائید کرتا ہے۔

ایک دفعہ تمیم کے ستر اسی آدمی اپنی قوم کا ایک خطیب (لیکچرار) اور ایک شاعر لیکر مدینہ میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ہمارے خطیب شاعر کا اپنے خطیب و شاعر سے مقابلہ کرائیے (ان کے نزدیک صداقت کی یہی اعلیٰ دلیل تھی) انہوں نے زبرقان بن بدر کو پیش کیا اور اس نے اپنی قوم کے فخریہ اشعار پڑھے۔ آنحضرت ﷺ نے حسانؓ کو اشارہ فرمایا۔ انہوں نے اسی وقت اسی وزن اور اسی قافیہ میں اس کے اشعار کا جواب دیا۔ اس کے اکثر الفاظ کو بھی اسی پر الٹا دیتے تھے۔ ان اشعار میں آنحضرتؐ کے خاندان اور ذاتی اوصاف نہائت شاندار الفاظ میں ذکر کئے۔ بنی تمیم میں سے ایک اور شاعر عطارد بن حاجب اٹھا اور اس نے ایک قطعہ پڑھا۔ حسان رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اسی بحر و قافیہ میں اس کا بھی جواب دیا۔ تب وہ مان گئے اور بول اٹھے کہ یہ صرف سید العرب ﷺ کی برکت ہے کہ حسان ہمارے شاعروں پر غالب آگیا۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ پردادا حرام اور دادا منذر اور باپ ثابت اور ان کی عمر برابر تھی۔ یعنی یہ سب ایک سوبیس سال تک زندہ رہے۔ حسانؓ کے ساٹھ سال جاہلیت کے اور ساٹھ سال اسلام لانے کیوقت ان کی والدہ (فریعہؓ بنت خالد جو قبیلہ خزرج سے ہیں) بھی زندہ تھیں۔ انہوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ عبدالرحمٰن بن حسان جب اپنے اجداد کی عمروں کا ذکر کرتے تو نہائت خوش ہوا کرتے لور سمجھا کرتے تھے کہ میں بھی اسی عمر تک پہونچونگا۔ لیکن خدا کی قدرت کہ انہوں نے صرف ۴۸ سال کی ہی عمر پائی۔

ابو عبیدہؒ کا قول ہے کہ حسانؓ کے محاسن میں سے یہ ہے کہ وہ ایام جاہلیت میں انصار کے شاعر تھے اور آغاز اسلام میں خاص رسول ﷺ کے مدح گو اور اپنے کل زمانہ اسلام میں اہل یمن کے وصف طراز۔ ابو عبیدہؒ ہی کا قول ہے کہ اہل عرب کے نزدیک اہل بدر میں شاعر تریں اہل یثرب ہیں اور اہل یثرب میں شاعر تریں حسانؓ بن ثابت۔

اصمعی نے ان کو فحول شعرا میں شمار کیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو نمکینی ان کے اشعار جاہلیت میں پائی جاتی ہے' وہ اشعار اسلام میں نہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ جب اسلام دل اور زبان پر قابو پالیتا ہے تو کذب و مبالغہ سے روک دیتا ہے۔ اور شعر کا کام کذب یا مبالغہ کے بغیر چلنا دشوار ہے۔

۴۵ھ تا ۵۰ھ میں ایک سوبیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ عنہ



ابو فراس ہمام فرزدق

اسلام کے نہائت مشہور اور اعلےٰ درجے کے بلیغ شاعروں میں سے ہیں۔ ان کے باپ کا نام غالب تھا جو ایک مشہور قوم بنی تمیم کا سردار تھا۔ اس کے واقعات مشہورہ میں سے یہ ہیں کہ ایک دفعہ کوفہ میں سخت قحط پڑا۔ لوگ بھوک کے مارے شہر چھوڑ کر چلے گئے۔ غالب (سردار بنی تمیم) اور سحیم بن واثل (سردار بنو رباح بھی) کوفہ سے ایک دن کی مسافت پر جنگل میں جارہے۔ غالب نے اگلے روز ایک ناقہ ذبح کی اور اپنی کل قوم کو مدعو کیا۔ کچھ گوشت سحیم کے پاس بھی بھیجا۔ سحیم دیکھ کر جل گیا کہ میں کیا غالب کا صدقہ خوار ہوں۔ میں خود قوم کی مہمانی کرونگا۔ چنانچہ اس روز سحیم نے بھی ایک ناقہ ذبح کی اور اپنی قوم کو مدعو کیا۔ تیسرے روز غالب نے تین اونٹ قربانی کئے اور سحیم نے بھی۔ چوتھے روز غالب نے سو اونٹ ذبح کر ڈالے اور سحیم نے ایک بھی نہ کیا کیونکہ اس کے پاس کوئی اونٹ نہ رہا تھا۔ جب قحط ختم ہوا اور سب لوگ شہر میں واپس آئے تو بنو رباح نے سحیم کو کہا کہ تم نے ہمیشہ کیلئے اپنی قوم کو ذلیل کر دیا۔ ہم ایک اونٹ کے بدلے تجھے دو اونٹ دیدیتے مگر لازم تھا کہ تو غالب کے سامنے دب کر نہ رہتا۔ سحیم نے کہا مجبوری تھی۔ میرا گلہ دور گیا ہوا تھا اور اس وقت کوئی اونٹ موجود نہ تھا۔ اگلے روز سحیم نے تین سو اونٹ ذبح کر ڈالے اور ہر ایک کو چہ و برزن میں گوشت رکھوا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ مبارک تھا فتویٰ لیا گیا کہ یہ گوشت جائز ہے یا نہیں مفتی نے فتویٰ دیا کہ یہ کھانے کی نیت سے مذبوح نہیں ہوئے۔ بلکہ محض فخر و مباحات

اور ریاو نمود کیلئے کاٹے گئے ہیں۔ اس لئے ان کا گوشت کھانا جائز نہیں۔

فرزدق اپنے باپ کی اعلےٰ درجہ کی تعظیم کیا کرتا تھا اور مرنے کے بعد اس کی قبر کی بھی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی دو چار دن قبر غالب کے پاس جا کر بیٹھا کرتا تو اس کا حامی بن جاتا۔ ایک دن ایک بڑھیا آئی کہا میں مدتوں تیرے باپ کی قبر پر بیٹھا کئے ہوں اب مجھے ایک مشکل درپیش ہے۔ بولا' کیا۔ کہا میرے بیٹے کو حجاج بن یوسف نے فوج میں بھرتی کر لیا ہے۔ فوج کل کو جنگ کیلئے بھیجی جائیگی وہ میرا اکلوتا بچہ ہے۔ فرزدق نے سن کر تمیم بن زید افسر فوج کے نام اشعار ذیل لکھدیئے۔

تمیم بن زید لا تکونن حاجتی	یظهر فلا یعیا علی جوابها
فهب لی خنیسا واحتسب فیه منة	لعبرة امر مایسوغ شرابها
اتتنی فعاذت یا تمیم بغالب	و بالحضرة الساقی علیها ترابها
وقد علم الا قوام انک ماجد	ولیث اذا ما الحرب شبت شهابها

مطلب یہ کہ آپ کی شرف و فضیلت اور جرات و شجاعت اقوام کے نزدیک مسلمہ ہے۔ آپ خنیس کو چھوڑ دیں اور مجھے ممنون بنائیں۔

جب یہ اشعار پڑھے گئے تو خنیس کا نام صحیح نہ پڑھا گیا۔ حبیس جنیس خنیس وغیرہ وغیرہ پڑھا جاتا تھا۔ سردار نے حکم دیا کہ اس تجنیس کے جتنے اسماء کے اشخاص فوج میں داخل ہیں سب کو فرزدق کے پاس بھیجدیا جائے اور خدمت فوج سے سبکدوش کر دیا جائے۔

فرزدق اور جریر شاعر کی باہم چشمک تھی۔ ایک دوسرے کی ہجو کیا کرتا۔ اور ایک دوسرے کے کلام پر نقص پکڑا کرتا تھا۔ فرزدق مدینہ منورہ میں تھا۔ جریر کی ہجو میں فحش الفاظ استعمال کیا کرتا اور وہ اشعار بہت جلد عوام میں مشتہر ہو جاتے تھے۔ شرفاء مدینہ نے مروان بن الحکم حاکم مدینہ کے پاس اس کی شکائت کی۔ حاکم نے اخراج شہر کا حکم دیدیا۔ فرزدق سعید بن العاص کے پاس آیا۔ یہاں امام حسنؓ و حسینؓ و عبداللہ و جعفر رضی اللہ عنہم بھی تشریف فرما تھے۔ اس نے آکر سنایا کہ حاکم شہر نے مجھے شہر سے

نکالدیا ہے۔ ہر ایک نے سو سو دینار اور ایک ناقہ سواری کیلئے اسے عطا فرمائی اور مروان کو کہلا بھیجا کہ ایسے بد زبان شاعر کے حق میں یہ فیصلہ دینے سے آپ نے خوامخواہ اپنی عزت کو خراب کیا۔ یہ سن کر مروان نے اس کے پاس سو دینار بھجد یئے مگر حکم منسوخ نہ کیا۔

ایک دفعہ امام حسن بصریؒ اور فرزدق ایک میت کی نماز پر جمع ہوئے۔ فرزدق نے کہا آج لوگ کہہ رہے ہیں کہ ایک ہی جنازہ پر سب سے زیادہ نیک اور سب سے زیادہ بد شخص کا اکٹھا ہونا تعجب سے خالی نہیں۔ امام حسنؒ نے فرمایا کہ نہ میں سب سے زیادہ نیک ہوں اور نہ تم سب سے زیادہ بد۔ لیکن عزیز من یہ دن سب کیلئے کھڑا ہے۔ تم نے اس کے لئے بھی کچھ تیار کر رکھا ہے۔ بولا' ہاں۔ کلمہ طیب کو ساٹھ سال سے اسی دن کیلئے زادراہ سمجھا ہوں۔ کہتے ہیں مرنے کے بعد فرزدق کو خواب میں دیکھا گیا۔ کہا مجھے اللہ پاک نے اس جواب پر بخش دیا جو میں نے حسن بصریؒ کو دیا تھا۔

اس کی بیوی کا نام نوار تھا جو اس کے چچا کی بیٹی تھی۔ نکاح بھی عجیب طور سے ہوا نوار نے اسے بلا کر کہا' میں کسی جگہ نکاح کرنے والی ہوں تم میرے ولی ہو جاؤ۔ فرزدق نے کہا اقربا میں اور لوگ بھی تو ہیں جو ولی بن سکتے ہیں اور کسی کو ولائت دو۔ عورت نے کہا نہیں۔ ولایت کیلئے تم کو ہی پسند کرتی ہوں کہا اچھا چند معتبرین کے سامنے کہدو۔ تاکہ پیچھے سے کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو۔ نوار نے چار شخصوں کے سامنے کہہ دیا کہ اسے میرے نکاح کی ولایت حاصل ہے۔ فرزدق نے کہا تم عورت کے اس قول پر گواہ رہو اور اس پر بھی گواہ رہو کہ میں نوار کو اپنی زوجہ بناتا ہوں۔ نوار کو یہ ناگوار گذرا۔ مقدمہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے سامنے پیش ہوا۔ جنہوں نے عورت کے حق میں فیصلہ دیا۔ لیکن بعد میں دونوں رضامند ہو گئے اور اس سے فرزدق کی اولاد پیدا ہوئی۔

حالانکہ فرزدق کی زبان درازی و فحش گوئی سے تمام خلق خدا بیزار تھی لیکن اس کی ساری عمر کے اعمال میں سے بہترین عمل جو شمار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہشام بن عبدالملک اپنی ولیعہدی کے زمانہ میں حج کیلئے آیا۔ طواف بیت اللہ میں چاہا کہ استلام حجر کرے لیکن ہجوم اور انبوہ اتنا تھا کہ جا نہ سکا۔ علیحدہ ہو کر بیٹھ گیا۔ سرداران شام بھی

ساتھ تھے۔ ہشام منتظر تھا کہ انبوہ کم ہو جاوے تو میں فارغ ہو کر واپس جاؤں۔ اتنے میں امام زین العابدینؒ آئے۔ طواف کیا اور استلام کے لئے حجر اسود کی جانب جھکے۔ حضرت کے ملکوتی جمال نورانی چہرہ پر ہیبت و وقار کے ایسے انوار آشکار تھے کہ لوگ دیکھتے ہی ٹھٹک گئے۔ راستہ کھل گیا اور آنجناب فراغت و سہولت کیساتھ حجر تک پہنچ گئے۔ سرداران شام نے ہشام سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ ہشام نے دانستہ تجاہل کیا۔ کہ میں نہیں جانتا اس کے دل میں کھٹکا پڑا کہ کہیں شام کے سردار آنجناب کی جانب مائل نہ ہو جاویں فرزدق حاضر تھا۔ کہا اگر ولیعہد نہیں جانتے تو میں اسے خوب جانتا ہوں۔ انہوں نے کہا تم ہی بتلاؤ۔ فرزدق نے فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے۔

هذا الذی تعرف البطحاء و طاته والبیت یعرفه والحل و لحرام	یہ وہ شخص ہے جس کی جاہ و منزلت کو بطحاء اور بیت اللہ حرم خدا اور ورے زمین جانتی ہے۔
هذا ابن خیر عباد الله کلهم هذا التقی النقی الطاهر العلم	یہ اس کا بیٹا ہے جو جملہ خلق خدا سے بہتر تھا یہ تقی ونقی، طاہر و علم (مشہور آفاق) ہے۔
اذا راته قریش قال قائلها الی مکارم هذا ینتهی الکرم	اہل قریش اسے دیکھ کر پکار اٹھتے ہیں کہ فضائل و مکارم کو اس کے در پر ٹھکانا ملتا ہے۔
ینمی الی ذروة العزالتی قصرت عن نیلها عرب الاسلام و العجم	عزت کے جس کنگرہ تک عرب و عجم کے مسلمان نہیں پہنچ سکتے یہ اس پر قدم فرسائی کرتا ہے۔
فی کفه خیز ران ریحه عبق من کف اروء فی عرینیه شمم	ان کے ہاتھ میں جو چھڑی ہے اس کی خوشبو عطر میں ڈوبی ہوئی معشوقہ کی ہتھیلی سے بڑھ کر ہے۔
یغضی حیاء یفضی من مهابته فما یکلم الا حین یبتسم	آپ تو حیا کیوجہ سے نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ اور لوگوں کی آنکھیں ہیبت کے مارے جھکی رہتی ہیں۔ گفتگو صرف اس وقت ہو سکتی ہے حضرت جب مسکرا رہے ہیں۔
ینشق نور الهدی عن نور عزته کالشمس ینجب عن اشراقها الظلم	پیشانی سے نور ہدایت اس طرح نمایاں ہے جیسے آفتاب کی کرنیں جس کے نکلتے ہی اندھیر اٹھ جاتا ہے

منشقته من رسول الله بنعته	یہ وہ شاخ ہے جو شجر رسالت سے نکلی ہے آپ کا
طابت عناصره الخيم و الشيم	وجود آپکی عادات و خصائل پاک وطیب ہیں
هذا ابن فاطمة ان كنت جاهله	اگر تم نہیں جانتے تو اب جان لو کہ یہ بتول زہرا کا بیٹا ہے ان کا
بجده انبياء الله قد ختموا	نانا وہ ہے جس پر رسالت ختم ہوئی (ﷺ)
الله شرفه قد ما وعظمه	اللہ تعالیٰ نے ان کو ازل سے شرافت و عظمت دی ہے اور
جرى بذاك له في لوحه القلم	انکے اوصاف وفضائل قلم نے لوح محفوظ پر لکھ رکھے تھے۔
فليس قولك من هذا بضائره	تیرے اس قول سے کہ میں نہیں جانتا اس کا کچھ نہیں بگوتا
العرب تعرف من انكرت و العجم	کیونکہ جسے تو نہیں جانتا عرب وعجم اس سے بخوبی واقف ہے۔
جمال الثقال اقوام اذا قدحوا	یہ قرضدار رونکابار خود اُٹھالینے والے ہیں اور شیریں شمائل
حلوا الشمائل تحلو عنده تعم	میں ان کے پاس آکر سب نعمتیں شیریں بن جاتی ہیں۔
ماقال لا قط الا في تشهده	تشہد کے سوا آپ نے کبھی لا زبان سے نہیں کہا اگر حرف اہل دنیا پر احسان عمیم فرما کر دنیا سے فقر و فاقہ اور تہی دستی کو نکال کر پھینک دیا ہے۔
لولا التشهد كانت لاء ه نعم	لا تشہد میں نہ ہوتا تب زبان مبارک پر لا بھی نعم کے معنے میں مستعمل ہوا کرتا
عم البرية بالاحسان فانقشعت	اہل دنیا پر احسان عمیم فرما کر دنیا سے فقر وفاقہ اور تہیدستی
عنها الغيابته ولا ملاق والعدم	کو نکال کر پھینک دیا ہے
ان عدا هل التقى كانوا ئمتهم	اگر اہل تقویٰ کا شمار کیا جائے تو یہ (اہل بیتؓ) سب
اوقيل من خيرا هل الارض قيل هم	کے امام ہونگے اور اگر روئے زمین کے لوگوں میں افضل شخص دریافت کرنا ہو تب وہ حضرت ہی ہیں۔
لا يستطيع جواد بعد غايتهم	کوئی شخص کیسا ہی جواد کیوں نہ ہو اور کوئی قوم کیسی ہی صاحب
ولا بدا نبهو قوم وان كرموا	کرم کیوں نہ ہو مگر حضرت کے جود و کرم کو نہیں پہنچ سکتے۔

مقدم بعد ذکر الله ذکرهم ہر ایک کلام کی ابتدا میں اللہ کے ذکر کے بعد ان کا ذکر
فی کل بدء و مختوم به الکلم مقدم ہے اور انہیں کے ذکر پر کلام کا اختتام ہوتا ہے۔
من معشر حبهم دین و بغضهموا انکی محبت ہی دین ہے اور ان کا بغض کفر ہے اور ان کا قرب
کفر و قربهمو امنجی و معتصم پناہ دہندہ و نجات بخشندہ ہے۔
من یعرف الله یعرف اولیته جو خدا کو جانتا ہے وہ آپ کی اولیت کو بھی جانتا ہے تمام
والدین من هذا ناله الا مم خلق خدا کو اسی گھرانے سے دین الٰہی ملا ہے۔

ہشام یہ اشعار سنتے ہی پھڑک اٹھا اور فرزدق کو محبس میں بھجدیا۔ امام زین العابدین ؒ نے دس ہزار درہم اس کے پاس بھیجے فرزدق نے واپس کر دیئے اور کہلا بھیجا کہ میں نے حضرت کی مدح محض حب للہ کیوجہ سے کی ہے نہ امید صلہ و عطا کیلئے۔ امام رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل بیت نبوی ؐ کی عادت یہ ہے کہ ہبہ کو واپس نہیں لیتے۔ تب فرزدق نے درہم رکھ لئے۔ فرزدق کا ایک چھوٹا بچہ مر گیا جب اس کی نماز سے فارغ ہوئے تو اس نے لوگوں کو مخاطب ہو کر یہ شعر پڑھا۔

و ما نحن الا مثلهم غیر اننا اقمنا قلیل بعد هم ثم نرحل

ہم بھی ان (مردوں) جیسے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تھوڑی دیر ٹھیر کر پھر چل دینگے۔ اس سے چند روز بعد ہی فرزدق کا انتقال ہو گیا۔ جب جریر نے سنا کہ فرزدق کا انتقال ہو گیا ہے۔ بولا میں سمجھتا ہوں کہ اب میری بھی موت قریب ہی ہے کیونکہ اضداد میں سے جب ایک گم ہو جاتی ہے تو دوسرے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ کہتے ہیں چالیس یوم کے بعد وہ بھی مر گیا۔

فرزدق کی وفات ۱۱۰ھ کو بصرہ میں ہوئی۔ عمر سو سال کے قریب تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ہیثم بن عدی بحتری ثعلی

خلیفہ منصور' مہدی' ہادی اور رشید کا مصاحب تھا اور عرب کے اشعار و لغات علوم و اخبار کا نامی راوی۔ ایک دفعہ مہدی نے کہا کہ میں عرب کی تواضع اور سخاوت' کج خلقی اور بخل کے متعلق متضاد حکایتیں سنتا رہا ہوں۔ ہیثم تمہاری کیا رائے ہے۔ کہا حضور میں چشم دید عرض کرونگا۔

میں ایک دوست کی ملاقات کی غرض سے سفر کو چلا۔ ناقہ پر سوار تھا۔ دن بھر کی مسافت کے بعد مجھے جنگل میں ہی رات پڑ گئی۔ میں نے ادھر ادھر نظر ڈالی تو ایک خیمہ نظر آیا۔ میں وہیں چلا گیا۔ خیمہ میں ایک عورت تھی۔ اس نے پوچھا تو کون ہے۔ میں نے کہا مہمان۔ بولی مہمان کا یہاں کیا کام ہے۔ تمام جنگل کھلا موجود ہے۔ اس کے بعد اٹھی۔ آٹا گوندھا روٹی پکائی۔ خود کھا کر بیٹھ رہی اور میری بات تک نہ پوچھی۔ تھوڑی دیر کے بعد تازہ دودھ کا بھرا ہوا برتن لئے ہوئے اس کا شوہر آ پہنچا۔ پہلے سلام کیا۔ پھر مجھ سے دریافت کیا کہ کون ہو۔ میں نے کہا مہمان۔ کہا مرحبا خوب تشریف لائیے۔ پھر بیوی کو پوچھا کہ مہمان کو بھی کھانا کھلایا یا نہیں۔ بولی نہیں۔ اتنا سن کر مرد خیمہ میں گیا اور دودھ کا بھرا ہوا گلاس میرے لئے لے آیا۔ پھر خیمہ میں جا کر عورت کے ساتھ لڑنے لگا کہ تو نے خود تو روٹی کھالی اور مہمان کو بھوکا رکھا۔ آپس میں خوب تکرار ہوئی مرد نے عورت کو مارا پیٹا۔ پھر اندر سے چھرا لیکر باہر نکلا۔ اور میری سواری کی ناقہ کو ذبح کر ڈالا۔ میں نے نرمی سے کہا بھائی صاحب آپ نے یہ کیا کیا۔ کہا بخدا یہ نہیں

ہو سکتا کہ میرے گھر میں آکر مہمان بھوکا رہے۔ غرض گوشت صاف کیا۔ لکڑیاں جمع کر لایا۔ بھونتا جاتا تھا اور ادھر ادھر کی مزیدار باتیں سناتا جاتا تھا۔ گوشت مجھے بھی کھلاتا تھا اور خود بھی کھاتا تھا۔ ہم کھا چکے تو تھوڑے سے کباب عورت کے پاس لے گیا۔

جب صبح ہوئی تو چپکے سے اٹھ کر چل دیا میں نہائت حیران تھا کہ اب سواری کے بغیر کیا ہوگا۔ تھوڑا سا دن چڑھ آیا تھا کہ ایک تیز رفتار اونٹ لیکر وہی شخص آگیا۔ اور کہا کہ ناقہ کے عوض یہ اونٹ قبول فرمایئے۔ پھر مجھے سوار کرادیا اور کچھ گوشت زادراہ کے لئے میرے ساتھ کر دیا۔ چلتے چلتے رات پھر جنگل میں ہوگئی مجھے ایک خیمہ نظر آگیا۔ جس میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے سلام کیا۔ اس نے پوچھا' کون۔ میں نے کہا مہمان۔ بولی مرحبا۔ تشریف لایئے۔ پھر اٹھ کر آٹا گوندھا۔ سمندر جھاگ ڈالکر اسے خمیر بنایا۔ روٹی اور دودھ کا برتن سامنے لاکر رکھا اور عذر بھی کیا۔ اتنے میں بدو اعرابی آیا۔ اسلام علیک کے بعد مجھ سے پوچھا۔ تم کون ہو۔ میں نے کہا مہمان۔ کہا ہمارے ہاں مہمان کا کیا کام ہے۔ پھر عورت کے پاس گیا۔ اس سے روٹی مانگی۔ بولی میں نے مہمان کو کھلادی ہے۔ مرد سن کر نہائت خفا ہوا اور آپس میں خوب جھگڑا ہوتا رہا۔ وہ اندر جھگڑتے تھے اور میں باہر ہنستے ہنستے بیخود ہوا جاتا تھا۔ مرد باہر نکلا۔ مجھ سے ہنسنے کا سبب پوچھا۔ میں نے کہا کچھ نہیں۔ کہا نہیں تمہیں خدا کی قسم ضرور بتلاؤ۔ میں نے کہا کہ کل میں ایک بادیہ نشین کے خیمہ میں مہمان ہوا تھا۔ وہاں مرد متواضع ملا تھا۔ یہاں عورت مہمان نواز ہے اور میاں بیوی میں دونوں جگہ لڑائی ہوئی ہے۔ کہا میری عورت اس مرد کی بہن ہے اور اس کی عورت میری بہن ہے۔ میں تمام شب اس حسن اتفاق پر تعجب کرتا رہا۔

پھر کہا امیر المومنین قدیم زمانہ کی حکائت ہے کہ ایک شخص مرغ کا گوشت بیٹھا کھا رہا تھا۔ ایک سائل آیا جس کو اس شخص نے سختی اور بد مزاجی کیساتھ محروم بھیج دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک سائل آیا۔ یہ شخص مرغ کا گوشت کھا رہا تھا۔ عورت کو کہا

کہ سائل کو روٹی دیدے عورت روٹی دینے گئی تو اس نے سائل کو پہچان لیا کہ اس کا شوہر ہے۔ خاوند کے پاس آکر تاسفانہ لہجہ میں ذکر کیا۔ حالیہ خاوند بولا کہ میں وہی سائل ہوں جسے اس شخص نے مدت ہوئی سختی کیساتھ جواب دیا تھا۔

مروج الذہب میں ہے کہ جب عبداللہ بن علی عباس نے جو خلیفہ منصور کا چچا تھا خلفائے بنی امیہ کی قبور کو کھودا اور ان کی لاشوں کو جلا کر خاک سیاہ بنا دیا' اس وقت معمر بن ہانی عبداللہ کے ساتھ تھا۔ ہیثم لکھتا ہے کہ معمر نے مجھے سنایا کہ جب ہشام بن عبدالملک کی قبر کھودی گئی تو اس کی لاش صحیح سالم تھی۔ صرف ناک کی ہڈی تھوڑی سی گری ہوئی تھی عبداللہ نے اسی کوڑے اسے لگوائے اور پھر جلا دیا۔ اس کے بعد سلیمان بن عبدالملک کی قبر ارض وابق میں جا کر نکالی۔ قبر میں سے صرف ریڑھ کی ہڈی چند پسلیاں اور سر برآمد ہوا ان سب کو جلا دیا گیا۔ پھر دمشق جا کر ولید بن عبدالملک کی قبر کھولی۔ اس کی قبر میں سے کچھ بھی نہ نکلا۔ پھر عبدالملک کی قبر کھودی۔ اس میں سے صرف سر کی ہڈیاں برآمد ہوئیں۔ پھر یزید پلید کی قبر کو کھودا گیا۔ اس میں سے صرف ایک ہڈی برآمد ہوئی اور ایک لمبا خط لحد میں نظر آیا۔ گویا سیاہ راکھ کی لکیر ہے۔

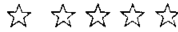
عبداللہ نے بنی امیہ کے ساتھ اس لئے ایسا کیا تھا کہ جب زیدؒ ابن امام زین العابدین کو بغاوت سلطنت کے جرم میں ہشام نے گرفتار کیا تو پھر پھانسی دے کر ان کی لاش کو پہلے تو چند سال تک پھانسی پر ہی لٹکائے رکھا۔ اور پھر آگ میں جلا کر راکھ کو پانی میں بہا دیا تھا۔ عبداللہ نے اپنے چچیرے بھائی کا بدلہ لینے کیلئے قبور کیساتھ ایسا کیا تھا۔

راقم کہتا ہے کہ عبداللہ کے ایسا کرنے کیلئے ہشام کا فعل کوئی دلیل نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک کی تعلیم تو یہ ہے کہ کسی قوم کو دشمنی و عداوت کیوجہ سے تم بے انصافی نہ کرو۔ دشمنوں کے ساتھ بھی کامل انصاف کرنا اور عدل مرعی رکھنا تقویٰ میں داخل ہے۔ افسوس سلطنت کیلئے انسان کیا کچھ کر گذرتا ہے۔ خلفائے بنی عباس نے جب

بنوامیہ کے خلاف علم کھڑا کیا تھا اس وقت وہ اپنے آپ کو بنی ہاشم کے ناصر و مددگار ظاہر کرتے تھے۔ لیکن جب ملک پر ان کا تسلط کامل ہو گیا اور قرابت رسولؐ کے مفتخر دعوی کا دعویدار ہیثم بن ہاشم کے سوا ان کی نگاہوں میں اور کوئی نہ رہا۔ اور نہ کوئی ان کے سوا ایسا خاندان نظر آیا جنکی افضیلت ہر ملک کے میلان طبع کا اندیشہ ہو سکے۔ تب انہوں نے بنی ہاشم کے ساتھ بھی معاندانہ روش کو اختیار کر لیا اور وقتاً فوقتاً بنی ہاشم کا اقتدار و شمار کم کرنے کیلئے مختلف ذرائع و تدابیر کام میں لاتے رہے۔ شاید ماموں رشید کی پالیسی سب خلفائے بنی عباسیہ میں سب سے بہتر تھی۔ جس نے امام رضا کو اپنی بیٹی دیکر جملہ مخالفتوں اور منافرتوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔ گو بنی عباس اس رشتہ کو پسند نہ کرتے تھے اور اس تدبیر کی طفیل قریب تھا کہ خود ماموں کا تخت خلافت بھی جاتا رہے۔ لیکن ماموں اپنے عزم پر قائم رہا اور حضرت امام رضا کو اپنا ولیعہد بھی مشتہر کر دیا۔ مگر تقدیر سے کیا چارہ ہو سکتا تھا۔ امام رضا کا ماموں کے سامنے ہی انتقال ہو گیا اور اس کے بعد پھر کسی خلیفہ نے اس پالیسی پر کاربند ہونے کی جرات و ہمت نہ کی۔

بحتری سنہ ۱۳۰ھ کو پیدا اور غرہ محرم سنہ ۲۰۷ھ کو مر گیا۔ ثعل جس کی نسبت بحتری کہلاتا ہے۔ ایک مشہور قبیلہ جاری ہوا۔ عرو بن مسیح اس قبیلہ کا شخص تھا جو عرب میں اول درجہ کا تیر انداز گنا جاتا تھا۔ اس شخص نے ۱۰۵ برس کی عمر میں آنحضرتؐ کی زیارت سے مشرف ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ بحتری کی تصانیف میں سے کتاب المثالث، کتاب المعمرین، کتاب بیوتات الحرب، کتاب بیوتات قریش، کتاب ہبوط آدم علیہ السلام، کتاب افتراق العرب، جس میں ان کے منازل و نزول کا بیان تھا۔ کتاب نزول الحرب بخراسان و سودان، کتاب نسب طے، کتاب مدتیح الشام، تاریخ العجم، تاریخ بنوامیہ، کتاب الوفود، کتاب خطط الکوفہ، کتاب ولاۃ الکوفہ، تاریخ الاشرف، کتاب طبقات الفقہاء والمحدثین، کتاب کنی الاشرف، کتاب خواتم الخلفاء، کتاب قضاۃ

الکوفہ والبصرہ، کتاب المواسم، کتاب الخوارج، کتاب النوادر، کتاب التاریخ علی السنین، کتاب اخبار الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما اور کتاب اخبار الفرس وغیرہ ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ بحتری علم تاریخ کا بہت بڑا عالم وماہر تھا۔



ابو دلامہ

سلطنت عباسیہ کا ملا دو پیازہ۔ حبشی غلام تھا۔ خلیفہ کی بیوی مر گئی۔ قبرستان میں اسے دفنانے لے گئے۔ قبر کھد رہی تھی۔ جنازہ رکھا ہوا تھا۔ منصور رنجیدہ و متفکر قریب بیٹھا ہوا تھا۔ ابو دلامہ آیا اور خلیفہ کو دھکیلتا ہوا بیٹھ گیا۔ منصور نے کہا۔ کمبخت تجھے یہ بھی خیال نہیں کہ ہم بیٹھے ہیں؟ بولا ہاں یہاں حضور کے چچا کی بیٹی قریب ہی تھی۔ معاف فرمایئے۔ منصور ہنس پڑا۔

سعید بن ودعلج حاکم بصرہ کے پاس ایک دفعہ شعر لکھ کر بھیجے۔

اذا جئت الامير فقل سلام　　عليک و رحمة الله الرحيمه

واما بعدذاك فلی غريم　　من الاعراب قبح من غريم

له الف علی والنصف اخری　　ونصف النصف فی سک قديم

جب تو امیر کے پاس پہنچے تو سلام مسنون کرنا۔ اور اس کے بعد کہنا کہ ایک امیر قرض خواہ ہے جو خود قرض سے بھی برا ہے۔ میں نے اس کے قدیم سکہ کے ہزار اور اس کا نصف اور اس کا نصف روپے دینے ہیں۔ یعنی ۱۷۵۰۔ سعید بن ودعلج نے ۱۷۵۰ روپے اس کے پاس بھیج دیئے۔ ابو دلامہ کا نام فوج میں تھا۔ روح بن حاتم فوج کو لیکر امراء خراسان کے مقابلہ کو چلا۔ لڑائی ہونے لگی۔ جانبین کے کچھ آدمی مارے گئے۔ روح نے ابو دلامہ کو میدان میں جانے کا حکم دیا۔ کہا مجھے معاف فرمادیں۔ اس نے پھر حکم دیا تو ابو دلامہ نے یہ شعر پڑھے۔

انی اعوذ بروح ان یقدمنی الی القتال فیخزی بی بنو اسد
ان المهلب حب الموت اورثکمه ولم ارن انا حب الموت من احد
ان الدنوا الی الا عداء اعلمه مما یفرق بین الروح والجسد

''میں روح سے معافی مانگتا ہوں کہ مجھے میدان جنگ میں نہ بھیجے اور بنی اسد کو رسوا نہ کرے۔ تم کو تو موت کی محبت مہلب سے ورثہ میں ملی ہے مگر مجھ کو کسی سے ایسا ورثہ نہیں ملا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ دشمن کے قریب جانا جسم اور روح کی جدائی کا نام ہے۔ افسر نے کہا تو آجتک تنخواہ کس بات کی کھاتا رہا۔ کہا لڑنے کی۔ کہا پھر لڑائی کیلئے کیوں میدان میں نہیں جاتا۔ کہا کہ میں نے اس امر کا حلف تو کیا تھا کہ سلطنت کی طرف سے جنگ کرونگا۔ لیکن یہ اقرار نہیں کہ سر بھی کٹاؤ نگا۔ اب تم بتلاؤ کہ اگر میں مارا گیا تو تب کیا ہو گا۔ افسر نے کہا باتوں سے کچھ حاصل نہیں تم کو میدان میں جانا ہو گا۔ ابو دلامہ نے کہا اچھا میں جاؤ نگا مگر حضور جانتے ہیں کہ یہ دن میرے لئے دنیا کا آخری اور آخرت کا پہلا دن ہے۔ آپ مجھے جنگ میں بھیجتے ہیں۔ تو کچھ کھانے پینے کو بھی دلا دیجئے۔ کہا جو چاہتے ہو مطبخ سے لے لو۔

ابو دلامہ نے پراٹھے' کباب' عمدہ قسم کے شربت' کچھ میوہ اور پھل لے کر خورجی میں ڈالے پھر سوار ہو کر نیزہ کو چکر دیتا ہوا۔ گھوڑے پر ایڑ لگاتا ہوا میدان جنگ میں پہنچ گیا۔ گرد و غبار سے میدان تیرہ و تار ہو گیا تھا۔ ابو دلامہ اس کی تاریکی میں اپنی تلوار کو چمکا رہا تھا۔ سامنے مبارز پہلے سے موجود تھا۔ ابو دلامہ نے جاتے ہی سلام علیک کیا۔ کہا میں اپنے کام آیا ہوں۔ مجھ سے لڑنے کے لئے جلدی نہ کرنا۔ اس نے پوچھا کیا کام۔ کہا تم مجھ کو جانتے بھی ہو۔ وہ بولا نہیں۔ کہا میں ابو دلامہ ہوں۔ وہ بولا نام تو میں نے سنا ہے مگر تم میدان جنگ میں کیونکر آ گئے۔ کہا میں نہ لڑنے آیا ہوں نہ مرنے۔ میں نے جب تمہاری قوت اور شجاعت' جوانمردی اور پر دلی کا اندازہ کیا تو بہتر سمجھا کہ

ایسے شخص کے ساتھ دوستی کرلی جائے' اب میں تم کو وہ بات بتاتا ہوں کہ جنگ کی نسبت ہمارے لئے بہتر ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم تھک گئے ہو اور بھوکے بھی ہو۔ وہ بولا کہ ہاں! کہا ہم نے نہ خراسان کے تخت پر بیٹھنا ہے اور نہ عراق کی حکومت کو سنبھالنا۔ میرے پاس ایک قسم کا عمدہ کھانا موجود ہے اور یہاں سے قریب ہی پانی بھی ہے۔ چلو وہاں چل کر کھانا کھائیں گے اور میں تم کو گانا بھی سناؤں گا وہ بولا اس سے بہتر اور کیا ہوگا۔ ابو دلامہ نے کہا کہ تمہارے سامنے سے چلتا ہوں گویا بھاگ رہا ہوں۔ تم میرا پیچھا دباتے ہوئے چلے آؤ۔ اس طرح میدان جنگ میں سے نکل چلیں گے۔ غرض اسی طرح دونوں نکل گئے اور دونوں طرف کی فوجیں اپنے اپنے سوار کو دیکھ رہی تھیں۔ کہیں نظر نہ آئے۔ یہ غدیر پر جا بیٹھے۔ کھانا کھایا۔ آسودہ ہو کر باتیں کرنے لگے۔ ابو دلامہ نے کہا کہ ہمارا سپہ سالار روح سخی ابن سخی ہے اور سخاوت کے ثبوت میں تو یہی کافی ہے کہ وہ ابن مہلب ہے۔ اگر تم اس کے پاس چلو تو عہدہ و خلعت' اسپ و سلاح اور زن و غلام کا فوراً انتظام کردے گا۔ تجھے نہال کردیگا۔ تمہاری مرضی ہے مانو یا نہ مانو۔ مجھے صرف یہی بات تم سے کہنی تھی۔ وہ بولا' بیوقوف میں اپنے اہل و عیال کو کیا کروں۔ کہا بھائی صاحب اللہ تعالیٰ سے خیر مانگو اور اسی پر بھروسہ کرکے میرے ساتھ چلو۔ وہ بھی تم کو مل رہیں گے۔ اس نے کہا اچھا۔ غرض وہاں سے دونوں مل کر لشکر کی پچھلی طرف سے ہو کر آئے۔ ابو دلامہ آگے بڑھ کر سپہ سالار کے سامنے گیا۔ اس نے پوچھا۔ ابو دلامہ! تم کہاں تھے۔ کہا حضور کے کام میں لگا ہوا تھا۔ مقابل کا قتل کردینا میرا حوصلہ نہ تھا اور خود قتل ہو جانا میرا جی نہ چاہتا تھا۔ رہا ناکامیاب واپس آنا اسے میں پسند نہ کرتا تھا۔ اس لئے میں نے باتوں باتوں میں دشمن کو نرم کیا اور حضور کا اسیر کرکے اسے یہاں تک لے آیا۔ میں نے اس سے ان ان چیزوں کے وعدہ کئے ہیں۔ سپہ سالار نے کہا سب کچھ دیا جاویگا۔ بشرطیکہ وہ قابل اعتماد ثابت ہو جاوے۔ سوار نے کہا کہ حضور کو اعتماد کیونکر آسکتا

ہے۔ کہا اپنے بال بچے کو ہماری طرف لے آؤ۔ اس نے کہا اہل و عیال تو یہاں سے دور ہیں اور سر دست ان کو لانا دشوار ہے مگر میں قسم کھاتا ہوں کہ اس کی جورو پر طلاق جو آپ سے بیوفائی کرے۔ اس قسم کے بعد حضور سمجھ سکتے ہیں کہ حضور سے بیوفائی کرنے کے بعد میں اپنی بیوی سے محروم ہو جاؤنگا اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ گھر پہنچ کر بیوفائی کر سکوں۔ سپہ سالار نے یہ سن کر وہ تمام چیزیں جن کا ابو دلامہ نے اس سے وعدہ کیا تھا عطا فرمادیں۔ بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر دیا۔ سوار لوٹ کر چلا گیا اور اس نے اپنے ہی لشکر خراسانی کو تباہ کر دیا۔ غرض اس جنگ میں روح کے اسباب ظفر میں سے ابو دلامہ کی یہ تجویز بھی تھی۔

ایک دفعہ خلیفہ مہدی نے اسے حملہ آور فوج کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ کہا حضور مجھے نہ بھیجئے۔ میں آجتک ۹ فوجوں کے ساتھ گیا ہوں۔ سب کو شکست ہی ہوتی رہی۔ میں نہیں چاہتا ہوں کہ میری نحوست کیوجہ سے حضور کی مظفر و منصور فوج دسویں شمار کی جاوے۔ مہدی ہنس پڑا اور اسے معاف کر دیا۔

ایک دفعہ مہدی نے کہا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ کہا حضور! مجھے ایک شکاری کتا چاہیئے۔ مہدی خفا ہوا کہ ہم الو سے اس کی بڑی سے بڑی آرزو پوچھتے ہیں' وہ کتا مانگتا ہے۔ کہا امیر المومنین! آرزو میری یا آپ کی؟ بولا نہیں تیری۔ کہا بس مجھے تو شکاری کتا چاہیئے۔ خلیفہ نے حکم دیدیا۔ کہا حضور! میں کتے کو شکار کے لئے لیکر جاؤنگا تو کیا پیدل ہی جاؤنگا۔ خلیفہ نے کہا ایک گھوڑا دلا دو۔ کہا حضور! مجھے سائیسی بھی اس گھوڑے کی کرنی پڑے گی۔ خلیفہ نے کہا ایک غلام دلا دو۔ کہا حضور! میں تو شکار سے تھک کر آؤنگا اور غلام گھوڑے کو سنبھال لیگا۔ پھر کون شکار پکائے گا۔ کون مجھے روٹی دیگا۔ حکم دیا کہ ایک لونڈی دلا دو۔ کہا حضور! اتنے جاندار کہاں رہیں گے؟ کیا سب کے سب جنگل میں ہی ڈیرہ لگائیں گے کیا؟ خلیفہ نے کہا کہ ایک حویلی بھی اسے دیدو۔ کہا حضور

احسانات تو بہت کیئے۔ مگر مجھے اتنے بڑے کنبہ کا زیربار کردیا کہ میری گردن بھی کبھی سیدھی نہ ہوگی۔ حکم دیا کہ ہزار جریب اراضی عامرہ اور ہزار جریب غامرہ کا پٹہ اس کو دے دیا جائے۔ کہا میں عامرہ کے معنے تو جانتا ہوں۔ مگر غامرہ کے نہیں۔ خلیفہ نے کہا غامرہ ویران کو کہتے ہیں۔ کہا میں حضور کو ایک لاکھ جریب ویران اراضی کا پتہ بتادیتا ہوں۔ حضور خیال تو فرمادیں کہ میں ویران کو لیکر کیا کرونگا حضور مجھے ایک ہزار جریب اور دلادو۔ کہا' حضور جب مال کا نقصان ہوا تو وہ عامرہ کیسی۔ خود ہی غامرہ بن گئی۔ خلیفہ ہنس پڑا۔ کہا کچھ اور بھی آرزو ہے۔ کہا ہاں! مجھے اجازت دیجئے کہ حضور کے ہاتھ پر بوسہ دے لوں۔ خلیفہ نے کہا یہ تیرا منصب نہیں۔ کہا خیر! مجھے جواب بھی ایسی چیز سے ہی ملا ہے جس سے میرا حرج نہیں۔

ایک دن مہدی رے سے بغداد آیا تو ابودلامہ نے یہ قطعہ پڑھ کر سنایا۔

انی حلفت رایتک سالما   بقری العراق وانت ذووفری

لتصلیین علی النبی محمد   ولتملان درا هما حجری

''میں نے حلف کیا ہے کہ جب آپ کو عراق میں صحیح سلامتی کے ساتھ خورسندو کامیاب دیکھ لوں تو اس وقت آپ نبی ﷺ پر درود پڑھیں گے اور میری گود کو روپوں سے بھر دینگے۔'' خلیفہ نے کہا پہلی بات یعنی درود کا پڑھنا مجھے منظور ہے مگر دوسری بات منظور نہیں۔ کہا حضور! ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دونوں کیلئے یکساں حلف کیا گیا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیدیا کہ اس کی گود روپوں سے بھر دیجاوے۔ تھیلیاں اس کے پلے میں الٹ الٹ کر پڑنے لگیں اور ابودلامہ اپنے ہاتھ کو پھیلانے لگا۔ غرض جب گود بالکل بھر گئی تو اسے کہا گیا اٹھو۔ کہا واہ میرا کرتہ بھی پھٹ جاوے۔ روپیہ کو اسی طرح تھیلیوں میں ڈالدو تب اٹھونگا۔

ابن المنجم کہتا ہے کہ خلیفہ مہدی اور علی بن سلیمان شکار کو چلے۔ مہدی نے

تیر چلایا۔ آہو کے لگا۔ علی نے تیر چلایا تو خطا گیا اور کتے کے جا لگا۔ مہدی ہنس پڑا۔ ابو دلامہ کو کہا کہ اس پر شعر کہو۔ اس نے فی البدیہہ کہا ؎

قدرمی المهدی ظبیا شک بالسهم فواده
وعلی بن سلیمان رمی کلباً فصاده
فهنیا لکما کل امرء یا کل زاده

"مہدی نے ہرن پر تیر چلایا اور اس کا کلیجہ چیر ڈالا۔ علی نے کتے پر چلایا اور اسے شکار کر لیا۔ دونوں کو مبارک ہو کیونکہ ہر ایک اپنا اپنا زاد کھائیگا۔" خلیفہ نے ۳۰ ہزار درہم انعام دیئے۔

ابو دلامہ کا بیٹا بیمار ہو گیا۔ طبیب سے علاج شروع کرایا اور وعدہ کیا کہ صحت کے بعد رقم کثیر دونگا۔ لڑکا اچھا ہو گیا تو کہا بخدا میرے پاس دینے کو کچھ نہیں۔ البتہ تم فلاں یہودی سوداگر پر رقم کثیر کی نالش کر دو۔ میں اور میرا بیٹا شہادت ادا کریں گے۔ طبیب نے ایسا ہی کیا۔ قاضی نے دیکھا کہ مثل میں ثبوت بہت کمزور ہے۔ دعویٰ کو خارج کرتا ہوں تو ابو دلامہ کی زبان سے رہائی محال ہے۔ ڈگری دیتا ہوں تو صریح ظلم ہے۔ آخر طبیب کو اپنے پاس سے کچھ روپیہ دیکر راضی نامہ کرا دیا۔ اس وقت قاضی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ تھے۔

ابو دلامہ کا سن وفات ۱۶۱ھ ہے غور کرنے سے معلوم ہو جاویگا کہ یہ شخص صرف ظریف ہی نہ تھا بلکہ ایک کارآمد شخص بھی تھا اور ایک عمدہ شاعر بھی۔



تمت بالخیر